ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

گلدستۂ محبت

یعنی نمونۂ سلف، فخر الاماثل، نازشِ ہند، مفکرِ ملت
حضرت اقدس مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم
کی خدمات اور اوصاف و کمالات پر مختلف مضامین کا دل آویز مجموعہ

تحریک
حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب لاجپوری مدظلہ
حضرت مولانا ادریس صاحب فلاحی کوسمبوی مدظلہ

تہذیب و ترتیب
اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفا اللہ عنہ
خادمِ حدیث واِفتا دار العلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور

ناشر
مسیح الامت پبلیکیشن، باٹلی، برطانیہ

ہَوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

گلدستۂ محبت

یعنی نمونۂ سلف، فخر الاماثل، نازشِ ہند، مفکر ملت

حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

کی خدمات اور اوصاف وکمالات پر مختلف مضامین کا دل آویز مجموعہ

تحریک

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری مدظلہ

حضرت مولانا ادریس صاحب فلاحی کو سمبوی مدظلہ

تہذیب وترتیب

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفا اللہ عنہ

خادمِ حدیث وافتادار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

ناشر

مسیح الامت پبلیکیشن، باٹلی، برطانیہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

ضروری معلومات

کتاب کا نام	:	گلدستۂ محبت
تحریک	:	حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری مدظلہ وحضرت مولانا ادریس صاحب فلاحی کوسمبوی مدظلہ
تہذیب وترتیب	:	اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفا اللہ عنہ
پہلا ایڈیشن	:	شعبان ۱۴۳۹ھ مطابق اپریل ۲۰۱۸ء
صفحات	:	۵۴۸
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	مسیح الامت پبلی کیشن، باٹلی، برطانیہ
قیمت	:	

ملنے کے پتے

مسیح الامت پبلی کیشن، باٹلی، برطانیہ

شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی، جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ

تحصیل انکلیشور، ضلع بھروچ، گجرات-۳۹۴۱۱۰

Hafiz Ibrahim Patel,

27 Tudor Road, East Ham, London, E6 1DP, UK.

Contact Number: 0044(0)7878266307

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

******

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

******

یوں تو جینے کو سبھی جیتے ہیں دنیا میں مگر
زندگی نام ہے احساس کی بیداری کا

(جگرؔ)

اجمالی فہرست

نمبر شمار	موضوعات	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی غفرلہ	۲۹
۲	کلماتِ تشکر	حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی	۳۴
۳	وجہِ کتاب	حضرت مولانا عبدالرؤف لاجپوری	۳۶
۴	اظہار مسرت	حضرت مولانا محمد ادریس فلاحی، کوسمبوی	۳۸
۵	کلماتِ شکر وسپاس	مولانا محمد ابن حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی	۳۹
۶	مختصر خودنوشت سرگذشت حیات	مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی	۴۱
۷	مختصر تعارف	اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی غفرلہ	۵۷
۸	حضرت مفکر ملت اپنے معاصر مصنف ورفیق کی تحریروں کی روشنی میں	اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی غفرلہ	۶۱
۹	میرے استاذ ومربی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم اپنے بے مثال اوصاف وکمالات کے آئینے میں	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ورتھی فلاحی	۷۳

۱۰	نسلِ نو کی زلفِ پریشاں کو سنوارا جس نے	۱۰۳
	حضرت مفتی جنید احمد بن حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحب نوری	
۱۲	دلِ دردمند اور زبانِ ہوش مند کا حسین امتزاج	۱۱۵
	حضرت مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب	
۱۳	ہمارے مہتمم، ہمارے مربی حضرت الرئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی	۱۵۳
	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب فلاحی، کوسمبوی	
۱۴	مفکر ملت، حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کا بے مثال اہتمام وطریقۂ تعلیم وتربیت	۱۹۵
	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب فلاحی ٹنکاروی	
۱۵	جامع الکمالات شخصیت	۲۴۵
	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب	
۱۶	عصر حاضر کی ایک عبقری شخصیت	۲۶۱
	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رویدروی مدظلہٗ	
۱۷	مفکر ملت، فخر گجرات حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ العالی	۲۶۹
	حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی	
۱۸	حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم کے متعلق چند طالب علمانہ تاثرات	۲۷۹
	حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری	
۱۹	میرے والد میرے مربی	۲۸۷
	حافظ ابراہیم بن مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب	

۲۰	استاذ الاساتذہ، رونقِ گجرات، یادگارِ اکابر، نمونۂ اسلاف، مفکرِ اسلام، دردمندِ قوم وملت، محسنِ امت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کی ایک جھلک حضرت مولانا عبدالسلام صاحب لاجپوری	۳۲۳
۲۱	حضرت مفکر ملت مدظلہ اپنے اوصاف وملفوظات کے آئینہ میں حضرت مولانا مفتی زکریا آکودی صاحب	۳۹۱
۲۲	گلہائے محبت در وصفِ مفکر ملت قاری خالد صاحب فلاحی کاپودروی	۴۰۵
۲۳	مناجات بجناب مجیب الدعوات　　شیخ فرید الدین عطارؒ	۴۳۰
۲۴	ایک عہد ساز اور مردم خیز شخصیت حضرت مولانا محمد فاروق صاحب بڑودوی فلاحی مدنی	۴۴۷
۲۵	مفکرِ ملت، علی میاں ثانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کچھ یادیں، کچھ باتیں حضرت مفتی ابراہیم بن سلیمان صاحب ہانسلود فلاحی	۴۶۹
۲۶	دورِ ریاست کی چند آخری جھلکیاں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب پٹیل ورسٹھی فلاحی	۴۸۷
۲۷	حضرت مفکر ملت مدظلہ ایک کامیاب منتظم ومربی حضرت مولانا یوسف صاحب بھڑکودروی فلاحی	۴۹۷
۲۸	نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں　　حضرت مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی	۵۰۳

۲۹	فلاح دارین اور اس کا دور رئیسی	۵۱۹
	حضرت مولانا ایوب صاحب جمبوسری فلاحی	
۳۰	چمنستانِ فلاحِ دارین کا نرالا باغباں	۵۲۵
	حضرت مولانا محمد رفیق صاحب فلاحی ورسٹھی	
۳۱	حضرت مفکر ملت کی حیاتِ طیبہ کے چند گوشوں کی ہلکی سی جھلک	۵۲۹
	حضرت مولانا محمد دودھات، کونڈھوی، فلاحی صاحب	
۳۲	حضرت مفکر ملت کے چند اہم اوصاف وکمالات	۵۳۵
	حضرت مولانا عباس بن آدم سریگت دڈھالوی صاحب	
۳۳	بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ	۵۴۱
	حضرت مولانا مفتی موسیٰ بدات صاحب مدظلہ، باٹلی، برطانیہ	
۳۴	گلہائے محبت دروصفِ مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب	۵۴۳
	حضرت مولانا مفتی عمران صاحب کوسمڑی فلاحی	
۳۵	گلہائے محبت بخدمت جناب حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب	۵۴۴
	حضرت مولانا عبدالحئی سیدات صاحب نادرؔ لاجپوری	
۳۶	کہتے ہیں ترا علم سمندر کی طرح ہے — اثرؔ صدیقی صاحب	۵۴۶
۳۷	تہنیت نامہ — محمد یوسف اسعدی	۵۴۷
۳۸	خراجِ عقیدت — مولانا سلیمان صاحب پانڈور، کاپودرویؒ	۵۴۸

فہرست تفصیلی

❁ **مختصر خود نوشت سرگذشت حیات**	۴۱
❁ ولادت وخاندان کے بارے میں	۴۲
❁ میری طالب علمی اور اساتذۂ کرام	۴۶
❁ دار العلوم فلاح دارین	۵۳
❁ **مختصر تعارف**	۵۷
❁ **حضرت مفکر ملت اپنے معاصر مصنف و رفیق کی تحریروں کی روشنی میں**	۶۱
❁ **میرے استاذ و مربی حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم اپنے بے مثال اوصاف و کمالات کے آئینے میں**	۷۳
❁ غیر معمولی انتظامی صلاحیت	۷۶
❁ میرا حق فصلِ بہار پر	۷۷
❁ وسعتِ مطالعہ	۷۷
❁ رہبریٔ علما	۷۸
❁ حمیت اسلامی و دینی غیرت	۷۹
❁ اللہ والوں سے تعلق	۸۰

- اہلِ کمال کی قدر دانی ۸۲
- اساتذہ کے ساتھ سلوک ۸۴
- مختلف زبانوں میں مہارت ۸۶
- قرآن کریم سے شغف ۸۹
- حدیث شریف کی اہمیت ۹۱
- طلبہ کی تربیت ۹۱
- وقت کی پابندی ۹۲
- تشکر کا مادہ ۹۳
- اکابرینِ امت کو دعوت ۹۴
- ساعتِ اجابت بعد عصر ۹۷
- حضرت کی قیمتی نصائح ۹۸
- بندہ پر حضرت والا کی شفقتیں ۹۹
- حضرت والا کی مشغولیت ۱۰۰
- محبت وشفقت ۱۰۱
- **نسلِ نَو کی زلفِ پریشاں کو سنوارا جس نے** ۱۰۳
- **دلِ دردمند اور زبانِ ہوشمند کا حسین امتزاج** ۱۱۵
- رئیسی دور کے آفتاب و ماہتاب ایک نظر میں ۱۱۸
- دار العلوم فلاح دارین ۱۲۵
- راوت فیملی کے ساتھ تعلقات ۱۲۷

- لبیک قولِ مااست ۱۲۷
- **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** ۱۲۸
- فلاح دارین کا نصاب ۱۲۸
- عمومی تعلیمی دلچسپیاں ۱۲۹
- مختلف علوم وفنون میں ہمہ جہتی وافراد سازی ۱۳۲
- عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق ۱۳۵
- فلاح دارین کے متعلق لکھا ہے ۱۳۸
- حضرت دامت برکاتہم کے علمی خطوط ۱۴۱
- بندہ کی تصنیفات پر آپ کی حوصلہ افزائی ۱۴۹
- جمع کتب کا اہتمام ۱۴۹
- اوصافِ حمیدہ ۱۵۰
- **ہمارے مہتمم، ہمارے مربی** ۱۵۳

  حضرت الرئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی
- بندہ دارالعلوم فلاح دارین میں ۱۵۵
- حضرت مہتمم صاحب سے تعلق کی ابتدا ۱۵۶
- فارسی زبان سے تعلق ۱۵۸
- مدبرانہ انداز ۱۵۹
- دین کی خاطر جدوجہد کا جذبہ ۱۶۰
- حضرت کے خادم خاص ۱۶۲

عربی کتابوں کا طریقۂ تعلیم	۱۶۳
انگریزی زبان کی ضرورت کا احساس	۱۶۴
عربی زبان وادب پر توجہ	۱۶۵
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تعلیمی معاہدہ	۱۶۶
مدبرانہ اور حکیمانہ شان	۱۶۷
سادگی اور بے تکلفی	۱۶۸
عادات حمیدہ	۱۶۹
خلافت اور اجازت	۱۶۹
لیسٹر میں علما کا ایک اجلاس	۱۷۰
قوم وملت کا درد	۱۷۱
مہمان نوازی	۱۷۲
طلبہ کی خیر خواہی اور اساتذہ کے ساتھ حسن سلوک	۱۷۴
فلاح دارین میں فن قراءت وتجوید کا عروج	**۱۷۵**
تخصص في القراءة سبعہ اور عشرہ	۱۷۸
سب سے پہلے سبعہ کے دو قاری	۱۷۹
صاحبِ قرآن کا نمونہ	۱۸۰
افراد سازی اور خصوصی تربیت	۱۸۲
قابل اساتذہ کو جمع کرنا	۱۸۳
اکابر علما کی آمد اور ان کی زیارت	۱۸۵

❁ درجۂ تخصص فی التفسیر کا آغاز ۱۸۵

❁ رسمی فراغت کے بعد حضرت والا کی شفقتیں ۱۸۷

❁ تادیب وتنبیہ ۱۸۸

❁ **واللہ إنہ لبحر** ۱۸۹

❁ ایک مزاحیہ واقعہ ۱۹۰

❁ ایک عالم دین کی شہادت ۱۹۰

❁ اکابر کا حضرت کے ساتھ احترام واکرام کا معاملہ ۱۹۱

❁ **مفکر ملت، حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کا بے مثال اہتمام وطریقۂ تعلیم وتربیت** ۱۹۵

❁ ذکر خیر امی جان رحمۃ اللہ علیہا ۱۹۶

❁ ایک لطیفہ ۱۹۷

❁ درشتی ونرمی بہم رواست ۱۹۸

❁ فہم وفراست ۲۰۰

❁ ایک لطیفہ ۲۰۰

❁ ایک اور لطیفہ ۲۰۱

❁ فن معرفت رجال ۲۰۲

❁ ایک ضروری بات ۲۰۳

❁ تائید خداوندی ۲۰۴

❁ تخصص فی الاہتمام قائم فرمادیتے ۲۰۵

ملک کی عالمگیر شخصیات کو دعوت یا آئینۂ معائنات	۲۰۶
صفائی ستھرائی	۲۱۷
تعلیم وتربیت	۲۱۹
ایک لطیفہ	۲۱۹
مجمع الشیخ عبد اللہ الکافو دروي	۲۲۰
راوت برادران کی مدرسہ میں آمد	۲۲۳
عہدۂ اہتمام سے عہدۂ رئیس الجامعہ تک	۲۲۴
بارگاہ رسالت سے شفا کا پیغام	۲۲۶
اساتذہ کی عظمت	۲۲۶
ذوقِ خطابت اور تصنیف وتالیف	۲۲۸
آپ کی مصنفات	۲۲۹
پیکر تسلیم ورضا	۲۳۷
ختام مسک	۲۳۹
درازتر گفتم	۲۴۲
دعا	۲۴۳
جامع الکمالات شخصیت	۲۴۵
پہلی ملاقات	۲۴۶
جامع الکمالات	۲۴۷
ادب اور احترام	۲۴۸

نظافت ونفاست	۲۴۸
علمی پختگی	۲۴۹
عملی زندگی	۲۵۰
مہمان نوازی	۲۵۰
آداب المعاشرت	۲۵۱
وقت کی حفاظت	۲۵۲
اربابِ علم وفضل سے تعلق ومحبت	۲۵۳
دین سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا احترام	۲۵۴
اسلاف سے والہانہ محبت اورعقیدت	۲۵۴
اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے	۲۵۵
اصاغر پروری	۲۵۶
رجال سازی	۲۵۶
تعصّب وتحزّب سے دوری	۲۵۷
مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ	۲۵۷
فراست ودانائی	۲۵۸
أَيَنْقُصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ	۲۵۸
ذوقِ مطالعہ	۲۵۹
تِلْكَ آثَارُنَا	۲۵۹
اعترافِ تقصیر	۲۶۰

عصر حاضر کی ایک عبقری شخصیت ۲۶۱

سفر برطانیہ کے موقعہ پر حضرت دامت برکاتہم کی دو اہم نصیحتیں ۲۶۲

حضرت دامت برکاتہم کی سیاسی بصیرت ۲۶۳

یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقعوں سے جڑی ہوئی کچھ یادیں ۲۶۴

اسلام پسندوں کی حضرت دامت برکاتہم کی نگاہ میں قدر ۲۶۴

اسلام بیزاری اسلام کے نام پر بنائے گئے…… ۲۶۴

یہ ایک سیاسی تدبیر تھی ۲۶۵

امریکی سفارت خانے کے عملے کی فلاح دارین میں آمد ۲۶۵

تعلیمی وتربیتی گہرے نقوش ۲۶۵

میں یہ جملے حضرت دامت برکاتہم کے لیے مستعار لیتا ہوں ۲۶۶

آہ! مقام بلند پر ہونے کے باوجود اعتراف ورجوع کی مثال ۲۶۶

امت کے زوال کا ایک سبب ۲۶۷

اکابر کی اس دور کی مثال ہے حضرت دامت برکاتہم کا وجود ۲۶۷

طبائع وذوق کے لحاظ سے مشورہ ۲۶۷

دینی اور دنیوی تقسیم کو مٹانے کی کوشش ۲۶۸

حضرت دامت برکاتہم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر ۲۶۸

مفکر ملت، فخر گجرات ۲۶۹

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ العالی

پہلی زیارت ۲۷۰

❁ اکرام ۲۷۰
❁ تقرر ۲۷۱
❁ سنہری دور ۲۷۲
❁ چند عالی اوصاف ۲۷۲
❁ اصلاح کا انوکھا انداز ۲۷۳
❁ پابندیٔ وقت ۲۷۳
❁ اکابر سے استفادہ ۲۷۴
❁ ایک نرالی سوچ ۲۷۵
❁ کڑھن ۲۷۵
❁ میرے علمی محسن ۲۷۶
❁ روحانی کشش ۲۷۷
❁ استعفا ۲۷۷
❁ دل کی شہادت ۲۷۸
❁ **حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم کے متعلق چند طالب علمانہ تاثرات** ۲۷۹
❁ استاذ محترم کی چند صفات حمیدہ کا اجمالی ذکر ۲۸۰
❁ حضرت مولانا کا ایک خاص وصف ۲۸۱
❁ نصیحت آموزی ۲۸۱
❁ آپ کا علمی ذوق ۲۸۱
❁ انصاف پسندی ۲۸۳

❁ ایک طرف علم دوستی تو دوسری طرف جلسہ جلوس　۲۸۳
❁ کاش! ہماری قوم بیدار ہو　۲۸۳
❁ طبیعت سلیمہ　۲۸۴
❁ اکابر سے محبت وتعلق کا اہتمام　۲۸۴
❁ کام کرنے والوں کی قدر　۲۸۴
❁ حوصلہ افزائی　۲۸۵
❁ میں نے حضرت الاستاذ سے قصص النبیین پڑھی تھی　۲۸۵
❁ **میرے والد میرے مربی**　۲۸۷
❁ نگرانی　۲۸۸
❁ طلبا کی راحت کا خیال　۲۸۹
❁ مہتمم ہو تو ایسا　۲۸۹
❁ حاضری اور اصلاح　۲۸۹
❁ معمولات کی ادائیگی　۲۹۰
❁ تیقّظ و بیداری وقت کی اہم ضرورت ہے　۲۹۰
❁ پابندیٔ وقت اور اس کا طلبا پر اثر　۲۹۰
❁ طلبا ایسی دعا بھی کرتے تھے　۲۹۰
❁ تربیتِ طلبا　۲۹۱
❁ صفائی اور عملی دعوت　۲۹۱
❁ صفائی کا خوب خیال فرماتے　۲۹۲

❁ مجھے فلاح دارین کی یاد آگئی ۲۹۲

❁ اخبار بینی اور قیلولہ ۲۹۲

❁ نماز کی ادائیگی ۲۹۲

❁ مسنون دعاؤں کے حلقے ۲۹۳

❁ مغرب بعد کے معمولات ۲۹۳

❁ مطالعہ اور بچوں کی خصوصی نگرانی ۲۹۳

❁ جمعرات اور جمعہ کے دن کی مصروفیت کا ایک خاکہ ۲۹۳

❁ اخلاق سے جیا کرتے ہیں، اخلاق سے مارا کرتے ہیں ۲۹۴

❁ استقبال ۲۹۴

❁ نسبت کی قدر ۲۹۶

❁ ایک نشہ ایسا بھی ۲۹۶

❁ نئی کتب کی خریداری کا شوق اور ایک انوکھا معمول ۲۹۶

❁ ذوقِ مطالعہ ۲۹۸

❁ محنتی طلبا سے بہت محبت فرماتے ۲۹۹

❁ اساتذہ سے حسنِ سلوک ۲۹۹

❁ صلاحیت کی قدر ۳۰۰

❁ تنخواہ کی کمی بھی کبھی مہمان نوازی کے آڑے نہیں آئی ۳۰۱

❁ تعلیمی ادارے دیکھنے کا شوق ۳۰۱

❁ کتب خانے دیکھنے کا شوق ۳۰۲

❁ بزرگوں سے تعلق	۳۰۳
❁ گجرات کا ندوہ	۳۰۳
❁ اے گجراتیو! ان کی قدر کرو	۳۰۳
❁ مجھے تو مولانا عبداللہ کاپودروی کے گھر جانا ہے	۳۰۳
❁ ائمۂ حرم کے ساتھ افطار میں شرکت	۳۰۵
❁ آپ کو میرے ساتھ ہی رہنا ہے	۳۰۶
❁ آپ کی وجہ سے ہمیں پورے سفر میں بہت آرام ملا	۳۰۷
❁ آپ کو مستقل طور پر کینیڈا نہیں رہنا ہے	۳۰۷
❁ آپ بھی کبھی ہمارے یہاں تشریف لائیے	۳۰۸
❁ یہ گجرات کے بہت بڑے عالم ہیں	۳۰۸
❁ آبدیدہ ہو کر باہر آئے	۳۰۹
❁ آپ نے میری راحت رسانی کا خوب خیال فرمایا	۳۱۰
❁ گجرات کے ایک شخص سے مجھے بہت امیدیں ہیں	۳۱۰
❁ مسیح الامتؒ کی خصوصی شفقت	۳۱۱
❁ اپنے مقامی علما کی قدر کرو	۳۱۱
❁ آپ بھی بڑے اچھے مقرر ہیں	۳۱۲
❁ دورۂ تبلیغ	۳۱۳
❁ دین کی خاطر آرام دہ سفر کو چھوڑ دیا	۳۱۳

❁ **صل من قطعک واعف عمن ظلمک وأحسن إلی من أساء إلیک** کی جیتی جاگتی تصویر	۳۱۴
❁ جوڑ کو پسند فرماتے ہیں اور توڑ کو ناپسند	۳۱۵
❁ قاضی مجاہد الاسلامؒ کو گجرات کی دعوت	۳۱۶
❁ سید حامد حسن صاحب کی فلاح دارین میں آمد	۳۱۷
❁ اہلِ فن کی قدر	۳۱۷
❁ **الحکمة ضالة المومن**	۳۱۷
❁ ایک خواہش کا اظہار	۳۱۷
❁ علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	۳۱۸
❁ اساتذۂ مکاتب ان باتوں کی طرف خصوصی توجہ دیں	۳۱۹
❁ اسکول جانے والے مسلم بچوں کے ایمان وعقائد کی خصوصی فکر	۳۲۰
❁ **....... محسنِ امت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کی ایک جھلک**	۳۲۳
❁ سرزمین کاپودرا	۳۲۴
❁ خوش نصیبی	۳۲۵
❁ ۲۷ سالہ منصب اہتمام	۳۲۶
❁ اہتمام کانٹوں بھرا تاج ہے	۳۲۷
❁ مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا ضروری ہے	۳۲۷
❁ صدقۂ جاریہ	۳۲۸

- فن پڑھانے والے اساتذہ کو ترجیح ۳۲۸
- فلاحِ دارین میں اکابرین کی آمد میمون ۳۲۹
- دوراندیشی ۳۲۹
- چمن ۳۳۵
- بیت الخلا کی صفائی کا اہتمام ۳۳۵
- حضرت والا کے فلاح دارین کے اہتمام سے متعلق چند اکابر کے تاثرات ۳۳۷
- یہ صفت احسان نہیں ہے ۳۳۸
- تصنیف وتالیف ۳۳۹
- ''صدائے دل'' سے متعلق چند باتیں ۳۴۰
- صدائے دل کی چند خوبیاں ۳۴۳
- ثمرہ ۳۴۹
- سنجیدہ مصروفیت ۳۵۰
- توازن واعتدال ۳۵۰
- دینی غیرت وحمیت ۳۵۰
- آپ کے چند اوصاف حمیدہ کا اجمالی ذکر ۳۵۱
- محفوظات ۳۵۱
- علمی لگن ۳۵۲
- ذوقِ مطالعہ ۳۵۳
- پاکیزہ ذوق ۳۵۴

علمی استفادہ	۳۵۵
ہر بات کی تحقیق کا مزاج	۳۵۷
چھوٹوں کی حوصلہ افزائی	۳۵۸
علم کی نشر و اشاعت کا جذبہ	۳۶۳
سادگی	۳۶۴
تجزیہ	۳۶۵
سرپرستی	۳۶۵
افراد سازی	۳۶۵
سیاست	۳۶۶
حمیت دینی	۳۶۶
قوتِ حافظہ	۳۶۶
خوبی	۳۶۷
رواداری	۳۶۸
عصری حسیت	۳۶۸
حکمت	۳۶۹
ذاتی کتب خانہ	۳۷۰
کتب بینی وقطب بینی	۳۷۱
صحبتِ صالحین پر خود بھی عامل اور اپنی برادری کو ہمیشہ اس کی نصیحت	۳۷۱
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد	۳۷۵

- بزرگوں سے نصیحت کی درخواست ۳۷۷
- اکابر سے مشورہ ۳۷۸
- اہتمام سے متعلق حضرات اکابر کی حضرت دامت برکاتہم کو نصیحتیں ۳۸۰
- السوال نصف العلم ۳۸۲
- حضرت دامت برکاتہم کا حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ اور آپ کی کتابوں سے لگاؤ ۳۸۴
- حضرت کے والد مرحوم بھی بزرگوں کے قدر دان تھے ۳۸۴
- تعمیر مسجد ۳۸۵
- حضرت دامت برکاتہم العالیہ کی طرف سے چند مفید کتابوں کی نشان دہی ۳۸۶
- عزم و حوصلہ ۳۸۹
- دعائیہ کلمات ۳۸۹
- **حضرت مفکر ملت مدظلہ اپنے اوصاف و ملفوظات کے آئینہ میں** ۳۹۱
- سحر خیزی ۳۹۲
- پابندیٔ وقت ۳۹۲
- تعلیم کے تعدد طرق ۳۹۳
- اعلیٰ زبان سیکھنا ۳۹۴
- کتابوں سے محبت ۳۹۴
- مزاج شناسی ۹۵
- انکساری ۳۹۵

چھوٹوں کی ہمت افزائی	۳۹۶
حب جاہ سے کوسوں دور	۳۹۶
صبر و تحمل	۳۹۷
دوسرے کے جذبات کا خیال	۳۹۷
حضرت کی بات ہر وقت جامع اور مفید	۳۹۷
بزرگوں سے خط و کتابت	۳۹۸
سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت	۳۹۸
حضرت مولانا علی میاںؒ	۳۹۹
استغنا	۴۰۰
مکتب کے مدرسین	۴۰۰
مکتب کے مقاصد حضرت کی زبانی	۴۰۱
حضرت سے سنے ہوئے چند واقعات	۴۰۱
گلہائے محبت در وصفِ مفکر ملت	۴۰۵
پیدائش	۴۰۶
تعلیم	۴۰۶
خدمات	۴۰۷
دور اہتمام اور افراد سازی	۴۰۷
ہندوستان کے طویل اسفار	۴۱۰
مہتمم اور اساتذہ کے درمیان کا تعلق	۴۱۲

اساتذہ کی رخصت اور حضرت والا کا عمل	۴۱۳
اخلاق اور حسنِ معاشرت	۴۱۵
اکابرین کی اتباع	۴۱۵
کھلانا پلانا ہی ضیافت نہیں	۴۱۶
بزرگوں کی صحبت بہت ضروری ہے	۴۱۷
اطلاع واتباع	۴۱۸
سفر اور وقت کی حفاظت	۴۱۹
ذکرِ خیر امی جان رحمۃ اللہ علیہا	۴۲۰
طلبا کی تربیت	۴۲۱
نظافت پسندی	۴۲۱
مہمان کے لیے پھل فروٹ	۴۲۲
حضرت والا کی مجالس	۴۲۳
مسجد عائشہ کی تعمیر	۴۲۵
اصل کام مسجد کی آبادی	۴۲۶
مسجد عائشہ کی صفائی	۴۲۶
قرآن کریم سے تعلق	۴۲۷
حضرت والا کا تعلق مع اللہ	۴۲۹
مناجات بجنابِ مجیب الدعوات	۴۳۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق عمل میں فائدہ	۴۳۱

- علما و صلحا کی آمد ۴۳۲
- فضولیات سے احتراز ۴۳۲
- حضرت کی ایک اور خوبی ۴۳۳
- بزرگوں کی صحبت ۴۳۴
- حضرت والا کا علمی ذوق اور مدارس گجرات ۴۳۵
- کتب خانہ ۴۳۷
- کتب خانہ حسب ذیل فنون پر مشتمل ہے ۴۳۸
- حضرت والا کی تصانیف ۴۳۸
- حضرت والا کو جن شیوخ سے اجازت بیعت حاصل ہے ۴۳۹
- حضرت والا کو جن شیوخ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے ۴۴۰
- کاپودرا میں حضرت والا کی فکریں ۴۴۳
- راقم الحروف کی زندگی کے ہر اہم موڑ پر حضرت والا کی شمولیت ۴۴۵
- **ایک عہد ساز اور مردم خیز شخصیت** ۴۴۷
- افراط و تفریط سے گریز ۴۵۳
- شفقت و مہربانی ۴۵۴
- اصول کی پابندی ۴۵۵
- استغنا اور علمی رسوخ ۴۵۶
- اکابرین سے عشق و محبت ۴۵۷
- اکابر اساتذہ سے استفادہ ۴۶۲

❁ مداومت عمل اور جہد مسلسل ۴۶۶

❁ **مفکرِ ملت، علی میاںِ ثانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی** ۴۶۹

کچھ یادیں، کچھ باتیں

❁ حضرتِ والا کا اندازِ تربیت ۴۷۱

❁ توحید اور قدرتِ الٰہی کی تفہیم سادہ انداز میں ۴۷۲

❁ الفاظ کی تحقیق ۴۷۳

❁ آسان تدریس ۴۷۴

❁ تربیتِ عملی اور طلبہ کی نگرانی ۴۷۶

❁ حضرت والا کا عربی ذوق ۴۷۷

❁ حضرت والا سے سنے ہوئے عرب مفکرین اور رہ نماؤں کے نام ۴۷۹

❁ اکابرین کے ساتھ بے مثال تعلق ومحبت ۴۸۱

❁ حضرتِ والا کی زبان سے سنے ہوئے اشعار ۴۸۲

❁ حضرت والا کی چند قیمتی نصائح ۴۸۴

❁ مہمیز ۴۸۵

❁ **دورِ ریاست کی چند آخری جھلکیاں** ۴۸۷

❁ **ادارہ فیضِ دارین کی سرپرستی اور رکنیت** ۴۹۵

❁ **مفکر ملت ایک کامیاب منتظم ومربی** ۴۹۷

❁ **نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں** ۵۰۳

- فلاح دارین اور اس کا دور رئیسی ۵۱۹
- چمنستانِ فلاحِ دارین کا نرالا باغباں ۵۲۵
- حضرت مفکر ملت کی حیاتِ طیبہ کے چند گوشوں کی ہلکی سی جھلک ۵۲۹
- حضرت مفکر ملت کے چند اہم اوصاف وکمالات ۵۳۵
- بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ ۵۴۱
- گلہائے محبت در وصفِ مفکر ملت ۵۴۳

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب

- گلہائے محبت بخدمت جناب حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب ۵۴۴
- کہتے ہیں ترا علم سمندر کی طرح ہے ۵۴۶
- تہنیت نامہ: بقدوم میمنت حضرت مولانا عبداللہ صاحب زید مجدہم ۵۴۷
- خراجِ عقیدت ۵۴۸

نگاہِ اوّلیں

ابونا وجدنا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہم سب کا نکتۂ اولیں تھے، اُن کے بعد دنیا ہزاروں طوفان، حوادث اور آفات سے دوچار ہوئی، روز و شب کی گردش نے سیکڑوں حکومتوں کو زیر وزبر کیا، کتنے ابھرے اور ہمیشہ کے لیے دب گئے، کتنی حرب وضرب، رزم و بزم اور محبت و وفا کی داستانیں رقم ہوئیں اور مٹ گئیں، کتنے غیر معمولی نفوس پیدا ہوئے اور فنا ہو گئے؛ مگر اس دھند لکے میں کچھ لوگوں کے نام آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہیں جیسے وہ کل ہی ہوئے ہوں، اُنہیں دنیا انبیائے کرام اور سفیرانِ خدا کے مقدس نام سے جانتی اور مانتی ہے، اُن کے بعد پھر سلسلہ وار اُن کے متبعین اپنی نفع رسانی اور خیر بارانی کے اعتبار سے زندہ اور پائندہ ہیں، اُن کے بقا اور وجود کا سربستہ راز خود خالقِ کائنات نے اپنی انتہائی سچی کتاب قرآنِ حکیم میں **"أما الزبد فيذهب جفاء و أما ما ينفع الناس فيمكث في الأرض"** کے ذریعے طشت از بام کر دیا ہے۔ معلوم ہوا اس عالمِ ناسوت میں بقا، نفع و خیر کو ہے، بدی و شر کی طلاطم خیز موجیں کتنی ہی حشر سامانیوں کے ساتھ ساحل کو پاش پاش کر رہی ہوں، مگر اُن کے مقدر میں ایک دن ساکن ہو جانا ہے، دوام صرف اُن جواہر پاروں کو ہے جو قعرِ دریا میں دبے پڑے ہیں اور لوگوں کو چمکانے کا کام کر رہے ہیں۔

مخدومی و مربی حضرت مفکرِ ملت مدظلہ کی نفع رساں شخصیت وہ شجرِ پُر بہار ہے جس کے میٹھے پھل چھ دہائی سے لوگ چن رہے ہیں اور انشاء اللہ ایک لمبی مدت تک چنتے رہیں گے۔

آپ نے برما میں آنکھیں کھولیں، دو سال کی عمر ہوئی تو وطن مراجعت فرمائی، جب شعور سنبھالا تو ملک میں جنگِ آزادی کا بگل بج رہا تھا، ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز طوفان نے ہندوستان کے علم خیز و علم ریز علاقوں کو سراسیمہ کر دیا تھا تو ایسے حالات میں گجرات جیسی ریاست کا جو حال رہا ہوگا وہ بعید از تصور نہیں ہے، گنتی کے دو چار مدارس اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے، دوسری طرف گرد و پیش میں انگریزی تعلیم کا غلغلہ تھا، غربت و افلاس کے سیاہ سائے بھی رہ رہ کر تعاقب کر رہے تھے؛ مگر آپ کے والد مرحوم چوں کہ ایک صوفی منش تھے، حضرت تھانویؒ کے دست گرفتہ اور اُن کے مُجاز حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کے تربیت یافتہ تھے، نیز گاؤں میں جو دو چار نفوس سنت و شریعت کی قندیلوں کو لے کر بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو چاک کرنے کے لیے اپنے تئیں کوشاں تھے، اُن میں حضرت کے والد مرحوم بھی تھے، جس کی وجہ سے دینی غیرت و حمیت گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ معاشی حالات نامساعد ہونے کے باوجود آپ کے والدین نے قربانی کا بیش بہا نمونہ پیش فرما کر اقربا کے اصرار کے علی الرغم آپ کو دنیوی تعلیم کے بجائے دینی تعلیم سے آراستہ فرمایا۔

گجرات میں اُن دنوں جو دو چار دار العلوم تھے، اُن میں ایک ممتاز ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل تھا، جہاں کچھ ہی مدت پہلے اربابِ علم وفضل کا بے نظیر کارواں فروکش ہوا تھا، جس کے مقدمۃ الجیش میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور بابا عبدالرحمن امروہیؒ وغیرہ سرآمدۂ روزگار اکابر تھے، یہاں مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحب جیسے نابغۂ روزگار فاضل کا دامنِ تربیت نصیب ہوا، جس کی برکت سے بحرِ علم میں غوطہ زنی کا شوق انگڑائیاں لینے لگا، چناں چہ آپ نے اپنے دامن کو گلہائے علم سے بھرنے کے لیے گلشنِ دار العلوم دیوبند کا رخ کیا، یہاں پہنچ کر پوری محنت ولگن کے ساتھ گل چینی میں مصروف تھے کہ حالات نے پھر وطن پہنچا دیا، وطن واپسی کے بعد والدین واقربا کے اصرار کے سامنے مجبور ہوکر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کا دوبارہ قصد کیا، جہاں اُس دور کے مشہور وباکمال علما سے کسبِ فیض کرنے کے بعد سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ رسمی فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اور دیگر اداروں میں کچھ مدت خدمت انجام دی؛ مگر چوں کہ اکابر دار العلوم سے تحصیلِ علم کی تشنگی ابھی باقی تھی، جس کی ہُوک رہ رہ کر قلبِ مبارک سے اٹھ رہی تھی جو بالآخر عرشِ الٰہی پر پہنچ گئی اور نوشتۂ تقدیر کا ایک ورق پلٹا تو پھر مرکزِ علم ومعارف دیوبند پہنچ گئے، اب کی بار شعور بالغ ہو چکا تھا، اس لیے نظر وفکر کو بے مثال بالیدگی اور جلا حاصل ہوئی، اس دو سالہ قیام نے آپ کی زندگی میں اَن مٹ نقوش چھوڑے، یہاں آپ کو

سوز و ساز، فکر وفن اور حمیتِ دینی کی انمول دولت ملی جس نے آپ کی زندگی کو سراپا حرکت بنادیا، دارالعلوم میں دامنِ مراد بھر کر وطن مراجعت فرمائی تو پھر مادرِ علمی کے چرنوں میں جا پہنچے، یہاں پوری محنت ولگن کے ساتھ عنادلِ جامعہ کی تہذیب میں مصروف ہو گئے، لیکن قدرت کو آپ سے ایک عظیم کام لینا تھا جو ابھی شرمندۂ تعبیر ہونا باقی تھا، اس لیے دستِ قدرت نے آپ کو فلاحِ دارین ترکیسر پہنچا دیا، جہاں آپ نے اپنے ستائیس سالہ دورِ اہتمام میں تعلیم وتربیت، فکر ونظر، انتظام و انصرام اور رجال سازی کے حوالے سے تاریخ رقم کردی۔

فلاحِ دارین نے آپ کی شبانہ روز محنت، جاں فشانی اور اخلاص کی برکت سے ملک وبیرونِ ملک میں نہایت مختصر مدت میں نہ صرف شرفِ قبول حاصل کیا بل کہ تعلیم وتربیت کے حوالے سے صفِ اول میں مقام پایا، آپ کا یہ بے مثال دورِ اہتمام تاریخ کا روشن باب ہے۔ اِس زریں عہد کے چند تابندہ نقوش آپ کے محبین و متعلقین کے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ تھے، جنھیں محترمی حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری اور حضرت مولانا ادریس صاحب کوسمبوی مدظلہم کی تحریک پر آپ کے باوفا مخلص تلامذہ نے آپ کی خدمتِ بابرکت میں گلہائے عقیدت کی شکل میں پیش کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اُن کو ایک خوب صورت گل دستہ کی شکل میں قارئینِ باتمکین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت راقم آثم کے حصہ میں آئی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مفکر ملت مدظلہ کے ظلِ عاطفت کو ہزاروں برکتوں، عافیتوں اور کرامتوں کے ساتھ دراز فرمائے اور تشنہ لبانِ علم ومعرفت اس چشمۂ

معرفت سے رہتی دنیا تک سیرابی حاصل کرتے رہیں۔ آمین!

سگِ آستانۂ مفکرِ ملت

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی

خادم حدیث وافتادار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

وریسرچ اسکالر شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۱۸ء (چہارشنبہ)

کلماتِ تشکر

از حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی مدظلہٗ
صاحب زادۂ محترم حضرت مفکرِ ملت دامت برکاتہم

مخدومی ومربی حضرت والدِ محترم ادام اللہ ظلال برکاتہ کی حیاتِ طیبہ کے چند گوشوں پر آپ کے محبین، مستفیدین اور متعلقین نے بہترین انداز واسلوب میں چند مضامین تحریر فرمائے ہیں، جنھیں طباعت کے حوالے کیا جارہا ہے، یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی، اس سے قارئین کی نگاہوں کے سامنے حضرت کی عظیم خدمات وجاں فشانی کا ایک نمونہ آئے گا، جس سے اپنی زندگی کی تعمیر اور حضرت والد صاحب کی قدردانی کا حوصلہ پروان چڑھے گا۔

اس قیمتی پیش کش پر میں تمام مضمون نگار حضرات خصوصاً حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری مدظلہ اور مولانا ادریس صاحب کولیا کوسمبوی زید مجدہ کو تہہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں؛ نیز اُن تمام حضرات کی خدمت میں کلماتِ تشکر پیش کرتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کے لیے کسی بھی نوع کی قربانی پیش کی۔

اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے اوفیٰ نصیب فرمائے اور حضرت والد ماجد کے ظل ہمایوں کو باعافیت و کرامت تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین یارب العالمین!

کفش بردار مفکر ملت

اسماعیل غفرلہ

۱۶/اپریل ۲۰۱۸ء (دوشنبہ)

وجہِ کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذ الاساتذہ، مفکر ملت، حضرت اقدس مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی زندگی کے چند گوشوں پر مشتمل ایک مضمون مولانا محمد ادریس صاحب کولیا، کوسمبوی مدظلہ شیخ الحدیث دار العلوم لیسٹر نے تیار کیا تھا، اس کو پڑھ کر دلی مسرت ہوئی؛ چناں چہ میں نے انہیں مبارک بادی کے لیے فون کیا اور ان سے حضرت دامت برکاتہم کی زندگی پر ایک مفصل کتاب تیار کرنے کی درخواست کی، اس پر مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ آپ خود ہی اس کام کا بیڑا اٹھائیں تو بہتر ہوگا؛ چناں چہ میں نے ان کی فرمائش پر حامی بھر لی اور دیگر احباب سے مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ چند حضرات علمائے کرام سے حضرت دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت پر مضامین تیار کرنے کے لیے کہا جائے تاکہ اس طرح حضرت کی حیات وخدمات پر مشتمل مزید گوشے اور حالات منظر عام پر آجائیں اور عوام وخواص کو اس سے استفادہ کا موقع میسر آئے؛ چناں چہ الحمد للہ! اس طرح اچھا خاصا مواد جمع ہوگیا اور اب یہ کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

میرے اس کام میں مولانا محمد ادریس صاحب کوسمبوی مدظلہ اور مولانا خلیل

احمد قاضی لاجپوری سلمہ حال مقیم، باٹلی، یو، کے نے ہاتھ بٹایا اور اسی طرح اور بھی جن جن لوگوں نے دامے درمے سخنے اپنا حصہ پیش کیا، میں ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں اس کا بہترین صلہ نصیب فرمائے۔ آمین!

اس کتاب کے منظر عام پر لانے کا مقصد مولانا محمد ادریس صاحب کوسمبوی مدظلہ نے اپنی تحریر میں بخوبی واضح فرما دیا ہے اس لیے میں اسے یہاں ترک کر رہا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا سایۂ عاطفت عافیت کے ساتھ ہم پر تا دیر قائم فرمائے اور ہمیں حضرت والا کے فیوض سے مستفیض ہونے کے مزید مواقع نصیب فرمائے۔ آمین!

محتاج دعا

عبدالرؤف لاجپوری غفرلہ

حال مقیم، باٹلی، برطانیہ

۲۱/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۱۷ء

اظہارِ مسرت

ہمارے قابلِ احترام استاذ، مشفق ومکرم مربی، قوم وملّت کے دردمند، مفکر ملت، فخر گجرات، رئیس الجامعہ فلاح دارین حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم نے اپنی عمرعزیز کا نصف سے زائد حصہ علمی، دینی، قومی اور ملی خدمات میں گزارا اور ناقابل فراموش نقوشِ حیات اور نمونے قوم وملت کے لیے چھوڑے اور اپنے خون پسینہ سے سینچے ہوئے ایک علمی ادارہ کو ترقی کے عروج پر پہنچا کر علمی ودینی خدمات کے قابل افراد تیار کیے، جس کی یاد میں آپ سے محبت اور تعلق رکھنے والے احباب نے اپنے اپنے انداز میں مضامین تیار کر کے بھیجے، آپ کے شاگرد حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب زید مجدہٗ نے انہیں طبع کرا کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، تاکہ حضرت والا کی زندگی کے واقعات اور خدمات ہمارے لیے مشعلِ راہ بنیں اور کسی قدر آپ کے احسانات، محبتوں اور شفقتوں کا اخلاقی حق ادا ہو۔ **فجزاہ اللہ خیر الجزاء!**

محمد ادریس فلاحی، کوسمبوی

کلماتِ شکر وسپاس

بخدمت جناب مولانا عبدالرؤف صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعدہ، معلوم ہوا کہ ہمارے دوست جناب مولانا ادریس فلاحی کوسمبوی صاحب کا ہمارے والدمحترم حضرت مولانا عبد اللہ صاحب اطال اللہ فیوضہم کے متعلق لکھا ہوا مضمون ''ہمارے مہتمم، ہمارے مربی'' کے نام سے آپ کے پاس پہنچا اور آپ نے اسے قدر کی نظر سے دیکھا اور چوں کہ میرے والدمحترم آپ کے بھی استاذ رہے ہیں، اس لیے آپ نے اظہار محبت میں افادۂ عام کے ارادہ سے اسے طبع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی اجازت چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا ادریس صاحب فلاح دارین کی طالب علمی میں ہمارے ہم جماعت تھے، ہماری ایک اچھی جماعت تھی، اچھے ساتھی اور دوست احباب تھے، سب اپنے علمی مشغلہ میں محنت کرنے والے اور اساتذۂ کرام سے محبت اور ان کی خدمت اور قدر کرنے والے ساتھی تھے، ان میں ہمارے دوست مولانا ادریس صاحب بھی تھے، ان کا خصوصی تعلق حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ سے بھی تھا اور خاص کر ہمارے والد محترم سے ان کا قلبی تعلق تھا، ان کو حضرت والد صاحب سے اچھی خاصی قربت حاصل تھی اور آج تک ان کا تعلق ہمارے والدمحترم سے بدستور قائم ہے، فون اور خط و

کتابت بھی کرتے رہتے ہیں، چوں کہ وہ ہمارے والد صاحب کے قریب رہے ہیں اس لیے بہت سے ایسے واقعات انہوں نے اپنے مضمون میں پیش کیے ہیں جن سے ہماری طالب علمی کا دور یاد آ جاتا ہے اور حضرت والد صاحب کی محبت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے، یہ رسالہ جب میرے پاس پہنچا اسی وقت میں نے اس کی طباعت کا تقاضا کیا تھا مگر ہمارے دوست مولانا ادریس صاحب ہچکچا رہے تھے اور آج جب برادر محترم مولانا اسماعیل صاحب نے انڈیا سے مجھے فون پر بتایا کہ آپ اسے اپنی محبت اور قدر دانی میں چھپوانا چاہتے ہیں تو واقعی مجھے بڑی خوشی ہوئی اور ہر اس عالم دین کو خوشی ہوگی اور ان کی دلی دعا آپ کو ملے گی جن کا ہمارے حضرت والد صاحب سے کسی نسبت سے تعلق ہے اور سنا ہے کہ اور بھی ہمارے معزز و مکرم احباب جن کا ہمارے والد صاحب سے قریبی تعلق رہا ہے ان کے قلبی تاثرات کا بھی اس رسالہ میں اندراج کیا جا رہا ہے، اس لیے امید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی، ہماری طرف سے آپ کو صرف طباعت کی اجازت ہی نہیں، بل کہ ہماری قلبی دعائیں شامل ہیں کہ آپ نے ہم بھائیوں اور حضرت والد صاحب کے تلامذہ کی طرف سے قابلِ قدر کوشش کی اور ہمارے دوست جناب مولانا ادریس صاحب کے لیے بھی دلی دعائیں ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفید اور مقبول بنائے۔ آمین!

جزاكم الله تعالى في الدارين أحسن الجزاء!

محمد ابن حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی غفرلہ

مقیم حال کاپودرا/ یکم جمادی الاخریٰ، ۱۴۳۹ھ

مختصر خودنوشت

سرگذشت حیات

از قلم

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی

دامت برکاتہم العالیہ

ولادت وخاندان کے بارے میں:

میرے والد صاحب کا اصل وطن جیتالی، تحصیل انکلیشور، ضلع بھروچ (صوبہ گجرات) ہے، انگریزوں کے دور میں ہر گاؤں کے پٹیل (مکھیہ) کو کافی اختیارات ہوتے تھے، وہ گاؤں کا حاکم سمجھا جاتا تھا، عرصہ سے گاؤں کی یہ سرداری ہمارے خاندان میں تھی، دادا جان ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۹ء میں ان کا انتقال ہوا، دادا جان کا نام حسین قاسم پٹیل تھا، وہ باوقار اور سادہ زندگی گزارتے تھے اور علاقہ میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، دادا جان صاحبِ اولاد تھے، لڑکوں میں ابراہیم، محمد، اسماعیل، موسیٰ اور احمد نامی پانچ لڑکے تھے اور چار لڑکیاں تھیں، خاندانی شجرہ گجراتی اور انگریزی میں چھپا ہوا ہے۔

دادا جان کا جب انتقال ہوا تو میرے والد مکرم ۱۰، ۱۱ر سال کی عمر کے تھے، جونا گڈھ میں چچا کے ساتھ رہ کر انگریزی پڑھتے تھے، پھر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ تعلیم چھوڑ کر ملازمت اختیار کی، قریب کی ایک بستی میں گجراتی اسکول میں ماسٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد ایک ہم پیشہ ماسٹر صاحب کی ترغیب پر ''برما'' کا سفر کرنے کا ارادہ کیا، اس دور میں ''برما'' تجارت اور دیگر حیثیت سے بہت معروف تھا، والد صاحب نے رنگون اور دیگر کچھ شہروں میں کام کیا۔

کاپودرا میں والد صاحب کے حقیقی ماموں ابراہیم قاسم پٹیل تھے، کاپودرا کے پٹیلوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کی اکلوتی صاحب زادی ''آمنہ'' سے نکاح ہوا اورنانا جان کی ترغیب پر بعد میں جیتالی کی بجائے کاپودرا میں مکان خریدا گیا۔

۱۹۲۵ء تک برما میں رہے، اس کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی اور والد صاحب نے اپنے حقیقی بھائی محمد پٹیل کے ساتھ اشتراک کرکے انکلیشور میں کپڑے کی تجارت کی، مگر غالباً اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی، اس لیے چار پانچ سال تجارت کرنے کے بعد پھر برما کا سفر کیا۔

برما میں شان اسٹیٹ نامی صوبہ کی ھیہو (Heho) نامی بستی میں تجارت شروع فرمائی، ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں اسی شہر میں بندہ کی پیدائش ہوئی، مجھ سے پہلے پانچ بہنوں کی پیدائش تھی، اس لیے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

برما میں علمائے کرام کے ساتھ والد صاحب کا عقیدت مندی کا تعلق تھا اور ہندوستان میں حضرت مولانا عیسیٰ صاحبؒ خلیفۂ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ساتھ بھی خط و کتابت جاری تھی، نیز خود حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بھی گاہ بگاہ خط و کتابت کرتے تھے، ان تمام بزرگوں سے میرے لیے دعا کراتے رہے۔

والد صاحب کے پرانے خطوط میں ایک خط مؤرخہ ۶ شوال ۱۳۵۳ھ کا ہے، جس میں والد صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے دعا کی درخواست کی ہے: حضرت نے حاشیہ پر دعائیہ کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

میری عمر دوڈھائی سال کی ہوگی کہ ۱۹۳۵ء کے اواخر میں والد صاحب نے برما سے پھر ہندوستان کا رخ کیا، چوں کہ جیتالی کا مکان فروخت کر چکے تھے اس لیے کاپودرا میں قیام فرمایا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھی، والد صاحب عرصہ سے خط وکتابت کے ذریعہ بیعت ہو چکے تھے، اب اجازت طلب کر کے تھانہ بھون بھی حاضر ہوئے اور اپنے شیخ کے فیوض سے مستفید ہوئے۔

اس زمانہ میں ڈابھیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ بدر عالم میرٹھیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی تشریف لائے، والد صاحب ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے۔

علامہ بدر عالم میرٹھیؒ، علامہ بنوریؒ اور مفتی مہدی حسن صاحبؒ کو کاپودرا بھی مدعو کرتے رہتے۔ علمائے راندیر میں مولانا محمد حسین صاحبؒ، مولانا حکیم ابراہیم صاحبؒ اور مولانا احمد اشرف صاحبؒ وغیرہم سے اچھے تعلقات تھے۔

والد صاحب نے زیادہ دینی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر قرآن مجید کی تلاوت کی پابندی، دینی کتابوں کے مسلسل مطالعہ اور علما وصلحا کی صحبت کے سبب کافی معلومات رکھتے تھے اور عقائد واعمال میں بہت ہی پختگی تھی۔

ان اکابرین کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ والد صاحب نے میری تربیت سختی کے ساتھ کی اور بچپن سے ہی جماعت کی پابندی اور تلاوت کی عادت ڈالی۔

فجزاهم الله أحسن الجزاء!

ہمارے خاندان میں جو جیتالی میں رہتا ہے عموماً اعلیٰ انگریزی تعلیم کا رواج تھا، چناں چہ بعض چچا جج تھے، کوئی تحصیل دار تھا، کوئی فوج دار تھا اور ان کے لڑکے وکیل تھے، اس لیے خاندان والوں کا رجحان مجھے بھی انگریزی تعلیم دلوانے کا تھا، والد صاحب سے بار بار اصرار کرتے تھے کہ اس کو کسی اچھے اسکول میں تعلیم دلوا دو مگر والد صاحب نے مجھے دینی تعلیم دلانے کی نیت کر لی تھی اور باوجود اس کے کہ اقتصادی حالات بہت ہی نامساعد ہو گئے تھے جس کا تقاضہ تھا کہ مجھے انگریزی تعلیم دلوا کر افریقہ بھیج دیتے یا حکومت میں کوئی ملازمت کی سعی کرتے؛ مگر انہوں نے زندگی بھر تکلیف برداشت فرمائی اور مجھے علوم دینیہ کی تحصیل اور اس کے راستہ میں مجاہدہ کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

اس زمانہ میں مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکتا تھا کہ والد صاحب نے کتنی بڑی قربانی دی ہے، مگر اب میں ان حالات کو سوچتا ہوں تو والدین کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں کہ دنیوی آسائشوں کو چھوڑ کر انہوں نے مجھے اس مبارک علم کے حصول پر لگایا۔

اگر والدین کی یہ استقامت نہ ہوتی تو آج میں بھی حکومت کے دفتر میں ہوتا یا افریقہ کے کسی شہر میں زندگی گزرتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم قربانی کو قبول فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے۔ آمین!

کاپودرا میں حضرت اقدس تھانویؒ سے بیعت کرنے والوں کی اچھی تعداد تھی، وہ سب حضرات میرے پھوپھا محمد پانڈور - جو مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے - کے مکان پر ظہر سے عصر تک حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مذاکرہ کرتے

تھے، پھوپھا جان پڑھتے تھے اور دوسرے حضرات سنتے، کبھی کبھی خاص انداز میں مثنوی بھی پڑھتے تھے۔ میں کبھی کبھی والد صاحب کے ساتھ اس مبارک مجلس میں شریک ہوتا، کم سنی کے سبب مواعظ تو سمجھ میں نہیں آتے، مگر اسی وقت سے مدرسہ میں داخل ہو کر علم سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس رجحان میں ان مبارک مجلسوں کا اثر تھا۔

میری طالب علمی اور اساتذۂ کرام:

بندہ کی ابتدائی تعلیم کا پودرا تحصیل انکلیشور ضلع بھروچ کے ''مدرسہ اسلامیہ'' نامی مدرسہ میں شروع ہوئی، مکرم جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل ملاؒ جو عمرواڑہ کے باشندے تھے سب سے پہلے استاذ تھے، الف با سے قرآن مجید مکمل اور اردو قاعدے سے تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر کے دو حصے اور چہل سبق تک ان کے پاس اسباق ہوئے، اسکول کی تعلیم درجہ پانچ تک ہوئی، جو گاؤں کے اسکول میں ہوئی تھی، ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ ہوا۔

درجۂ فارسی اول اور دوم مولانا احمد بن داؤد کفلیتوی اور مولانا عبد الحی بن مفتی اسماعیل بسم اللہؒ سے پڑھا، درجۂ عربی اول بھی مولانا عبد الحی بسم اللہ ڈابھیلی مرحوم سے پڑھا، مولانا عبد الحی بسم اللہؒ ایک قابل اور اردو، فارسی کے باذوق استاذ تھے، اسباق کی تفہیم کا خاص انداز رکھتے تھے، بندہ کے بہت ہی شفیق استاذ اور مربی تھے، چناں چہ فارسی کی درسی کتابوں کے علاوہ اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا کا خصوصی طور پر درس دیا، ان کا مکان ڈابھیل گاؤں میں تھا مگر مدرسہ کے احاطہ میں بھی ایک

کمرہ تھا جس میں عربی، اردو، فارسی کی مختلف کتابیں رکھی رہتیں، بندہ کا خادم کی حیثیت سے کمرہ میں جانا آنا رہتا تو مختلف کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے۔

اسی کمرہ میں مولانا شبلیؒ کی ''الفاروق'' رکھی تھی، میں نے اس کا مطالعہ کرنا شروع کردیا اور اس کتاب کے پڑھنے میں اتنا لطف آیا کہ چند روز تک اسی میں منہمک رہا اور غالباً مجھے کتب بینی کا شوق اسی کتاب کے مطالعہ سے پیدا ہوا، سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کتب بھی اسی سال دیکھیں۔

قراءت کی تعلیم قاری بندۂ الٰہی میرٹھی صاحب مدظلہ اور کچھ ماہ قاری محمد حسن صاحب امروہیؒ سے حاصل کی، عربی دوم کی کتابیں نور الایضاح، قدوری، علم الصیغہ، بحر الآداب (مصری) تیسیر المنطق وغیرہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صوفی ڈابھیلی المعروف بہ صوفی صاحبؒ سے پڑھیں، صوفی صاحبؒ اپنی سخت گیری اور قواعد و ضوابط کی پابندی اور اسباق کی پوری تیاری کرانے میں معروف تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پورا سال عافیت اور صوفی صاحبؒ کی خوش نودی سے گزر گیا، ابتدا کے ایک دو ماہ کے بعد صوفی صاحبؒ اعتماد کے سبب بندہ کا سبق بھی نہیں سنتے تھے، ہاں! گاہ بگاہ کچھ سوالات کرتے۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر والد صاحب کے علم کے بغیر ہوا، حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ بھی جو جامعہ اسلامیہ کے مہتمم تھے اور قبلہ والد صاحب کے تعلق کے سبب راقم الحروف کا خاص خیال فرماتے تھے، اس سفر سے بالکل ناخوش تھے، مگر بندہ کے کچھ رفقا جو ابتدائے عربی میں ساتھ تھے دارالعلوم میں داخل ہو گئے۔

ان بزرگوں کی اجازت کے بغیر دیوبند کا سفر ہوا، جس کا خمیازہ بعد میں بھگتنا پڑا۔ **اللّٰهم اغفرلي ذنبي!**

دیوبند کا یہ سفر ۱۹۴۸ء میں ہوا، جو ملک کی تقسیم کے بعد والا سال تھا اور ہندو مسلم فسادات پورے شمالی ہند میں جاری تھے، دیوبند میں دو ماہ ویسے ہی گزر گئے اور پھر کنز و شرح جامی کی جماعت میں داخلہ ہوا، کنز الدقائق مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے پاس، شرح جامی مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے پاس، نفحۃ العرب مولانا سید حسن صاحبؒ کے پاس داخل ہو کر اور اصول الشاشی مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ سے سماعت کی، الحمد للہ! عافیت سے سال پورا ہوا اور اچھے نمبرات سے کامیابی بھی ہوئی۔

اگلے سال دوبارہ شوال میں دارالعلوم حاضر ہوا، شرح وقایہ مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کے پاس، مولانا معراج الحق صاحبؒ کے پاس مقاماتِ حریری اور نورالانوار وغیرہ شروع کیں، مگر شاید تین ماہ بعد بخار میں مبتلا ہو گیا، سہارن پور کے ایک ڈاکٹر نے غلط تشخیص کی اور دوستوں نے مجھے واپس گھر بھیج دیا، دو ماہ علاج معالجہ میں گزر گئے اور پھر والد صاحب اور رشتہ داروں کی رائے دوبارہ ڈابھیل داخل ہونے کی ہوئی، جامعہ ڈابھیل میں اس سال عربی درجۂ چہارم میں کوئی طالب علم نہیں تھا، اس لیے عربی سوم یا پنجم میں داخل ہونے کی رائے ہوئی، صحت کی خرابی کے سبب عربی پنجم میں داخلہ کرلیا، ہدایہ اولین اور متنبی مولانا محمود صاحب پانڈور سملکی سے پڑھیں، حسامی اور مختصر المعانی مولانا عبدالرؤف صاحبؒ کے پاس پڑھیں۔

اگلے سال مشکاۃ شریف، شرح عقائد مولانا عبد الرؤف صاحب کے پاس، جلالین شریف مولانا عبد الجبار صاحب کے پاس، ہدایہ آخرین مولانا فضل الرحمن کے پاس ہوئی اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل ہوئی۔

بخاری شریف جلد اول حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی رحمہ اللہ کے پاس اور جلد ثانی، مسلم شریف اور طحاوی مولانا عبد الرؤف صاحب کے پاس، ابو داؤد شریف مولانا فضل الرحمن دیوبندی صاحب سے پڑھی، ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی نے حدیث سہارن پور میں شیخ الحدیثؒ و دیگر اساتذہ سے پڑھی ہے۔

اور حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور دار العلوم کے دیگر اساتذہ سے حدیث شریف کی سند حاصل فرمائی، نیز عالم اسلام کے ممتاز عالم شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ سے بھی ان کو حدیث شریف میں خصوصی اجازت حاصل ہوئی تھی۔

مولانا عبد الرؤف صاحب اکوڑہ خٹک پاکستان میں شیخ الحدیث رہے اور اس وقت کسی اور مدرسہ میں ہیں، مولانا فضل الرحمن دیوبندی چھاپی اور تارا پور میں کئی سال شیخ الحدیث رہے، جنہوں نے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے دورہ پڑھا۔

چوں کہ میری عربی چہارم و پنجم کی کتابیں بیماری کے سبب مکمل نہ ہو سکی تھیں، اس کی تلافی کی شکل یہ ہوئی کہ ۱۹۵۹/۶۰ء میں مولانا اسماعیل گارڈیؒ کے دو صاحب زادوں مولوی عبد الرحمن صاحبؒ اور حافظ حبیب الرحمن سلمہ کے ساتھ جب دیوبند میں دو سال قیام ہوا تو شرح وقایہ دوبارہ حل کی، ہدایہ اولین مکمل مولانا

اختر حسین صاحب سے سماعت کی، متنبیؔ مولانا معراج الحق صاحب سے پڑھی، بیضاوی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ سے سماعت کی، نیز بخاری شریف حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سے چھ ماہ تک سماعت کی۔

اسی دور میں طحاوی شریف اور رسم المفتی کے کچھ اسباق حضرت مفتی مہدی حسنؒ سے پڑھے، نیز حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے احادیث کی سند تبرکاً حاصل کی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے مسلسلات کی سند بھی حاصل کی، تمام اسانید میرے پاس محفوظ ہیں۔

اسی ۱۹۵۹،۶۰ء میں جامع ازہر کے مبعوث شیخ محمود عبدالوہاب محمود مصری طنطاوی مرحوم سے عربی زبان اور بعض نحو کی کتابیں پڑھیں۔ دو سال ان کی خدمت میں آنے جانے سے جدید عربی اسالیب کے سمجھنے میں بہت فائدہ ہوا، شیخ محمود مرحوم بھی بندہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، سہارن پور، دہلی وغیرہ کئی سفروں میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم کے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے کوئی کتاب پڑھنے کا تو موقع نہیں ملا، مگر کنز الدقائق کا سالانہ امتحان حضرتؒ کے پاس ہی ہوا، کنز الدقائق کا امتحان مولانا نے لیا تھا، اسی دور میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مجالس میں شرکت کا بھی موقع ملا۔ دارالعلوم دیوبند کا آخری دوسالہ قیام بہت مفید ثابت ہوا۔

اسی زمانہ میں سہارن پور کے اکابر سے رابطہ ہوا، نیز رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحبؒ کی خانقاہ میں حاضری ہوئی۔

ندوۃ العلما لکھنؤ اور مرادآباد کا سفر بھی اسی زمانہ میں ہوا، لکھنؤ کے سفر میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ، مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ، مولانا سید عبدالعلی الحسنیؒ، ڈاکٹر آصف قدوائیؒ، حکیم عبدالقوی صاحبؒ، مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ، مولانا محمد الحسنیؒ، مولانا محمد اویس ندوی مفسر دارالعلوم سے ملاقات و استفادہ کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کے اسی دور میں مولانا عمید الزماں کیرانوی اور دیگر احباب کے ساتھ مل کر ایک عربی پندرہ روزہ جریدہ **"الیقظۃ"** نکالا، جو دارالعلوم دیوبند کا شاید پہلا عربی جریدہ تھا۔

۱۹۶۱ء تک قیام کے بعد حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ کی دعوت پر ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں خدمت کے لیے حاضر ہوا، پانچ سال ڈابھیل میں قیام کر کے جنوری ۱۹۶۶ء میں ترکیسر ''دارالعلوم فلاح دارین'' تدریس کے لیے حاضر ہوا۔ مارچ ۱۹۶۶ء میں اہتمام کی ذمے داری سپرد کی گئی۔

فراغت کے بعد جہاں جہاں ملازمت کی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆......ستمبر ۱۹۵۳ء میں ''مجلس خدام الدین سملک'' میں مکاتب کے ممتحن (وزیٹر) کی حیثیت سے ملازمت کی، دسمبر میں کروڑ میں مجلس کا جلسہ ہوا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے ساتھ ایک ماہ سفر میں جانے کے لیے استعفا دیا۔

☆...... ۱۹۵۴ء: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں پہلی بار تدریس کے لیے تقرر ہوا؛ چوں کہ درمیانی سال تھا اس لیے درجۂ اردو سپرد کیا گیا۔

☆...... ۱۹۵۵ء: سال دوم میں شوال سے عربی اول کا مکمل درجہ سپرد کیا گیا اور عربی سوم کے دو اسباق بحر الآداب اور دروس التاریخ الاسلامی للخیاط بھی میرے ذمہ رہے۔

☆...... ۱۹۵۶ء میں مستعفی ہو کر کاپودرا آ گیا، جہاں رسالہ ''تبلیغ'' گجراتی کے دفتر میں محترم منشی محمود قاسم پانڈور صاحبؒ کے ساتھ کام کیا۔

☆...... ۱۹۵۷ء-۱۹۵۸ء: کاپودرا میں رہ کر زراعت کا کام کرتا رہا۔

☆...... ۱۹۵۹ء: دوبارہ ''مجلس خدام الدین'' میں بطور ناظم تعلیمات تقرر ہوا۔

☆...... ۱۹۶۰ء-۱۹۶۱ء: مولوی عبد الرحمن گارڈی اور ان کے بھائی حبیب الرحمن کے ساتھ دار العلوم دیوبند میں قیام رہا۔

☆...... مارچ ۱۹۶۲ء-شوال ۱۳۸۱ھ: ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں دوبارہ مولانا محمد سعید صاحب سملکیؒ کے ساتھ دفتر میں کام کرنے کے لیے تقرر ہوا، دو گھنٹہ درس کے لیے مقرر ہوئے، شرح وقایہ، مقامات حریری، (خارج میں انشاء عربی سوم)۔

☆...... ۱۹۶۳ء- ۱۳۸۲ھ: ترجمہ نصف اول، مقامات حریری، نور الایضاح معہ قدوری، روضۃ الادب معہ صفوۃ المصادر، تیسیر المنطق، مرقاۃ، انشاء عربی چہارم۔

☆...... ۱۹۶۴ء- ۸۳ ۱۳ھ: ترجمہ نصف ثانی، دیوان متنبی، نفحۃ العرب، نور الایضاح معہ قدوری، میزان الصرف، دروس التاریخ الاسلامی، (انشاء عربی سوم۔ خ)

☆...... ۱۹۶۵ء- ۸۴ ۱۳ھ: ترجمہ نصف ثانی، منیۃ المصلی، نور الایضاح، مختارات، مقامات، سفینہ، البلاغۃ الواضحۃ، دیوان متنبی، انشاء عربی سوم۔ پھر ۱۴/ مارچ ۱۹۶۵ء میں تبدیلی ہوئی، اس میں نور الانوار، نور الایضاح پڑھائی۔

دار العلوم فلاح دارین

☆...... ۱۹۶۶ء- ۸۶، ۸۵ ۱۳ھ: ترجمہ قرآن مجید نصف اول، ریاض الصالحین، مختارات اول، شرح وقایہ، قصص النبیین اول، دوم، سوم، القراءۃ الراشدہ (جولائی کے بعد یہ کتابیں دیگر اساتذہ کو منتقل کر دی گئیں، صرف ترجمہ اور ریاض الصالحین حصہ اول میرے پاس رہیں۔

☆...... ۱۹۶۷ء- ۸۷، ۸۶ ۱۳ھ: صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۶۸ء- ۸۸، ۸۷ ۱۳ھ: ہدایہ اولین از کتاب النکاح تا کتاب الطلاق، اہتمام کے کام۔

☆...... ۱۹۶۹ء- ۸۹، ۸۸ ۱۳ھ: ہدایہ اولین (ذی قعدہ تک) ترجمہ نصف ثانی، اہتمام کے کام۔

☆...... ۱۹۷۰ء- ۹۰، ۸۹ ۱۳ھ: تمرین النحو، القراءۃ الراشدۃ، ریاض الصالحین حصہ ثانی، (از ربیع الاول تا اختتام سال)

☆......۱۹۷۱ء-۹۱،۹۰ ۱۳ھ:صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۷۲ء- ۹۲، ۹۱ ۱۳ھ: مشکاۃ شریف جلد اول، رسالہ اصول حدیث، اہتمام کے کام۔

☆...... ۱۹۷۳ء- ۹۳، ۹۲ ۱۳ھ: مشکاۃ شریف ثانی، اہتمام کے کام۔

☆...... ۱۹۷۴ء- ۹۴، ۹۳ ۱۳ھ۔۔۔۔۔۔اہتمام۔

☆...... ۱۹۷۵ء-۹۵، ۹۴ ۱۳ھ: القراءۃ الواضحۃ، القراءۃ الراشدۃ، علم النحو، ......اہتمام۔

☆...... ۱۹۷۶ء-۹۶، ۹۵ ۱۳ھ: طحاوی شریف، مختارات ثانی، متنبی، ترجمہ ثانی، منہاج العربیہ، اہتمام۔

☆......۱۹۷۷ء-۹۷،۹۶ ۱۳ھ: طحاوی شریف، موطاین شریفین، ریاض الصالحین حصہ اول ۲۶/محرم الحرام تک، تاریخ الخلفا، تمرین النحو، اہتمام۔

☆......۱۹۷۸ء-۹۸،۹۷ ۱۳ھ: تمرین النحو، انشاء دوم، ......اہتمام۔

☆......۱۹۷۹ء-۹۹،۹۸ ۱۳ھ: تمرین النحو، انشاء اول دوم، ......اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۰ء- ۱۴۰۰، ۹۹ ۱۳ھ: مفتاح الدروس (خ) تمرین الصرف، النحو الواضح، علم الصیغہ، اہتمام۔

☆......۱۹۸۱ء-۱۴۰۱، ۱۴۰۰ھ: صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۲ء- ۱۴۰۲، ۱۴۰۱ھ: صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۳ء- ۱۴۰۳، ۱۴۰۲ھ: صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۴ء- ۱۴۰۴، ۱۴۰۳ھ: صرف اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۵ء- ۱۴۰۵، ۱۴۰۴ھ: طحاوی شریف، ریاض الصالحین، نحومیر، قصص النبیین، (چند ماہ عارضی طور پر) بعض طلبا کو عقیدۃ الطحاوی اور بعض کو عربی کی............ پڑھائی، ......اہتمام۔

☆...... ۱۹۸۶ء- ۱۴۰۶، ۱۴۰۵ھ: صرف سرپرستی۔

☆...... ۱۹۸۷ء- ۱۴۰۷، ۱۴۰۶ھ: صرف سرپرستی۔

☆...... ۱۹۸۸ء- ۱۴۰۸، ۱۴۰۷ھ: صرف سرپرستی۔

☆...... ۱۹۸۹ء- ۱۴۰۹، ۱۴۰۸ھ: صرف سرپرستی۔

اہم اجلاس جن میں شرکت نصیب ہوئی

☆......(۱) اجلاس جمعیۃ علمائے ہند، بمبئی ۱۹۴۸ء۔

☆......(۲) اجلاس جمعیۃ علمائے ہند، سورت ۱۹۵۶ء۔

☆......(۳) مجلس خدام الدین کا سالانہ جلسہ، کروڈ ۱۹۵۳ء۔

☆......(۴) علی گڑھ کنونشن، دہلی۔

☆......(۵) نمائندہ اجلاس دار العلوم دیو بند۔

☆......(۶) صد سالہ اجلاس دار العلوم دیو بند۔

☆......(۷) پچاسی ۸۵ سالہ اجلاس ندوۃ العلما، لکھنؤ۔

☆......(۸) الندوۃ العالمیہ للادب الاسلامی، لکھنؤ۔

☆......(۹) نصاب تعلیم کا مذاکرہ، لکھنؤ۔

☆......(۱۰) مسائل جدیدہ پر غور وفکر، آنند۔

☆......(۱۱) آل گجرات عربی پریشد، رادھن پور۔

☆......(۱۲) جلسہ جمعیۃ علما، صوبۂ گجرات، بھروچ۔

☆......(۱۳) الندوۃ العالمیہ للادب الاسلامی کا دوسرا اجلاس، لکھنؤ۔

☆......(۱۴) ختم نبوت کانفرنس، لندن۔

☆......(۱۵) حج سیمینار، حیدرآباد۔

☆......(۱۶) المؤتمر الاسلامی الاوربی الاول، لندن۔

☆......(۱۷) توحید وسنت کانفرنس، بریڈفورڈ، یو۔ کے۔

☆......(۱۸) جے پور، راجستھان کے دارالعلوم کے افتتاحی اجلاس میں۔

☆......(۱۹) کراچی، پاکستان۔

☆......(۲۰) مکہ معظّمہ کا سفر وزارۃ الحج والاوقاف کی دعوت پر۔

☆......(۲۱) الندوۃ العالمیہ للادب الاسلامی کا اجلاس، حیدرآباد ۷، ۸، ۹/ اکتوبر ۱۹۸۹ء۔

☆......(۲۲) فقہی سیمینار کے اجلاس میں......حیدرآباد، بمبئی، بنگلور۔

☆......(۲۳) ادب اسلامی کا تیسرا اجلاس......بھوپال۔

☆......(۲۴) ورلڈ اسلامک فارم اجلاس، لندن۔

مختصر تعارف

بقلم

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی غفرلہ

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم (ولادت ۱۹۳۳ء) صوبۂ گجرات کے مایۂ ناز سپوت، مفکر ملت، فخرِ گجرات، نازش ہند، عربی، اردو و گجراتی کے مایۂ ناز ادیب، رئیس العلما والمدارس، قافلۂ علم وفضل کے فردِ یگانہ، مرجع العلما والطالبین ومحبوب العلما والصالحین، علم دوست وعلما نواز شخصیت، عاشقِ کتب، فنافی العلم، فاضل جامعہ ڈابھیل، رئیس وسرپرست دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر، رُکنِ شوریٰ دارالعلوم وقف دیوبند و جامعہ عربیہ ہتھورا، رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ ورابطہ ادبِ اسلامی ہند، سرپرست ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا'' ومدارسِ عدیدہ، مؤلف کتبِ کثیرہ مفیدہ ومُجازِ بیعت از جماعتِ صوفیا۔

آپ نے برما میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم اپنے اقامتی وطن کاپودرا میں حاصل فرمائی۔ جامعہ ڈابھیل میں خطبۂ فراغ پڑھا، ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام فرما کر اجلۂ علما سے اکتسابِ فیض فرمایا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، علامہ بلیاویؒ، مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ، مولانا احمد نور صاحب پشاوریؒ، شیخ محمود عبد الوہاب محمود مصریؒ، مولانا فخر الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلندشہریؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندیؒ،

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ وغیرہم ہیں۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ نادی درویش، شیخ احمد قلاش، شیخ ناجی، شیخہ فاطمہ بنت احمد، شیخ مالک بن عربی، شیخ حسن بن حسین باسندوہ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب ٹونکیؒ وغیرہ علمائے عرب وعجم سے اجازتِ حدیث حاصل فرمائی۔ تقریباً ایک درجن سے زائد کتب آپ کے بہار آفریں قلم سے نکل کر عوام وخواص سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، جن میں اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیہ، شرح دیوان امام شافعیؒ، بدرالدین عینیؒ اور رشد وہدایت کے منار قابلِ ذکر ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو جن عدیم المثال اور جلیل القدر اوصاف و کمالات سے نوازا ہے وہ بیک وقت کسی شخصیت میں بہت کم نظر آسکتے ہیں، آپ وسعت علم کے ساتھ وفور عقل سے بھی بہرہ ور ہیں، وسعت نظر وفکر نے آپ کی شخصیت کو آفاقی بنایا دیا ہے، آپ کی ذات اس حیثیت سے امتیازی شان کی حامل ہے کہ مختلف المسلک والمشرب حضرات بلاتکلف آپ کی طرف کشاں کشاں چلے آتے ہیں، افراد سازی آپ کا سب سے بڑا مشن ہے، جس سے کسی پل بھی بے خبر نہیں رہتے، ہر منفی میں سے مثبت پہلو نکالنے کے فن سے پوری طرح آشنا ہیں، شخصیات اور ان کی صلاحیت شناسی میں بڑے طاق ہیں، کیچڑ میں سے کنول کا پھول نکالنا آپ کے بائیں کا ہاتھ کھیل ہے، کتب بینی آپ کا سب سے محبوب مشغلہ ہے جو ہر طرح کی حدود و قیود سے بے نیاز ہے، آپ کا بے مثال اہتمام وانتظام صدیوں تک یادگار رہے گا۔

بقول مولانا مختار احمد صاحب فاروقی علمی جاہ وجلال، عربی، اردو ادب کا

صاف ستھرا ذوق، تاریخی عبور، مثالی تفکر و تدبر، اعلیٰ درجے کا حسنِ انتظام، حسنِ اخلاق، جوہر شناسی، معاملہ فہمی، مستقبل کا ادراک، مثالی تربیت، خوابیدہ صلاحیتوں کا ادراک، اصابتِ رائے و دیگر صلاحیتوں اور اوصاف نے حضرت مولانا کو ایسی جامعیت اور مرکزیت عطا کی ہے جس کی مثال گجرات کے ماضی قریب میں ملنی مشکل ہے، بالخصوص گجرات کے جنوبی خطے میں علمی بہار اور علمی وقار تو آپ کے فیض یافتہ تلامذہ سے ہی قائم ہے۔ ''جامعہ فلاح دارین ترکیسر'' کا آپ کا دورِ اہتمام اس کا زریں عہد ہے، آپ نے اس کو شہرت کے آسمانِ ہفتم تک پہنچایا، ہر سطح پر اس کو علمی وقار بخشا اور اس کے نصابِ تعلیم و نظامِ تربیت کو متحرک و زندۂ جاوید بنایا۔ علما کی قدردانی، عزت افزائی کی وجہ سے آپ کے زمانے میں جامعہ بین الاقوامی اساتذہ و فضلا کا مرکز بن گیا تھا۔ فنِ تفسیر، فنِ حدیث، فنِ تجوید، فنِ ادب کے شعبوں میں ہر متعلقہ استاذ یکتائے زمانہ ہوتا تھا۔ جس کی مقناطیسیت کی وجہ سے ہر جگہ کا طالب علم یہاں کھنچا چلا آتا تھا۔ یہ تو بطور نمونہ چند سطور حضرت دامت برکاتہم کی شان میں لکھ دی گئی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ

ع سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے

حضرت مفکر ملت اپنے معاصر مصنف ورفیق کی تحریروں کی روشنی میں

بقلم
اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی غفرلہ

حق تعالیٰ کے اٹل قانون کے تحت اس عالم رنگ وبو میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کی آمد ورفت ہوتی ہے جو ماہ وسال کے محدود دائروں میں زندگی گزار کر چلے جاتے ہیں، اس کے بعد ان کا نام ونشان مٹی کی نذر ہو جاتا ہے؛ لیکن کچھ اپنی اسی چند روزہ حیات مستعار میں وہ بے مثال ونظیر تجدیدی وتعمیری کارنامے انجام دیتے ہیں اور ان کے مبارک ہاتھوں سے علم وفضل اور رشد وہدایت کے وہ شیریں و لازوال چشمے جاری ہوتے ہیں جن سے رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے آبِ حیواں تازہ بہ تازہ بہم پہنچتا رہتا ہے، اس کے نتیجے میں ان کا نام وکام نہ صرف حیاتِ دوام حاصل کرتا ہے بل کہ انسانیت کے لیے منارۂ نور ثابت ہوتا ہے۔

یہ بلند اقبال حضرات وہ ہوتے ہیں جو اسلام کے مضبوط قلعے کی پاس داری و پاسبانی کے ساتھ ساتھ اس کے بقا وترقی میں اپنے تن، من، دھن کی بازی لگا کر بظاہر اپنے آپ کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ **"بل أحياء عند ربهم"** کی صف میں جا پہنچتے ہیں، اسی مقدس وباتوفیق قافلے کا ایک عظیم فرد مخدومی و مربی، مفکر اسلام، فخر قوم وملت حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی ادام اللہ ظلال برکاتہ کی ذات عالی ہے، جن کا وجود باجود پوری امتِ اسلامیہ کے لیے باعثِ برکت وسرمایۂ افتخار ہے، دست فیاض نے آپ کی ذات عالی کو جن عدیم المثال

اوصاف وکمالات اور اخلاق واقدار سے نوازا ہے وہ قابلِ صد رشک وحیرت ہیں۔

فہم وفراست، حکمت و دانائی، علمی تعمق، اخلاق کی بلندی، تعلق مع اللہ، انابت ونسبت، علم دوستی وعلما پروری، حسن انتظام وحسن کردار، آفاقی تفکر وتدبر، مضبوط قوتِ ارادی، دل آویزی ومہمان نوازی، ذکاوت وفطانت، فراست ودانائی، عفت وصیانت، نظافت ونفاست، اکابر پرستی، موقع شناسی ومردم شناسی، سیاسی شعور وفکری بیداری، نظام الاوقات کی پابندی، معاملات کی صفائی، خرد نوازی وحوصلہ افزائی، سحر خیزی و پارسائی، اعتدال و استقلال مزاجی، رجال سازی و شخصیت نوازی، وسعتِ ظرفی وروشن ضمیری، اعتدالِ فکر ونظر، بلند نگاہ، جاں سوزی وجگر کوبی، دور اندیشی و باریک بینی اور امت کی فکر وکڑھن جیسے بے مثال اوصاف جب جسمِ ناسوتی کی صورت اختیار کرتے ہیں تو ان کا سراپا ''عبداللہ کاپودروی'' کی شکل میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک وصف حیاتِ انسانی کو روشن کرنے کے لیے کافی ہے، چہ جائے کہ کسی فرد میں ان کا اجتماع ہوجائے تو وہ وجود کیسی نورانیت اختیار کرلے گا ؂

ولیس علی اللہ بمستنکر
أن یجمع العالم في واحد

احقر کو جن دنوں مادر علمی ''فلاح دارین ترکیسر'' کے احاطے میں اپنی فکر و نظر کو سنوارنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت حضرت والا کا ''فلاح دارین'' کے ساتھ اہتمام وریاست کا اصولی تعلق برقرار نہ تھا، اس لیے آپ سے ہمہ وقتی استفادہ مشکل تھا، گرچہ سرپرست ہونے کی حیثیت سے آپ کی آمد کے موقع پر ملفوظاتِ

طیبات سے قلب وجگر کو تسکین حاصل ہوتی، لیکن ایسے مواقع کم ہی ہوتے، اس لیے آپ کی ریاست کے مشاہدتی احوال پیش کرنا میرے لیے ذرا مشکل ہے؛ بریں بنا زیر نظر سطور میں بذاتِ خود کچھ لکھنے کے بجائے موصوف کے ایک انتہائی مخلص و باوفا رفیق حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب قاسمی نروری مرحوم جن کو حضرت والا کے ساتھ تینتالیس سالہ طویل رفاقت حاصل رہی ہے اور جو حضرت کے ہم دم و ہم راز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے گوناگوں اوصاف کی وجہ سے بذاتِ خود اپنی جگہ عبقری شخصیت کے حامل بزرگ ہیں۔ ان کی تحریروں میں حضرت کے اوصاف و کمالات اور خدمات و امتیازات جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، ان سطور میں انہی درر آبدار کو لڑی میں پرونے کی کوشش کی ہے جس سے حضرت کا ایک خوب صورت اور واقعی سراپا ابھر کر سامنے آتا ہے۔

ناقص خیال میں ان سے زیادہ حضرت کی جلوت وخلوت، محاسن ومحامد اور فکری زاویوں سے واقفیت رکھنے والا شاید ہی دوسرا کوئی ہوسکتا ہے اور یہ نرا دعویٰ نہیں ہے بل کہ اس کا اظہار خود مرحوم نے اپنے ایک مراسلہ میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں مولانا مرحوم آپ کی صفت رجال سازی کی داد دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''آپ سے جو سیکھا اور آپ کی جو توجہ ومحبت رہی اسی کی برکت سے ٹوٹی پھوٹی خدمت کرنے کی توفیق بھی ہوتی ہے، دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صحت و عافیت عطا فرمائے تا کہ یہ سلسلہ جاری رہے، آں جناب کی بہت سی وہ خصوصیات جو شاید مجھ سے زیادہ کوئی اور نہ جانتا ہو، یا اس نے

محسوس نہ کیا ہو، ان کو یاد کر کے دل میں اور قدر بڑھ جاتی ہے، اچھے لوگ پیدا نہیں ہوتے بل کہ پیدا کیے جاتے ہیں''۔

ایک دوسرے موقع پر آپ کے حسنِ انتظام، دور بینی ورجال سازی اور ''فلاحِ دارین'' کو ترقی وعروج کے آسمانِ ہفتم تک پہنچانے کے اسباب وعوامل کو جس حسن وخوبی کے ساتھ اجاگر کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، ذیل میں مرحوم کے ایک غیر مطبوعہ مراسلہ کا طویل اقتباس پیش کیا جارہا ہے، اس کو پڑھیے اور مادح و ممدوح دونوں کی بصیرت پر سر دھنتے چلیے، ایک کا احساس وادراک کس غضب کا ہے تو دوسری طرف ممدوح کس پایہ کا ہے۔ **فنعم المادح والممدوح!**

> ''ہندوستان کے جامعات ان دنوں جس افتاد کا شکار ہیں اور ان کی افادیت بڑھانے کے لیے جو تجاویز اقتدارِ وقت کی طرف سے آرہی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج سے ۳۸؍سال پہلے نہ معلوم اللہ کی طرف سے الہام یا آپ کی دور اندیشی تھی کہ آپ نے اس وقت ہی ''فلاحِ دارین'' کے نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، حساب، ابتدائی سائنس اور علم معاشرت اور انگریزی کو داخل فرما کر اس کو ایسا بنادیا تھا کہ آج ۳۸؍سال کے بعد جو مشورے جامعات اور دار العلوم کے لیے ملک اور بیرونِ ملک میں دیے جارہے ہیں، وہ الحمد للہ! یہاں پہلے سے نافذ تھے، یہ مضامین جہاں دینی طلبہ کے لیے بڑی افادیت کا پہلو لیے ہوئے تھے وہیں آج کے ملکی اعتراض اور سوچ کے لیے وقایہ تھے، کسی کی زبان اس قوم کو دنیوی علوم سے بالکل جاہل نہیں کہہ سکتی تھی، جامعات کے لیے یہ ایک اعلیٰ، کامیاب اور مفید نصاب تھا۔

آج بعض ہندوستانی ریاستوں میں حکومت مدرسہ بورڈ بنا کر اُنہیں مضامین کو نصاب میں داخل کرنے پر زور دے رہی ہے اور وہی مدارس نظر بد سے محفوظ سمجھے جارہے ہیں جن میں دینی علوم کے ساتھ یہ دنیاوی مضامین اور کچھ صنعتی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔

آپ نے کمپیوٹر کی تجویز بھی پیش کی تھی، خیاطی اور الیکٹرانک تعلیم بھی جاری کی تھی۔

نیز ہفتے میں بعض اہم مضامین جو کسی جگہ یہاں کے مدارس میں نہیں تھے اور نہ اب ہیں، الغزو الفکری، مقارنۃ الادیان، توحید، علوم القرآن وغیرہ جاری کئے؛ بل کہ مجھے یاد ہے کہ عرب ممالک میں جو ایک سنجیدہ طبقہ ٹی وی وغیرہ کے زندگی اور تمدن میں نفوذ کو دیکھ کر اس کو اسلامی بنانے کی کوشش میں مصروف ہے؛ تاکہ اس کا بڑا پہلو نکال کر اس کو کس طرح اسلام کی تعلیمات کے فروغ اور دوسروں تک اس کی تبلیغ کے لیے بطور ذریعہ کے استعمال کیا جاسکتا ہے، آپ نے مدینہ سے آنے والے ایک فلاحی فاضل کے ذریعہ طلبہ کو اس کے طریقۂ کار کو سمجھانے کے لیے مقرر فرمایا تھا؛ مگر لوگ اس مصلحت کو نہ سمجھے اور داخلی تنقید نے اس سلسلہ کو زیادہ نہ چلنے دیا۔

آج رجسٹریشن کتنا ضروری ہوگیا ہے، سب اب اس کی ضرورت کو محسوس کررہے ہیں، کوئی وقف بورڈ کے حوالہ کیا جارہا ہے، کوئی رجسٹریشن کی دوڑ دھوپ میں ہے، کوئی ویلفیئر بنانے میں لگا ہوا ہے، آپ کی خداداد بصیرت نے اس کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔

آپ نے ایک کھیپ مدینہ بھیج کر تیار کرالی تھی جو آج مدرسہ کی جان بنی

ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ادارے کی نیک نامی ہے۔ فنِ قراءت پر وہ توجہ دی جو آج ''فلاحِ دارین'' کا طرۂ امتیاز ہے۔ دنیاوی مضامین کی تعلیم چند سال سے اس وجہ سے نصاب سے یہاں خارج کرنی پڑی کہ ان مضامین کو صحیح طور پر پڑھانے والے اساتذہ مہیا نہیں تھے، کاش کہ زیادہ خرچ کر کے ان کو مہیا کرلیا جاتا تو آج ان مضامین سے محرومی نہ ہوتی''۔

ممکن ہے ان باتوں کو کوئی تملق یا بے جا خوشامد پر محمول کرے؛ مگر جب ''فلاح دارین'' کے طویل اہتمام کے بعد حضرت والا نے اپنے بعض اعذار و مجبوریوں کی وجہ سے سبک دوشی حاصل کرلی اس وقت اب آپ سے کوئی غرض وابستہ نہ رہی تھی، دوسری طرف **''المعاصر لا يناصر''** کی طویل خلیج بھی حائل تھی پھر بھی آپ کا قلم اس حادثۂ صد حسرت پر ان الفاظ سے ماتم کرتا ہے:

''محترمی و مکرمی قبلہ مولانا صاحب زیدت معالیکم

سلام مسنون!

گرامی نامہ شرف صدور لایا، حالات کا علم ہوا۔

گرامی نامہ کے بین السطور سے ناقص عقل جو سمجھ سکی اس کے تصور سے ہم فکرمند ہیں، ہم کو تو آپ لائے تھے، آپ کے ساتھ ہی وقت گزرا، آپ نے ہم کو اپنا بنایا، ہم بھی آپ کے سایہ تلے بے فکر رہے، آپ نے جب سے یہاں کی رہائش ترک فرمائی تب ہی سے دل کو ایک ٹھیس لگ گئی تھی مگر آپ اس فیصلہ میں حق بجانب تھے، اس لیے ہم آپ کو مجبور بھی نہ کر سکے اور دل کی بات دل میں رکھے بیٹھے رہے، کس سے کہتے اور کیا کہتے؟ سب کو تماشائی دیکھ کر کتنا رنج ہو رہا تھا کہ یہ موقع تو یہ تھا کہ اگر لوگ

خدمات کا استحضار رکھتے تو آپ کے راستہ میں لیٹ جاتے اور بندھا سامان کھولنے پر مجبور کردیتے۔

اس حادثہ کو جیسے تیسے دل پر پتھر رکھ کر دیکھا، پھر یہ تسلی رہی کہ خیر زیارت اور مشوروں اور آنے جانے کا سلسلہ تو قائم ہے؛ مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں جناب کی طبیعت اس رسمی آمد ورفت کو صرف مروتوں کے دائرے میں سمجھ کر غیر ضروری سمجھنے پر مجبور ہوئی ہے۔

ہم کیا، ہماری بساط کیا؟ مگر ہم کو تو ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سب آیندہ کے لیے دشواریوں کا پیش خیمہ ہیں، جس کے تصور سے دل کانپتا ہے، اس عالم رنگ وبو میں آپ ہمارے محسن ہیں اور انشاء اللہ آیندہ بھی آپ کی وسیع النظر فی اور خُردنوازی سے پوری توقع ہے کہ آپ اس برتاؤ اور توجہ میں فرق نہ آنے دیں گے۔

کاش! کہ ہمارے اختیار میں یہ ہوتا کہ ہم آپ کے پیر پکڑ کر خوشامد کے ہر طریقہ کو اختیار کر کے آپ کو روک لیتے؛ مگر افسوس ''بسا آرزو کہ خاک شدہ'' والا معاملہ ہے۔ امید ہے کہ اپنی ہر دعا میں آپ اپنے ان مخلصین کو فراموش نہیں فرمائیں گے، جن کے پاس وہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے دل کی کیفیت آپ کو دکھلا سکیں۔ اس وقت تو سوائے اس کے اور کوئی لفظ زبان پر نہیں کہ ع......بسلامت روی و باز آئی''

فلاحِ دارین سے سبک دوشی کے موقع پر اراکین مدرسہ اور راوت برادران کی نیابت میں آپ کے بہار آفریں قلم سے جوالوداعی کلمات تحریر کی شکل میں جلوہ گر ہوئے، ان میں جہاں آپ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف ہے وہیں آپ کی کتاب

زندگی کے روشن پہلو بھی دکھائی دیتے ہیں۔ زیر نظر سطور میں اسے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے، پڑھیے اور دیکھیے کہ اس میں کیا کچھ کہا گیا ہے:

''رئیس جامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب فروری ۱۹۶۶ء میں بہ حیثیت مدرس ''مدرسہ فلاحِ دارین'' تشریف لائے، ۲؍مارچ ۱۹۶۶ء میں موصوف کو عارضی طور پر اہتمام سپرد کیا گیا، پھر ۱۷؍مارچ ۱۹۶۶ء ہی میں مستقل طور پر اہتمام کی ذمے داری سونپ دی گئی جو اکتوبر ۱۹۸۴ء تک جاری رہا، اس کے بعد نومبر ۱۹۸۴ء میں ان کو رئیس جامعہ کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ ۳؍فروری ۱۹۹۳ء میں موصوف نے استعفا پیش کردیا جس کو ۱۷؍نومبر ۱۹۹۳ء کو بادل ناخواستہ قبول کرلیا گیا۔ اہتمام قبول کرنے کے بعد موصوف چوں کہ علمی ذوق، اعلیٰ انتظامی صلاحیت، مضبوط قوت ارادی، خلق حسن، صبر وضبط، معاملہ فہمی، دور اندیشی، مردم سازی، وسعت ظرف، دل آویزی اور مہمان نوازی جیسی خداداد اعلیٰ صفات سے متصف تھے، اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں موصوف نے اللہ تعالیٰ کے فضل، بزرگوں کی توجہات، اساتذۂ کرام کی اَن تھک محنت اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ادارے کو تعلیمی، تربیتی، تہذیبی اور تعمیری اعتبار سے قابلِ فخر ترقی عطا فرمائی، جس کا ثبوت معائنہ رجسٹر میں مرقوم ان تاثرات سے ظاہر ہے جو ملک کی مؤقر شخصیات کے قلم سے تحریر ہوئے ہیں۔

انھوں نے ملک کے کونے کونے سے ذی استعداد، مخلص، محنتی اور خلیق اساتذۂ کرام فراہم کیے جنہوں نے اپنا خون پسینہ بہا کر ادارہ کے تعلیمی و ثقافتی معیار کو بلند کیا۔

نصاب تعلیم انوکھا اور زمانہ کے تقاضے کے مطابق ترتیب دیا، جس میں دنیاوی ضروری مضامین کو شامل فرمایا، عربی اور انگریزی زبان وادب، نیز فن نحو وقراءت -جن پر عموماً کم توجہ دی جاتی ہے- کو انتہائی اہمیت دی، اس کے لیے ماہر اساتذہ فراہم کیے اور خود اپنے طلبہ کو شوق دلا کر اس قابل بنایا کہ آج وہ اس ادارے کے قابل رشک اساتذہ ہیں۔

موصوف نے عالمِ عرب کا سفر فرما کر نادر اور اہم کتابوں کا ذخیرہ جمع فرمایا جو آج کتب خانے کے لیے بیش قیمت علمی سرمایہ ہے۔

موصوف نے انتہائی جاں فشانی کر کے عالم عرب کے مشہور جامعات سے ادارہ کا معادلہ منظور کرایا اور طلبہ کو وہاں بھیج کر داخلہ دلایا جو آج وہاں سے فراغت کے بعد وقیع جگہوں پر دینی خدمت انجام دے رہے ہیں اور بعض ابھی زیر تعلیم ہیں۔

طلبہ ومدرسین کی ضروریات اور ان کی رہائش کے لیے راوت برادران کو توجہ دلا کر مقامی و بیرونی کمیٹی کے تعاون سے اساتذہ کوارٹر تیار کرائے، آج یہ سہ منزلہ دار الاقامہ، مدرسہ کے احاطے میں وسیع مسجد، سہ منزلہ درس گاہیں، چمن، مطبخ، فوقانی وتحتانی ہال وغیرہ عمارتیں موصوف ہی کے عہد میمون کی یادگار ہیں۔

ادارہ میں علمی و ثقافتی وہ سرگرمیاں اساتذۂ کرام کو متوجہ کر کے جاری فرمائیں جو تعلیمی وتربیتی ادارہ میں طلبۂ عزیز میں رکھی ہوئی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا قوی ترین ذریعہ اور ادارہ کی نیک نامی کا موجب ہیں۔

کن کن خدمات کو گنایا جائے، سچ تو یہ ہے کہ ربع صدی کی اس طویل

مدت میں موصوف نے ادارہ کی ترقی اور فلاح کے لیے اپنی مقدور بھر
جد وجہد سے دریغ نہیں فرمایا، ادارہ عزت وشہرت، مقبولیت اور افادیت
کے جس مقام پر آج پہنچ رہا ہے اس کو دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا ؎

بہار اب جو ادارہ میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے''

مذکورۂ بالا سطور میں حضرت مرحوم نے آپ کی صفات وکمالات اور خدمات و امتیازات کا جس خوب صورت اور دل آویز انداز میں نقشہ کھینچا ہے وہ انہیں کے قلم کا حصہ ہے، اس میں جہاں انتہائی باریک بینی کے ساتھ آپ کی ایک ایک خوبی کو اجاگر کیا گیا ہے، وہیں آپ کی قابل رشک خدمات پر دل کھول کر داد دی گئی ہے، غرض یہ کہ مرحوم کے قلم کے یہ سدا بہار نقوش حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم کی شخصیت پر لکھنے والوں کے لیے ہمیشہ سنگِ میل کا کام دیتے رہیں گے۔

میرے استاذ و مربی
حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم
اپنے بے مثال اوصاف و کمالات کے آئینے میں

بقلم
حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ورتھی فلاحی مدظلہ
شیخ الحدیث جامعۃ الفلاح بینونی جنوبی افریقہ

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔أما بعد!

۱۲/دسمبر ۱۹۷۰ کو''دارالعلوم فلاح دارین''میں بندہ کا داخلہ ہوااور تیئیس جون ۱۹۸۰ کو رسمی فراغت ہوئی اور مزید ایک سال دورۂ تفسیر میں گزرا، اس طرح پورے گیارہ سال''فلاحِ دارین'' کی چار دیواری میں رہنا نصیب ہوا۔

پہلے ہی دن سے حضرت الاستاذ مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ سے اخیری دن تک دیکھنے سننےاور ساتھ رہنےاور ساتھ ہی نماز پڑھنے کا تعلق رہااور دوپہر اور شام دونوں وقت کے کھانے کےوقت بھی حضرت والاتشریف لاتے تھےاور جب طلبہ فارغ ہوجاتے تو پھر دوپہر کوگھر تشریف لے جاتے اور شام کو مغرب کی نماز مدرسہ کی مسجد میں ادافرما کرتشریف لے جاتے ،غرض حضرت کو بہت قریب سے ایک لمبی مدت تک دیکھنےاور سننے کا موقع ملا اوراس کے بعدبھی آج تک حضرت سے برابر تعلق ہے۔

بارہا حضرت والا کوموقع کی مناسبت سے نصیحت فرماتے ہوئے سنا،کبھی کبھار جوش میں حضرت والا یہ بھی فرماتے تھے کہ یہ مسجد کے درودیوارقیامت کے دن گواہی دیں گے،جیسے بقول جگرمرادآبادیؒ''ہر ذرہ کوگواہ کئے جاتاہوں میں''۔

انسانی نفسیات کا یہ مسلم اصول ومسئلہ ہے کہ رفتہ وموجودہ جس شخصیت سے بھی انسان متاثر ہوتا ہے،اس کےاحوال وکوائف اس کے ذہن وفکراور ذات ووجود

پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے اعمالِ صالحہ کا اسوہ ونمونہ دوسروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، ان کے مطالعہ سے زندگی میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور شریف وصالح جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

بر بنائے محبت اسی جذبہ وداعیہ کے پیش نظر حضرت والا کے تلامذہ آپ کے اوصاف وکمالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی یہ تحریر بھی پیش نظر رہے کہ ''کسی محبوب استاذ کی تاریخ چوں کہ محض علم ہی کا تقاضہ نہیں ہوتی بل کہ عشق ومحبت کا مقتضی بھی ہوتی ہے اور عشق کے لیے مہارت علوم نہیں، عقیدت ومحبت کا جوش ہونا کافی ہے''۔ (مقدمہ نقوش وتاثرات حکیم الاسلام)

حضرت الاستاذ کی شخصیت چیدہ وچنیدہ شخصیات میں سے ایک ہے، حضرت والا نے اپنے اندر بہت سارے اوصاف وکمالات کو جمع کر رکھا ہے، علم وعمل، فہم وذکا، اخلاص و اصلاح اور دین کی اشاعت وحفاظت کے لیے بے چینی اور تڑپ وغیرہ اوصاف کے جامع ہیں۔

طالب علمی کے زمانہ ہی میں ہم سنتے تھے کہ گجرات کے علما میں حضرت والا کا ایک خاص مقام ہے اور خصوصاً آپ کی دور اندیشی کی بہت شہرت تھی، اسی لیے آپ کو مفکر اسلام اور قلب گجرات وغیرہ القاب سے نوازا گیا، بل کہ جب یوپی کے اسفار ہوئے تو دیکھا کہ وہاں بھی حضرت والا کا علما کے دلوں میں ایک خاص مقام و وقار ہے، آپ **"ملأ العين و السمع"** ہیں، آپ وجیہ وجمیل، خوش پوشاک ہیں

اور ہر چیز سے نفاست ٹپکتی ہے، کلام فرماتے ہیں تو بڑی شستہ اردو گویا پھول جھڑتے ہیں، اکثر ہمارے گجراتی علما جب اردو بولتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کوئی غیر اہل زبان ہے لیکن حضرت والا بالکل اہل زبان کی طرح کلام فرماتے ہیں، آپ جب نصیحت یا وعظ فرماتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ آپ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں، ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی'' کا منظر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ آپ کو قادر الکلام واعظ و مقرر فرماتے رہتے تھے۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں

غیر معمولی انتظامی صلاحیت:

آپ غیر معمولی انتظامی و تنظیمی صلاحیتوں کے مالک ہیں، چناں چہ آپ نے بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں سے ''فلاح دارین'' کو منظم اور مشہور ادارہ بنادیا، چناں چہ بہت ہی مختصر مدت میں چہار دانگِ عالم سے علم کے پروانے آ آ کر جمع ہونے لگے، جنوبی افریقہ، زامبیا، ملاوی، زمبابوے، کینیا، ریونین، موریشش، مالدیب، مڈغاسکر، انگلینڈ، کینیڈا، امریکہ، کیوبا، آسام، مغربی بنگال، یوپی، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر وغیرہ اور پورے گجرات سے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔

سیکڑوں کی تعداد میں آپ کی زیر نگرانی علما، قرا و ادبا تیار ہوئے اور وہ آج اپنے اپنے مقام پر اشاعت دین اور مخلوق کی رہبری و ہدایت میں مشغول و مصروف ہیں

اور وقیع اداروں میں سے اکثر میں آپ کے تیار کردہ افراد ملک و بیرون ملک میں اہم ذمے داریوں کو سنبھالے ہوئے ہیں، یہ سب حضرات آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

میرا حق فصلِ بہار پر:

آپ میں یہ جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے کہ کون طالب علم ہونہار ہے اور ترقی کرنے والا ہے، اس کو بھانپ لیتے ہیں اور پھر اس کو چھانٹ بھی لیتے ہیں، سچ پوچھئے تو ''فلاح دارین'' نے جو بہت سے میدانوں میں ترقی کی اور قوم کی رہبری کا فریضہ انجام دے رہا ہے وہ آپ ہی کی فراست کا رہینِ منت ہے۔

اس طرح ''فلاح دارین'' کی ترقی میں ان کا ناقابلِ فراموش حصہ اور کارنامہ ہے۔

میں چمن میں جہاں بھی رہوں　　　میرا حق فصلِ بہار پر

وسعتِ مطالعہ:

آپ ایک وسیع المطالعہ اور کثیر المطالعہ شخص ہیں، آج بھی جب کہ آپ کی عمر پچاسی کے قریب ہے، اتنا مطالعہ فرماتے ہیں کہ نوجوان علما نہیں کرتے، بقول علامہ کشمیری رحمہ اللہ کہ یہ بھی ایک روگ ہے، یعنی مطالعہ ایک بیماری کی طرح لگ گیا ہے جس سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔

اسی ذوقِ مطالعہ و کتب بینی کی بیماری سے مجبور ہوکر آپ نے ''فلاح دارین'' میں ایک وقیع کتب خانہ تیار کردیا تھا، جس میں عالم اسلام سے نکلنے والی اور ہندو پاک میں چھپنے والی اچھی اچھی کتابوں کو جمع فرمادیا تھا، جب ہم پڑھتے تھے

اس وقت ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمارے کتب خانہ میں سترہ ہزار کتابیں ہیں، ان میں بہت سی کتابیں تو کئی کئی جلدوں میں ہیں، اس کے بعد تو اضافہ ہوتا ہی رہا اور چالیس سال کے اندر تو معلوم نہیں کتنی کتابیں جمع ہوگئی ہوں گی۔

آپ کا ذاتی کتب خانہ بھی بہت وسیع ہے جس میں ہر فن کی کتابیں موجود ہیں، آج بھی آپ برابر کتابوں کو جمع کرتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں، کینیڈا کے زمانۂ قیام میں کچھ ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ ہی وقتِ فراغ ملتا ہے جس میں مطالعہ کی مقدار اور بڑھ جاتی ہے، بندہ ایک مرتبہ کینیڈا آپ کی جائے قیام پر ملاقات کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ عربی رسائل عالمِ اسلام سے منگواتے ہیں اور ان کو پڑھتے ہیں، گویا بزبانِ حال یہ فرماتے ہیں ؎

دست از طلب نہ دادم تا کامِ من برنہ آید
یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

رہبریٔ علما:

مطالعہ کی کثرت و وسعت، قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع و واقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت اور اس پر جذبۂ خدمتِ خلق سے متصف، آپ برابر اپنے وعظوں اور مجالس میں علما کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں اور ان کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں۔

مسلمانوں کے حالات اور مسائل سے بہت کم کسی عالم کو اتنی گہری دلچسپی اور واقفیت ہوگی جتنی حضرت والا کو ہے، خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے حالات پر بڑی

گہری نظر ہے اور بھگوا تہذیب کی مکاریوں سے تو بہت ہی باخبر ہیں، ان کے مکائد کو برابر اپنی تقاریر و مجالس میں ذکر کر کے سب کو آگاہ کرتے رہتے ہیں اور متنبہ فرماتے رہتے ہیں۔

حمیت اسلامی و دینی غیرت:

آپ کی درسی خدمات اور ایک دینی ادارہ کی طویل و مسلسل تھکا دینے والی خدمات آپ کے خوش قسمت ہونے کی دلیل ہے اور انشاء اللہ! اللہ تعالی کے یہاں قبولیت کی علامات ہیں، لیکن اسلام و ایمان کی دولت کے بعد اُن کا وصفِ امتیازی حمیت اسلامی اور دینی غیرت ہے، جو ہزار عبادتوں سے زیادہ موجبِ رضا اور جالبِ رحمت ہے جس کا حصۂ وافر ان کو نصیب ہوا ہے، یہ دولت خاص ہی خاص لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ **"أينقص الدين و أنا حي"** والی کیفیت آپ کو نصیب ہے، خود بھی تڑپتے ہیں اور دوسروں کو بھی تڑپاتے ہیں، صاحب زادۂ محترم مولانا اسماعیل صاحب سے معلوم ہوا کہ رات کبھی کبھی آنکھوں ہی میں کٹ جاتی ہے۔

یوں ہی رات ساری بسر ہو گئی ہے
نہیں آنکھ جھپکی سحر ہو گئی ہے

اور آپ کا یہ حال ہے کہ:

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

علمائے کرام اور عوام سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور رہبری پاتے ہیں اور آپ ہر ایک کو حسب حال مشورہ دیتے ہیں، آپ نے ذہن رسا اور نکتہ شناس پایا ہے، جس سے بہت جلد مغز کی بات پالیتے ہیں اور جن نتائج تک لوگ بہت دیر میں یا کم پہنچ پاتے ہیں آپ بہت جلد پہنچ جاتے ہیں اور پھر حسب موقع و مصلحت مشورہ دیتے ہیں۔

نگہ بلند ، سُخن دل نواز ، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

اللہ والوں سے تعلق:

آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ اللہ والوں کو دل سے چاہتے ہیں اور ان کی بڑی قدر فرماتے ہیں اور بہت اکرام فرماتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے مقرب بندے اور اولیا بھی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود
ہر کجا درد یست شفا آنجا رود

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب جنوبی افریقہ میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت والا برابر ان کی عصر کے بعد کی مجالس میں شرکت فرماتے اور اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرتے؛ چناں چہ حضرت فقیہ الامت بھی آپ کی طرف خوب توجہ فرماتے، یوپی کے اسفار بھی اپنے دور اہتمام میں بزرگوں کی توجہات اور دعائیں لینے کے لیے ہر سال فرماتے اور اپنے ہر ایک استاذ کی خدمت

میں تشریف لے جاتے تھے اور خود شہرت کی بلند سے بلند تر چوٹی پر پہنچ جانے کے باوجود ایک ادنی طالب علم کی طرح اپنے آپ کو پیش فرماتے اور ان کی دعاؤں و توجہات سے بہرہ ور ہوتے اور سال کے شروع میں شوال میں اپنے تمام اکابر کو خط لکھتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے اور مدرسہ کی ترقی کے لیے مشورہ طلب فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے بڑوں کے سامنے خود کو چھوٹا بنا کر پیش کیا اور ہمیشہ ان کے ساتھ ادب اختیار کیا؛ چناں چہ طلبہ کو بھی اسی کی نصیحت فرماتے، بارہا فرماتے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
کہ بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

اور مولانا رومیؒ کا یہ شعر بھی پڑھتے:

ادب تا جیست از لطفِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ والوں کے سامنے چھوٹا و محتاج وحقیر بنا کر پیش کیا تو ہر ایک اللہ والے نے آپ کو قبول کیا اور کسی بھی اللہ کے ولی کو آپ سے انقباض وتکدر نہیں ہوا، یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے، آپ کا عمل حضرت حکیم اختر صاحبؒ کے اس شعر پر ہے ؎

ان سے ملنے کی ہے بس یہی ایک راہ
ان سے ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اقبال نے بھی اس کو کتنے خوبصورت انداز میں کہا ہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اہل کمال کی قدر دانی:

آپ کا یہ بھی ایک وصف امتیازی ہے کہ جس کو بھی دیکھا کہ وہ کسی فن میں کامل ہے خود بھی اس کی قدر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ فرماتے ہیں، ہمارے پیر طریقت حضرت شاہ قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ کو گجرات میں سب سے پہلے دعوت دینے والے حضرت موصوف ہی ہیں اور لوگوں کو بھی اپنی مجالس میں ان کی طرف متوجہ فرماتے رہتے ہیں، بڑے بلند الفاظ میں حضرت شیخ دامت برکاتہم کا ذکر فرماتے ہیں، مثلا شیخ محقق ہیں، بڑی محققانہ باتیں سادہ انداز میں بیان فرماتے ہیں وغیرہ، جو حضرت رئیس مدظلہ العالی پسند فرماتے ہیں، سطحی باتوں کو گا گا کر بیان کرنے والے عوامی مقررین کو پسند نہیں فرماتے، ظاہری اسباب میں حضرت شیخ کا گجرات میں جو فیضان ہوا اس کا ظاہری سبب حضرت رئیس ہی ہیں اور اس معنی کر تمام حضرت شیخ کے مریدین پر بالواسطہ حضرت رئیس کا بھی احسان ہے، جن کا سب مریدین کو ممنون واحسان مند ہونا چاہیے، اسی طرح حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم کا بھی اپنی مجالس میں ذکر خیر فرماتے ہیں، مثلاً یہ کہ مفتی صاحب بڑے متواضع ہیں، صاحب علم ہیں وغیرہ، حالاں کہ مفتی صاحب تو رئیس کے تلامذہ کی صف میں آتے ہیں حتی کہ جو آپ کے براہ

راست شاگرد ہیں اور ان میں کمال ہے ان کی بھی عزت افزائی وہمت افزائی فرماتے ہیں اور ان کی طرف بھی رجوع سے آپ کو عار نہیں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مرتبہ عربی کی بعض تعبیرات جو نئی نئی آتی رہتی ہیں ان کے بارے میں مولانا اقبال صاحب دیولوی سے استصواب کرتا ہوں کہ میں یہ معنی سمجھا ہوں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ مولانا اقبال صاحب فلاحی ہیں اور آپ کے پروردہ ہیں، لیکن چوں کہ مولانا کو عربی میں بڑی مہارت ہے تو ان کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہچکچاتے نہیں، **"ما استنكفت عمن هو فوقي، وعمن هو سوائي، وعمن هو دوني"** پر آپ کا عمل ہے:

قدرِ گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

نیز شیخ سعدی کے اس شعر پر عمل ہے:

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم　　ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

ہاں! یاد آیا کہ ایک مرتبہ مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کا ترکیسر کے ایک محلے میں بیان تھا، عشا کے بعد ہم طلبہ گئے تو دیکھا کہ حضرت رئیسِ محترم بھی طلبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، حالاں کہ حضرت مولانا مرحوم نے ڈابھیل میں آپ سے کئی کتابیں پڑھی ہیں، اسی طرح سید ملت حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحبؒ کا بیان بھی ترکیسر میں ہوتا تو آپ بلا تکلف تشریف لے آتے اور سماعت فرماتے، حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحبؒ کی ٹکسالی زبان بہت پسند فرماتے اور داد دیتے، آج جب کہ ہر طرف **"أنا ولا غيري"** کا ماحول ہے، اس طرز ادا کی بڑی قدر

ہوتی ہے، آپ کا عمل اس پر ہے ؎

ہم نے ہر پست کو بالا کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

آج تو ہر طرف یہ حال ہے جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ایک گیڈری کے بچہ نے اپنی ماں سے پوچھا کہ ''پری'' کسے کہیں؟ تو اس نے کہا چپ چپ! لوگوں کی نگاہ مجھ ہی پر ہے۔

اساتذہ کے ساتھ سلوک:

حضرت الاستاذ رئیسِ محترم پر جب اہتمام کی ذمے داری ڈالی گئی تو آپ مشورہ کے لیے راندیر اور ڈابھیل تشریف لے گئے، راندیر میں حضرت مولانا محمد سعید صاحب مہتمِ جامعہ حسینیہ نے ڈھارس بندھائی اور ہمت دلائی اور ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ ''چلتے بیل کو گودے مت ماریو'' یہ آپ کے مزاج کے مطابق بھی تھی، چناں چہ آپ نے اس پر خوب سے خوب عمل فرمایا اور کسی استاذ کو پریشان نہیں کیا۔

انتظامی مصالح کی وجہ سے اگر کسی کو شکایت ہوئی ہو تو یہ دوسری بات ہے، ورنہ قصداً کسی کے پیچھے نہیں پڑے، آپ بڑے فراخ چشم اور وسیع حوصلہ واقع ہوئے ہیں اور بہت کچھ خلاف طبع چیزوں کو پی جاتے ہیں۔

ایسے تو اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے والے نے کہہ دیا **''اعدل یا رسول اللہ؟ فقال: ویحك! و من یعدل إذا لم أعدل''** تو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف نہیں کیا گیا تو بدیگراں چہ رسد؟

اساتذہ کی وقعت وعظمت ہمیشہ طلبہ کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے اور جو استاذ جس فن میں ماہر ہوتا اس سے اس فن کو حاصل کرنے پر ابھارتے، آج تو حال یہ ہے کہ اگر طلبہ کسی استاذ کی طرف مائل ہوں تو حضرت مہتمم صاحب ہی کو سب سے پہلے حسد ہو جاتا ہے اور اس کو گرانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ **فإلی اللہ المشتکی!**

حضرت رئیس الجامعہ نے بڑی جاں فشانی اور محنت وخاک نوردی سے قابل اساتذہ کو جمع فرمایا تھا، اس لیے خود بھی قدر کرتے اور طلبہ سے بھی چاہتے کہ قدر کریں اور اکتساب فیض کریں۔

ایک ایک استاذ کو حاصل کرنے کے لیے بعض دفعہ ہفتوں خاک چھانی ہے، لمبے لمبے تھکا دینے والے سفر ٹرینوں اور بسوں سے کئے ہیں، حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ، حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحبؒ، حضرت قاری انیس احمد صاحبؒ، حضرت مولانا نور محمد صاحب مدظلہ العالی عربی ادیب وغیرہ کو کس طرح ''فلاح دارین'' میں جمع کیا تھا، اگر آپ کی زبان سے سنیں گے تو اندازہ ہوگا کہ طلبہ میں اعلی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے آپ نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مشقتیں برداشت کی ہیں۔ **فجزاہ اللہ تعالی أحسن الجزاء وخیر الجزاء!**

''فلاح دارین'' میں آپ جو بہار دیکھ رہے ہیں اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ:

یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

بندہ کی نظر میں آج بھی ''فلاح دارین'' کو جو اساتذہ نصیب ہیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، ان میں سے اگر کسی ادارہ کو ایک دو نصیب ہو جائیں تو وہ اس ادارہ کے معیار کو سنبھال لیں گے اور گرنے نہیں دیں گے، چہ جائے کہ ''فلاح دارین'' کو پوری ایک جماعت نصیب ہے۔ **فالحمد لله علی ذالك!**

حضرت والا یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

شادم از زندگئ خویش کہ کارے کردم

مختلف زبانوں میں مہارت:

اللہ تعالی نے آپ کو بیک وقت اردو، عربی، فارسی اور گجراتی میں بھی مہارت عطا فرمائی ہے اور ہر ایک زبان میں آپ نے لکھا ہے، آپ کے قلم سے اردو میں بہت سی بہترین کتابیں آئی ہیں جو اعلی زبان میں تو ہیں ہی، ساتھ ہی مضامین کے اعتبار سے بھی بصیرت افروز اور دل سوز ہیں، گجراتی کے اندر آپ کے مضامین گجراتی رسائل میں چھپتے ہی رہتے ہیں، جو بروقت ہوتے ہیں اور قوم کی رہبری کا سبب بنتے ہیں اور آپ گجراتی کے ایک بہترین صاحب قلم ہیں، نیز آج کل کے طلبہ کی فارسی استعداد میں کمزوری دیکھ کر آپ نے مستقل فارسی کے اشعار کو جمع فرما کر اس کی شرح لکھی ہے، جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہے، عربی میں بھی آپ نے لکھا، موجودہ علمائے گجرات کے مختصر مختصر حالات آپ نے جمع فرما دیے ہیں۔

عربی میں تو آپ قلم برداشتہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ بندہ دفتر میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی کو عربی میں خط لکھ

رہے تھے، بلا تکلف آپ عربی میں لکھے جارہے تھے اور دوبارہ نظر بھی نہیں کی، ادھر لکھا اور ادھر ڈاک کے لیے بندہ کو سپرد فرمادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اردو میں بھی اتنی تیزی سے نہیں لکھ سکتے، بندہ آپ کی مہارت دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنے ساتھیوں سے بھی اس کا ذکر کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ دار العلوم زکریا (لینیشیا، ساؤتھ افریقہ) میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اور شیخ حذیفی دامت برکاتہم اور دوسرے علما کو دعوت دی جارہی تھی اور عربی میں فیکس (Fax) کے ذریعہ خط و کتابت ہورہی تھی، استاذ محترم اس وقت دار العلوم زکریا ہی میں اپنی بیٹی کے گھر (قاری محمد امین چوکسی حفظہ اللہ کے گھر) قیام پذیر تھے، حضرت والا ہی یہاں سے لکھ رہے تھے، قلم برداشتہ فوراً ہی لکھ کر دیتے تھے، مولانا شبیر سالوجی مہتمم مدرسہ نے کہا بھی کہ اچھی طرح ذرا دیکھ لیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر فرمایا کہ اس میں کیا دیکھنا ہے؟ حاضرین آپ کی مہارت کو دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔

بہر حال یہ ایک آپ کی بہت نمایاں خصوصیت ہے کہ آپ بیک وقت کئی زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں۔

ایک شخص اگر شیریں بیان مقرر ہو تو وہ میدان تحریر کا شہسوار بھی ہو یہ ضروری نہیں، مگر حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی ہے، آپ ایک طرف بہترین مقرر ہیں تو دوسری طرف اعلیٰ درجہ کا تصنیفی سلیقہ بھی رکھتے ہیں۔

آپ نے عربی کے کئی رسائل کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے مثلاً حارثِ محاسبیؒ کا رسالہ **"رسالة المسترشدين"** ہے، اس کا ترجمہ سیدی وسندی پیر طریقت شیخ المشایخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا ہے، بڑا سلیس اور عمدہ ترجمہ ہے، اسی **"رسالة المسترشدين"** پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے حاشیہ چڑھایا ہے، جو اصل کتاب سے زائد ہو گیا ہے، اس کا ترجمہ استاذ مکرم حضرت رئیس الجامعہ "فلاح دارین" نے کیا ہے، ایسا سلیس اور رواں دواں ترجمہ ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے، یہ قدرت علی التعبیر پر دلیل ہے۔

اسی طرح شیخ صالح یوسف معتوق کی کتاب **"بدر الدين العيني و أثره في علم الحديث"** کا ترجمہ حضرت الاستاذ نے "علامہ عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقشِ دوام" کے نام سے کیا ہے جو پُراز معلومات ہے اور ایک حدیث کے طالب علم کے لیے قیمتی ذخیرہ ہے۔

اشعار کا ترجمہ تو اور مشکل کام ہے، لیکن آپ کے قلمِ درفشاں نے اس پر بھی بڑی موقر کتابوں کا ترجمہ کیا ہے، مثلاً دیوان امام شافعیؒ اور قصیدہ عنوان الحکم لابی الفتح البستیؒ (۳۳۰-۴۰۰ھ) کا ترجمہ مکارم الشیم کے نام سے کیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی کتاب ہاتھ میں لیں تو جب تک ختم نہ ہو جائے وہاں تک رکھنے کو جی نہیں چاہتا، مثلاً "صدائے دل" جو آپ کے مواعظ کا مجموعہ ہے، واقعی حضرت والا نے ان میں اپنے دل کو نکال کر رکھ دیا ہے، بہت ہی سوچ سمجھ کر یہ نام دیا گیا ہے، پڑھنے والا بھی اسے انشاء اللہ اپنی صدائے دل ہی پائے گا، جس کو وہ نہیں کہہ سکتا تھا حضرت نے فرما دیا ہے۔

اور ''افکارِ پریشاں'' آپ کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، جو مختلف مواقع پر کسی خاص مناسبت اور خاص موقع پر لکھے گئے ہیں، جو بہت ہی بصیرت افروز و علمی مضامین ہیں، علما کے لیے خصوصا بہت سی باتیں کام کی جمع فرمادی ہیں۔ **فجزاہ اللہ أحسن الجزاء!**

کتاب کی پیشانی پر جو علامہ اقبال کا شعر ہے وہ آپ کی دلی کیفیت کا ترجمان ہے، آپ بھی اس کو پڑھیے اور سر دھنئے ؎

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

قرآن کریم سے شغف:

اللہ تبارک وتعالی کی ذات سے تعلق ومحبت کا لازمی نتیجہ اس کی کتاب سے محبت ہے، چوں کہ قرآن شریف اللہ تعالی کا کلام ہے، عشق ومحبت کے لیے اس دار دنیا میں بجز کلام اللہ کے اور کوئی چیز تسلی کی نہیں کہ عشاق کو جب محبوب کا وصال نصیب نہیں تو وہ اس کے کلام اور نام سے ہی تسلی اور لذت حاصل کرتے ہیں، حضرت والا کا حال بھی یہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی طالب علم فجر کی نماز میں مختصر قراءت کرتا تو اس کو بلا کر تنبیہ کرتے کہ بھئی یہاں تو طلبہ نماز پڑھتے ہیں، ان میں کوئی ضعیف نہیں اور نہ کسی کو بس پکڑنا ہے تو پھر سنت کے مطابق لمبی قراءت کیوں نہیں کرتے؟

حضرت والا ہمیشہ اذان فجر سے پہلے مدرسہ تشریف لے آتے اور جہاں فجر کی اذان شروع ہوئی کہ آپ طلبہ کو بذاتِ خود ہر کمرہ پر تشریف لے جاکر بیدار فرماتے اور پھر مسجد میں آکر سنت سے فارغ ہوکر تلاوت میں مشغول ہو جاتے، نیز طلبہ کی تلاوتِ کلامِ پاک کی دل آویز صداؤں سے دل و جان کو سرور بخشتے اور روح کے لیے اس کی تسلی کا سامان بہم پہنچاتے، بہت سی مرتبہ فجر کے بعد بعض طلبہ کا قرآن شریف بھی سنتے۔

گودھرا کا ایک طالب علم عبد الغنی نامی تھا، اس کا قرآن بہت شوق سے سنتے، اس کی آواز بظاہر عام قاریوں کی طرح پُرکشش نہیں تھی تو طلبہ اس پر تعجب کرتے، لیکن جب بندہ راندیر جامعہ حسینیہ میں خدمت انجام دے رہا تھا اس وقت وہ طالب علم بیچ میں کچھ اعذار کی وجہ سے ترکیسر چھوڑ کر پھر تکمیل کے لیے وہاں پہنچ گیا تھا، ایک مرتبہ مسابقۂ قرآن کا جلسہ رکھا گیا اور ممتحنین باہر سے تشریف لائے تو سب نے مل کر اس کو اول نمبر دیا، اس وقت حضرت والا کے ذوق کو داد دینا پڑی اور دوسروں سے بھی بندہ نے اس کا ذکر کیا، بہت سی مرتبہ قرآن شریف سن کر حضرت والا کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔

ترجمۂ قرآن پاک سے بھی حضرت والا کو بہت ہی دلچسپی ہے اور بعض مرتبہ کئی کئی تراجم کسی ایک آیت کے ترجمہ کے لیے دیکھتے ہیں اور پھر طلبہ کو بتاتے ہیں کہ فلاں نے اس طرح ترجمہ کیا ہے اور فلاں نے اس طرح اور حضرت والا کو جو پسند ہو وہ بھی بتلاتے ہیں، ربط آیات بھی حضرت والا کا ایک پسندیدہ مضمون ہے، بندہ کو ایک مرتبہ فرمایا کہ ربط آیات کے لیے علامہ بقاعیؒ کی تفسیر دیکھا کر۔

حدیث شریف کی اہمیت:

آپ نے خود بھی ہمیشہ درس حدیث دیا اور طلبہ کو بھی حدیث شریف کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف متوجہ فرماتے، چھٹیوں میں جب طلبہ گھر جاتے تو بہت سی کتابوں کا نام لیتے اور مطالعہ کا مشورہ دیتے، حدیث کے اندر ''معارف الحدیث'' از مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کا خاص طور پر مشورہ دیتے، اس کی ترتیب اور آسان انداز میں حدیث کا جو مقصد اس میں بیان کیا گیا ہے وہ حضرت والا کو بہت پسند ہے۔

طلبہ کی تربیت:

طلبہ کی تربیت میں حضرت والا کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے، ہر ایک کے ساتھ اس کے مناسب معاملہ فرماتے، ہر ایک کو ایک لکڑی سے نہیں ہانکتے تھے اور یہی صحیح طریقہ بھی ہے۔

ایک طالب علم کے بال بڑے تھے اس کو کٹوانے کے لیے کہا تو پسِ پشت اس نے کسی سے کہا کہ فلاں کے بال بھی بڑے ہیں لیکن اس کو کچھ نہیں کہتے اور مجھے کہتے ہیں، حضرت والا تک یہ بات پہنچ گئی تو فرمایا کہ تم لوگ ہماری اصلاح کے لیے نہیں آئے ہو، کس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے وہ ہمیں معلوم ہے، ہماری اصلاح کی فکر مت کرو، بس ہم جو کہیں وہ کرو ورنہ جاؤ۔

اس فرق مراتب پر حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے سنا ہوا اورنگ زیبؒ کا ایک قصہ یاد آ گیا؛ حضرت نے فرمایا کہ تین آدمی ایک گناہ میں پکڑے گئے، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ایک کو کوڑے لگوائے، دوسرے کو ڈانٹا اور تیسرے کو غصہ کی

نظر سے دیکھا، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ گناہ ہر ایک کا ایک لیکن سزا الگ الگ، جواب دیا: جا کر کے ہر ایک کی حالت دیکھ لو، چناں چہ جب دیکھا گیا تو پہلا والا چوراہے پر کھڑا ہو کر ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کچھ بھی نہیں ہوا، بس چند کوڑے لگ گئے اور دوسرے کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور حکیم کو بلایا جا رہا تھا اور تیسرے کے لیے کفن دفن کی تیاری ہو رہی تھی تو ہر ایک کو ایک لکڑی سے نہیں ہانک سکتے۔

جن طلبہ کو دیکھتے کہ لکھنے پڑھنے کے شوقین ہیں ان سے خوب محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ آگے نکل جائیں، ان کو مفید مشورے دیتے اور کس موضوع پر کونسی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے وہ بتلاتے اور بہت سی مرتبہ خود بھی کتاب دیتے، رسالہ دیتے، اخبار دیتے اور اس طرح طالب علم کو لکھنے پڑھنے پر لگا دیتے اور مزید شوق پیدا فرما دیتے۔

وقت کی پابندی:

وقت کی پابندی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، مدرسہ کے زمانہ میں بھی ہمیشہ آپ وقت سے پہلے پہنچ جاتے اور چوراہے پر بہت سی مرتبہ کھڑے ہو جاتے، اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ دونوں ہی وقت کے پابند ہوتے، کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ تاخیر کرے، اسی طرح اگر کسی سے اپائنٹ منٹ لیا ہو تو ضرور وقتِ مقرر سے پانچ منٹ پہلے پہنچ جائیں گے، ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں فرمائیں گے اور اگر کسی کو آپ نے وقتِ مقرر ملاقات کے لیے دیا ہو تو اپنے ساتھ بھی یہی پسند فرماتے ہیں کہ سامنے والا شخص وقت مقرر پر آ جائے، آپ تیار ہو کر اس کا

انتظار فرماتے ہیں، تاخیر پر آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور اس کا مناسب انداز میں اظہار بھی فرمادیتے ہیں، نماز کے اندر بھی یہی حال تھا، کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ رکعت چھوٹ گئی ہو، ایک مرتبہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مہتمم صاحب، مفتی احمد صاحب بیماتؒ اور مولانا شیر علی صاحبؒ کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کی رکعت گئی ہو۔

تشکر کا مادہ:

حضرت والا کے اندر تشکر کا مادہ بھی بہت زیادہ ہے، ہر ایک کے احسان کو یاد رکھتے ہیں اور اس کا بدلہ چکانے کی کوشش فرماتے ہیں، اگر کسی نے چھوٹے سے چھوٹا ہدیہ بھی پیش کیا ہو تو فون یا پیغام کے ذریعہ اس کا شکریہ ادا کریں گے اور تلافی بھی فرمائیں گے۔ اس مادۂ تشکر سے مجبور ہو کر آپ نے اپنے اساتذۂ کرام کا بہت ہی محبت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مستقل ایک کتاب ''رشد وہدایت کے منار'' کے نام سے لکھی اور شیخ سعدیؒ کی اس نصیحت پر عمل فرمایا ہے:

نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن

تا بماند نامِ نیکت پائیدار

راوت صاحبان کے حسن سلوک کا بدلہ ہمارے رفیقِ محترم مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی کی صورت میں ہے، جب وہ ہندوستان آئے تو اردو کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے تھے، حضرت والا نے خود اپنا قیمتی وقت دے کر مولانا کو اردو کے قاعدہ سے پڑھانا شروع کیا اور بہت جلد ان کو چالو کر دیا، آپ کی نظر دوربین نے

دیکھ لیا تھا کہ آئندہ ''فلاحِ دارین'' ان ہی کو سنبھالنا ہے تو مدرسہ چلانے کے گر بھی انہیں بتاتے رہے، یہ آپ کے مخلص ہونے کی دلیل ہے، ورنہ دوسرا کوئی ہوتا جس کو منصب کی حرص ہوتی تو کبھی بھی مولانا خلیل صاحب پر محنت نہ کرتا، بل کہ کوشش کرتا کہ وہ کسی بھی طرح واپس ہو جائے۔ مولانا خلیل صاحب جو آج بہت دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، ماشاء اللہ! یہ حضرت والا ہی کی محنت اور اخلاص کا نتیجہ ہے۔
اسی طرح آپ نے اپنی رفیقۂ حیات کے تشکر میں ان کے نام پر مسجدِ عائشہ تعمیر کروائی، ان شاء اللہ جب تک وہ مسجد قائم ہے، اس میں نماز پڑھنے والوں کا ثواب مرحومہ کو پہنچتا رہے گا، اس سے بہتر اور کیا شکر گزاری اور احسان شناسی ہو سکتی تھی کہ خالہ جان کو اسم با مسمیٰ کر دیا یعنی زندہ رہنے والی۔

اکابرینِ امت کو دعوت:

آپ نے جیسا کہ پیچھے گزرا اپنے اکابرین کے ساتھ برابر عقیدت مندانہ تعلق رکھا اور ''فلاحِ دارین'' میں مختلف مواقع پر باقاعدہ ان کو دعوت دیتے رہے، جب ہمارا پہلا سال تھا ۱۹۷۱ء میں تب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی، وہ تشریف لائے اور کئی دن تک مدرسہ میں قیام رہا، ان کو سنا اور مغرب کے بعد دیر تک ان کو اوابین کی نماز پڑھتے دیکھا۔ اسی طرح حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تقریباً ہر سال تشریف لاتے، وہ بھی مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین میں سوا پارہ پڑھتے اور اپنے والد محترم کو ایصال ثواب فرماتے اور سالانہ جلسہ میں اکثر وہی تشریف لاتے اور اس ناچیز اور دوسرے دو ساتھیوں کا نکاح بھی

حضرت حکیم الاسلام ہی نے ہمارے جلسۂ فراغت کے سال پڑھایا تھا۔ حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہ جہاں پوریؒ، سیرت کے امام، ان کو بھی فلاحِ دارین ہی میں سنا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، ڈاکٹر عبد الحلیم جو انڈیا ریڈیو اسٹیشن پر بولنے والے تھے ان کو بھی مدرسہ ہی میں سنا، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ صاحب القاموس الوحید کو ''فلاح دارین'' میں سنا، ان کے مزاج اور ہمارے استاذ محترم کے مزاج میں بہت سی چیزوں میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً نفاست' نظافت' انتظام، ہر چیز میں باقاعدگی اور سلیقہ اور بے ترتیبی سے طبیعت کا پریشان ہوجانا وغیرہ۔ مولانا علی میاں صاحب ندویؒ جن کی شخصیت سے ہمارے حضرت والا بہت متاثر ہیں، ان کو پڑھا بھی بہت اور سنا بھی بہت، حضرت ندوہ کی فکر سے بہت حد تک متفق ہیں، عربی ادب پر زور اور انگریزی کو ضروری قرار دینا یہ حضرت نے ندوہ سے لیا ہے، آپ نے درس نظامی اور نصاب جدید کو جمع فرمادیا ؎

نہ پیروئ قیس و فرہاد کریں گے
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

ایک مرتبہ مولانا سید سلمان صاحب ندوی دامت برکاتہم جنوبی افریقہ تشریف لائے تھے اور نصاب پر گفتگو چل رہی تھی، حضرت مولانا سے بندہ نے عرض کیا کہ ہمارے استاذ محترم مولانا عبد اللہ صاحب نے یہ نصاب ترکیسر ''فلاح دارین'' میں جاری فرمایا ہے تو حضرت مولانا سلمان صاحب نے فرمایا کہ مولانا کی کیا بات کرتے ہو وہ تو اس بارے میں مجدد ہیں، جب یہ جملے مولانا نے ارشاد فرمائے تو بندہ

کا سر فخر سے اونچا ہو گیا، فالحمد للہ علی ذالک! حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحب، علامہ رفیق صاحب جلال آبادی، مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی مہتمم ندوہ، حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی، مفتی عتیق الرحمن صاحب عثانی علیہم الرحمہ وغیرہ اکابر تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔

حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب کے سامنے دفتر میں ہماری جماعت کو بلایا گیا، حضرت نے کچھ پوچھا اور پھر کسی بات پر اپنے ایک خاص طرز میں یہ شعر پڑھا، جو پہلی مرتبہ ہم نے سنا اور بہت پسند آیا، وہ شعر یہ ہے۔

سرِ دین مارا خبر او را نظر　　او درونِ خانہ ما بیرونِ در

یہ شعر بندہ کو پسند آیا تھا اس لیے لکھ دیا۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ایک مرتبہ ''فلاح دارین'' تشریف لائے، مہمان خانہ میں تشریف رکھتے تھے، بندہ خدمت میں پہنچ گیا، حضرت نے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ بندہ نے عرض کیا کہ دورۂ تفسیر پڑھتا ہوں، حضرت نے سوال فرمایا کہ ''واو ثمانیہ'' کس کو کہتے ہیں، بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! معلوم نہیں، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ''مت جانو! ہمیں کیا ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ہی بتلادیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ **"عسی ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجًا خيرًا منكن مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثيبات و أبكارا"** سات صفات کو بغیر واو کے ذکر فرمایا اور آٹھویں سے پہلے واو کو ذکر فرمایا۔

اور دوسری آیت تلاوت فرمائی **"سیقولون ثلاثة رابعهم كلبهم، و يقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب، و يقولون سبعة و ثامنهم كلبهم"** یہاں پر بھی **ثامنهم** سے پہلے واو عاطفہ ذکر کیا گیا ہے،تو یہ عرب کی عادت ہے کہ وہ جب اسماء یا صفات ذکر کرتے ہیں تو آٹھویں نمبر پر ''واو'' ذکر کرتے ہیں، یہ ہے ''واوثمانیہ''۔

ساعتِ اجابت بعد عصر:

ہماری طالب علمی کے زمانہ ہی سے جمعہ کے دن بعد عصر تمام طلبہ عصر کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر مسجد میں آجاتے اور سورۂ کہف کی تلاوت، درود شریف اور دعاؤں میں مشغول ہوجاتے، حضرت والا بھی مسجد میں تشریف لے آتے اور اپنے وظائف اور دعا میں لگ جاتے، معلوم نہیں کیا کیا مانگتے تھےلیکن غالب گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عرض کرتے ہوں گے کہ الٰہی! تیرے ان بندوں کو تیرے سامنے لاکر ڈال دینا میرے بس میں تھا، اب آگے انہیں قبول کرنا تیرا کام ہے،انہیں قبول فرمالےاور دین کی خدمت ان سے لے لے اور ادھر طلبہ اپنے اساتذہ کی درازی عمر اوران کی صحت اوران سے کسب فیض کی دعا کرتے اور اپنی اور پوری امت کی مغفرت کی دعا کرتے، بڑا ہی اچھا اور پُرکیف منظر ہوتا تھا جس کو دیکھنے کے لیے اب آنکھیں ترستی ہیں۔

ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

بیرونی ممالک میں مدرسوں میں اتوار کو چھٹی ہوتی ہے اور جمعہ کو تعلیم ہوتی ہے، طلبہ جمعہ کے دن بھی عصر تک درس میں مشغول رہتے ہیں اور مغرب کے بعد پھر مطالعہ وتکرار ہوتا ہے تو وہ فضا عصر کے بعد والی نہیں بن پاتی جو ہمارے یہاں ہے۔

حضرت کی قیمتی نصائح:

حضرت والا کی نصائح تو بہت ہیں جس کے لیے ایک دفتر چاہئے، لیکن علما اور اساتذہ کی نسبت سے تین چار نصیحتیں ذکر کر دیتا ہوں:

(۱) ایک تو یہ کہ حضرت والا ہمیشہ یہ فرماتے ہیں کہ کبھی بھی کسی دوسرے استاذ کی بُرائی طلبہ کے سامنے نہیں کرنی چاہیے، دوسرے استاذ کی وقعت طلبہ کی نظر میں گرتی ہے یا نہیں، یہ تو بعد کی بات ہے، لیکن سب سے پہلے اس بُرائی کرنے والے استاذ کی وقعت تو فورًا ہی طلبہ کی نظر میں گر جاتی ہے۔

(۲) دوسری نصیحت ہمیشہ یہ فرماتے کہ اگر کوئی آپ سے مسئلہ پوچھے تو فورًا جواب نہ دو! بل کہ یہ کہو کہ کتاب دیکھ کر جواب دوں گا، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ غلطی کی شرمندگی سے حفاظت ہو جائے گی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بھی وقار اور اعتبار بڑھے گا۔

(۳) ایک عالم کے پاس ہر فن کی کم از کم ایک کتاب تو ضرور ہونی چاہیے، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ، تصوف، مواعظ، وغیرہ کی، تا کہ بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کر سکے۔

(۴) طلبہ کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ اکثر فرماتے کہ:

''یک در گیر محکم گیر''

ایک دروازہ پکڑو اور مضبوط پکڑو یعنی ایک مدرسہ پکڑو تو اخیر تک پکڑو، بعض طلبہ جو مدرسے بدلتے رہتے ہیں، اس کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

بندہ پر حضرت والا کی شفقتیں:

بندہ پر ہمیشہ حضرت کی شفقت رہی، طالب علمی کے زمانہ میں بھی اور بعد میں بھی، جنوبی افریقہ میں جب بھی تشریف آوری ہوتی ہے غریب خانہ پر حضرت ضرور تشریف لاتے ہیں، ایک مرتبہ بندہ نے عرض کیا ؎

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

کہ سایہ برسرش انداخت چوں

تو اس پر خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تو تمہیں مدرسہ کے زمانہ ہی سے پسند کرتے ہیں، یہ سن کر بہت ہی دلی خوشی ہوئی۔

سہارن پور جب بندہ پڑھتا تھا عید الاضحیٰ کی چھٹیوں میں گھر آیا تو ترکیسر حضرت کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ ''پڑھانے بیٹھ جا''، لیکن بندہ نے حضرت شیخ یونس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کے درس کی چاشنی چکھ لی تھی اس لیے عرض کیا کہ حضرت! اگر اجازت ہو تو یہ ایک سال پورا کرلوں، حضرت والا نے فرمایا کہ بہت اچھا۔

پھر جب ریونین بندہ چلا گیا اور وہاں دل نہیں لگ رہا تھا تو مولانا خلیل صاحب کے ساتھ کہلوایا کہ ''فلاح دارین'' کے دروازے تیرے لیے ہر وقت کھلے

ہوئے ہیں، جس سے بہت خوشی ہوئی۔ عالی پور بھی حضرت ہی نے بھیجا تھا اور جنوبی افریقہ بھی حضرت ہی نے بھیجا۔

یہ حضرت والا کا ایک خاص امتیاز ہے کہ اپنے شاگردوں کی فکر فرماتے ہیں اور مناسب جگہ پر لگا دیتے ہیں اور آنے جانے والوں سے حالات دریافت فرماتے رہتے ہیں اور دین کی خدمت کر رہے ہیں یہ سن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور ان کو مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔

حضرت والا کی مشغولیت:

اس عمر میں بھی اور بیماریوں کے ساتھ حضرت والا کے اوقات دینی کام میں معمور رہتے ہیں، واردین و صادرین کو وقت دینا، رہبری کرنا اور پروگراموں کے اندر تشریف لے جانا وغیرہ، غرض ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور حضرت کا حال وہ ہے جو ہم نے فارسی کے پہلے درجہ میں ایک مثل پڑھی تھی۔ ”یک انار وصد بیمار“ کہاں جائیں اور کہاں رہنے دیں، حضرت والا ہی کی ہمت ہے کہ آپ اب بھی اتنے مشغول رہتے ہیں، اپنے مقام پر بیرونی ملکوں کے سفر میں یہ مشغولی اور بڑھ جاتی ہے، بعض مرتبہ ایک ایک سفر میں کئی کئی ملکوں میں تشریف لے جاتے ہیں اور لوگوں کو فیض پہنچاتے ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے - اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

حضرت والا سے ایک شعر اکثر سنتے رہتے تھے، آپ خود ہی اس شعر کے

مصداق ہیں ؎

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

محبت وشفقت:

حضرت والا اپنے ہر ایک متعلق کے ساتھ بہت ہی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں، بل کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی فرماتے ہیں اور ان کے مصائب سن کر تڑپ جاتے ہیں ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اور اکثر یہ بھی پڑھتے تھے۔ ع

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم

اور جگر مرادابادی کا یہ شعر بھی پڑھتے ہیں ؎

ان کا جو کام ہے وہ اہلِ سیاست جانیں میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

آج پوری دنیا میں اس پیغام کو عام کرنے کی بہت ضرورت ہے، جہاں انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے اور چیڑ پھاڑ کھانے پر اتر آیا ہے، بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بہت مختصر ہے، ان میں سے ہر ایک کو عناوین ہی کہا جاسکتا ہے اور ہر ایک عنوان تفصیل طلب ہے، جس سے ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، لیکن یہ مختصر بھی کچھ نہ ہونے سے غنیمت ہے، حضرت کی حیات میں ہی اگر تلامذہ کچھ لکھیں گے تو ابھی بھی حضرت والا کی ذات گرامی سے استفادہ کے لیے بہت سے لوگ متوجہ ہوں گے۔ بعد میں لکھنے سے جو لوگ پڑھیں گے وہ

کفِ افسوس ملیں گے کہ ہم نے حضرت کو پہچانا ہی نہیں اور ہمارے درمیان اتنی بڑی شخصیت تھی لیکن ہم نے قدر نہیں کی اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

اور ایسے بھی ہماری قوم کا مزاج بقول حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ: زندہ فراموش ومردہ پرست ہے۔

برادر محترم مولانا اسماعیل صاحب کوساڑی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ برادر عزیز مفتی ابراہیم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ حکم فرمایا کہ بندۂ ناچیز بھی حضرت رئیس الجامعہ ''فلاحِ دارین'' کے متعلق اپنے کچھ تاثرات قلم بند کرے تو حضرت والا کی سنت کے مطابق تشکراً کچھ خامہ فرسائی کی باوجود ہیچ مدانی کے جرأت کی، اللہ تعالیٰ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو میرے لیے اور قارئین کے لیے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے؛ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا یہ ہے کہ ہمارے حضرت والا اور دوسرے جو اکابر رہ گئے ہیں ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں قدر کرنے کی اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

اخیر میں اساتذۂ جامعہ ''فلاحِ دارین'' اور خصوصاً حضرت والا کی خدمت میں تصور کی دنیا میں تشکراً یہی عرض کروں گا کہ ؎

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم دستِ خویش را کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

برحمتك يا أرحم الراحمين.

نسلِ نَو کی زلفِ پریشاں کو سنوارا جس نے

بقلم

حضرت مفتی جنید احمد بن حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نزوریؒ
خطیب پلاسیہ مسجد اندور

باسمہ الکریم

جس طرح ہرن کے ریوڑ میں کسی ایک کے نافہ میں اللہ تعالیٰ مشک پیدا فرماتے ہیں جو پورا جنگل معطر کر دیتا ہے اور پھر جب وہ نافہ قدردان ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو نامعلوم کتنے مریضوں کی دوا بنتا ہے اور کتنے مقامات وشخصیات کو پُر کشش ومحبوب اور کتنے پژمردہ دلوں کو فرحت اور کتنوں کے مشام جان کو معطر کرتا ہے، ایسے ہی انسانی دنیا میں اللہ عز وجل بعض لوگوں کو اپنی رحمت سے کوئی خاص جوہر عنایت فرما کر اور کبھی جواہر عطا فرما کر انسانیت کی اور نسل جدید کی تعمیر وتزئین کا سامان کر دیتے ہیں، ایسے افراد کو جب اپنا میدان ملتا ہے تو وہ اپنی وہبی لیاقتوں سے ایسا تاج محل تعمیر کرتے ہیں جس پر دنیا لمبے عرصہ تک دادِ تحسین دیتی رہتی ہے۔

ایسی ہی ایک رجال ساز، نسلِ نَو کی معمار، جوہر شناس، مفکر ومدبر جس شخصیت کو اس سیہ کار نے بہت قریب سے نری آنکھوں دیکھا وہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی ذات بافیض ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ہمیں ملاقات اور زیر تربیت رہنے کا موقع اس وقت میسر آیا جب والد صاحبؒ (مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ سابق شیخ الحدیث فلاحِ دارین ترکیسر) نے ”جامعہ فلاحِ دارین“ ترکیسر گجرات میں ہمارا داخلہ کرایا، تب سے ۳۱/دسمبر ۱۹۹۵ء تک تقریباً سن شعور کے چودہ سال اس گلستانِ علم وآگہی میں گزارے، جس کی آبیاری حضرت مولانا نے اپنی فکرِ بلند، حسنِ تدبیر، حسنِ عمل، حسنِ اخلاق اور حسنِ تربیت سے کی تھی، حضرت وہاں اٹھارہ سال مہتمم اور نو سال رئیس الجامعہ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں فکرِ بلند، رجال سازی کا ہنر اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی ایک دھن عطا فرمائی تھی جسے بسا اوقات اُن کے قدامت پسند معاصرین نے آزاد خیالی تک کا نام دے دیا، اسی کا اثر تھا کہ دیوبند وندوہ کے فکری امتزاج کا حسین مرقع انہوں نے ''فلاح دارین'' کی شکل میں ملک وملت کو دیا، ملک کے گوشہ گوشہ سے علومِ اسلامی کے ماہر، مخلص، نیک طینت، اسبابِ دنیا سے کم پر قانع، لیکن علم کے حریص، طلبہ میں علوم ِاسلامی اور آدابِ نبوی بھر دینے کے جذبہ سے سرشار اساتذہ کا ایک گروہ جمع کیا جن کا وجود یقیناً مولانا کی خوش اخلاقی، رجال شناسی اور قدردانی کا مظہر تھا۔

ادارہ کو قدیم وجدید کا جامع اور عالمی بنانے کے وفورِ شوق نے علی گڑھ یونی ورسٹی، جامعہ ملیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ، جامعہ ملک سعود ریاض سے معادلات کرائے اور فلاح دارین کی سند کو اِن عظیم جامعات میں منظور کیا گیا اور ہر جگہ کی عظیم علمی شخصیات کے دلوں میں اپنی علمی، فکری اور اخلاقی بلندی کے نقوش چھوڑے۔

دوسری طرف طلبہ میں **"لو كان العلم على ثريا لناله أبناء فارس"**

ع تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اور ؎ جوانو! صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزمِ سفر پیدا

کا جوشِ جنوں اس طرح بھر دیا کہ دنیا کی کوئی رکاوٹ یا بڑی علمی دانش گاہوں اور

شخصیات کا وقار انہیں کبھی مرعوب، احساس کمتری کا شکار یا استفادہ نہیں بل کہ مقابلہ کر لینے سے باز نہ رکھ سکا۔

ان کی ہمہ جہتی تربیت نے طلبۂ فلاحِ دارین کو ہر میدان کا ایسا شہسوار بنایا کہ وہ جہاں گئے کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

اس کے پیچھے حضرت مولانا عبداللہ صاحب دام ظلہم کے مربیانہ کمالات، اتھاہ شفقتیں اور طلبہ کی قابلیتوں کی پرکھ، مزاج کے تلون کے مطابق ان سے سلوک، ان کی عزتِ نفس کا خیال، للّٰہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایتِ عشق، فرقِ مراتب کے ساتھ اساتذہ کی تعظیم و احترام، طلبہ کے مہمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے اور مستقبل کے معمارِ انسانیت ہونے کا احساس کارفرما تھا۔

عربی کا مقولہ ہے: **"الناس علی دین ملوکھم"**

مولانا کے ذوقِ نفاست، سپاہیانہ جفاکشی، مہمان نوازی اور کبھی مرعوب نہ ہونے کے وصفِ خاص کا عکس اساتذہ اور زیرِ تربیت طلبہ میں خوب خوب نظر آتا تھا، بڑوں جیسا بننے کا عزم، کچھ کر گزرنے کا جذبہ اور فکری اعتدال گویا گھٹی میں پلایا جاتا تھا۔

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق رکھنے والے سید خاندان کے ایک طالب علم ''فلاح دارین'' میں پڑھتے تھے، بعض رفقا کی صحبت سے متاثر ہو کر ایک رات فلم دیکھنے چلے گئے، صبح حضرت کو علم ہوا تو دفتر میں طلب کیا، اعلیٰ نسبی کا واسطہ دے کر سخت سرزنش کی، سزا پاتے ہوئے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ مولانا ہم معافی چاہتے ہیں اب نہیں کریں گے، اور اب آپ نے ہمیں مزید سزا دی تو ہم حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے شکایت کردیں گے، اتنا سننا تھا کہ حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، چھڑی ہاتھ سے چھوٹ گئی، حضرت مولانا نے یہ واقعہ والد صاحب کو سنایا تو والد صاحب نے فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عشق کا ثبوت ہے۔

ایک نوجوان بڑی عمر میں پڑھنے آئے تھے، قراءت اچھی تھی، مسجد فلاحِ دارین کے امام بنا دیے گئے، وہ چوغے' جبے' صدری' ٹوپی کے ساتھ رہتے تھے، بڑے بال رکھتے تھے، اس زمانہ میں طلبہ کو بڑے بال رکھنے کی ممانعت تھی، تنبیہ کی جاتی تھی، کسی انصاف کے طلب گار طالب علم نے حضرت کی جوتی میں ایک پرزی رکھ دی، جس میں لکھا تھا کہ سب کے بال کٹائے جاتے ہیں اور یہ امام صاحب بڑے بڑے بال رکھتے ہیں، ان سے کچھ نہیں کہا جاتا، حضرت نے دوسرے دن امام صاحب کو دفتر میں بلا کر فرمایا: یہ خط آیا ہے، طلبہ آپ کے بالوں کو لے کر اس طرح سوالات کر رہے ہیں، اب آپ سمجھ دار ہیں جو مناسب سمجھیں وہ کرلیں، وہ طالب علم فوراً باہر نکلے اور اسی شام بال تراشوا لیے۔

حضرت روزانہ طلبہ کے کمروں کا دورہ فرماتے، پھر تربیتی بیان میں فرماتے، مولوی صاحب کل آپ کسی بڑی مسجد کے امام یا کسی بڑے ادارے کے مدرس یا منتظم ہوں گے، کوئی مقتدی نماز کے بعد فوراً آپ کے آفس یا کمرے میں آ گیا تو آپ کی چادر کی سلوٹوں اور درہم برہم سامان سے آپ کے باب میں اچھا تاثر نہیں لے گا اور آپ وارثِ نبی ہیں تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں وہ نفاست کا تاثر کیسے قائم کر سکے گا، اس کی اس ذہنی پراگندگی کے آپ ذمے دار ہوں گے، اس

لیے اپنے کپڑوں کو تہہ کر کے سامان کو قرینہ سے رکھنے، سلوٹیں درست کرنے، صفائی کا خیال رکھنے کا سلیقہ سکھیے۔

ایک روز ہم فجر میں گھر سے ''فلاحِ دارین'' کی مسجد کے لیے جلدی نکلے، راستے میں حضرت سے ملاقات ہوئی، تیز رفتار پُرنشاط تشریف لے جارہے تھے، فرمانے لگے، مولوی صاحب! ۱۸ رسال ہو گئے تسلسل اور پابندی کے ساتھ اس وقت پہنچ کر طلبہ کو اٹھانے اور مسجد میں تلاوت کا معمول ہے۔

حضرت کا وطیرہ ہمیشہ پہلی صف میں نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کا رہا لیکن ان کے وجود کا رعب وضو کرنے اور تاخیر سے نماز میں شریک ہونے والے طلبہ کو لرزہ براندام رکھتا تھا، یہ ربانی فیضان تھا، کتنا ہی شور ہو، ماحول درہم برہم ہو، آپ کی حاضری سبھی کو ساکت وصامت کر دینے کے لیے کافی ہوجاتی تھی۔

مزاج شناسی میں اللہ عز وجل نے بڑا مقام عطا فرمایا تھا، اساتذہ، طلبہ و ملازمین کے مزاج سے آشنائی تو تھی ہی، کئی مرتبہ فرمایا مدرسہ کے باغات میں لگے کئی درختوں کے مزاج سے بھی مجھے واقفیت ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مدرسہ کی مسجد جارہے تھے، ہم پیچھے پیچھے دبے پاؤں چل رہے تھے، راستے میں کہیں چاکلیٹ کے ورق اور کچھ پتے پڑے تھے، حضرت نے خود اٹھائے اور کوڑے دان میں ڈال دیئے، یہ منظر دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے اور تب سے پھر یہ مزاج بن گیا کچھ پڑا ہو تو اٹھا کر پھینکے بغیر سکون نہیں ہوتا۔

کئی مرتبہ درجہ کی کھڑکی سے دورانِ درس محسوس کیا کہ حضرت بہ نفس نفیس طلبہ کی جوتیاں قرینہ سے رکھ رہے ہیں، باہر نکل کر دیکھا تو واقعی جوتیاں سلیقہ سے رکھی ملیں، یہ دیکھ کر خود بخود سلیقہ کا مزاج بنتا تھا اور ایسے نقوش لوحِ قلب پر ثبت ہوتے تھے کہ تاحیات انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔

جمعہ کے روز پابندی سے دارالاقامہ کا دورہ فرماتے، اپنی نگرانی میں ہر کمرہ کی صفائی کراتے، سفر کے علاوہ یہ معمول بھی تقریباً پچیس سال رہا۔

طلبہ کی صلاحیتوں کے مطابق ان کی تحریض فرماتے، جو جس میدان میں چل پڑتا اس کی ہر طرح تشجیع فرماتے۔

طلبہ کے سامنے روشن مستقبل کے دریچے اس طرح کھول کر رکھ دیتے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ قبر میں نیکو کاروں کو صبح وشام جنت کی کھڑکی کھول کر دکھائی جاتی ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے، کبارِ اہلِ علم کے واقعات، ان کے علمی، فکری و تصنیفی کارناموں اور قائدانہ صلاحیتوں اور عملی کاوشات کا ذکر اس طرح فرماتے کہ وہ طلبہ کو بہت قریب نظر آتے اور ان میں کچھ کر گزرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا اور وہ دورانِ تعلیم ہمیشہ پُرعزم نظر آتے، یہ فلاح دارین کا اختصاص تھا، طلبہ کے درمیان جب بھی کسی استاذ کا ذکر فرماتے پورے احترام سے کرتے، ان کی علمی خصوصیات وعملی و اخلاقی خوبیوں کا ذکر کرتے اور ان سے استفادہ کے لیے مہمیز دیتے، کسی طالب علم کو تنبیہ کرنا ضروری ہوتا تو دفتر میں بلا کر تنبیہ فرماتے، سزا دینے سے پہلے اسے اپنے قابلِ سزا ہونے کا قائل کر لیتے، پھر اُسے اپنا موجودہ اور آیندہ مقام یاد دلاتے، جس سے

تنبیہ سے زیادہ تنبہ ہوتا اور طالب علم کا نفس خود بھی اسے ملامت کرتا، اس کا دل کہتا۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو میرا نہیں بنتا تو نہ بن اپنا تو بن

خود طلبہ سے ہمیشہ ادب سے بات کرتے اور طلبہ کی زبان پر خاص نظر رکھتے، کوئی کسی ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ یا بازار میں بازاری بات چیت یا حرکات کرتا نظر آتا تو مدرسہ آکر دفتر میں بلا کر تنبیہ کرتے، پھر طلبہ میں عمومی اصلاحی بیان فرماتے کہ لوگ آپ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کی نظر سے دیکھتے ہیں، آپ علمی گھرانے سے ہیں، آپ کا طرز خطاب اور چال ڈھال ایسی ہونی چاہیے جس سے اپنے پرائے اچھا اثر لیں، بال، ناخن، ٹوپی، بٹن، کپڑے ہر ہر چیز پر نظر رکھتے، مزاج شناسوں کو اشارات میں تنبیہ فرما دیتے۔ مریض طلبہ پر نظر رہتی، خود کمرہ پہنچ کر عیادت فرماتے، ان کی فکر فرماتے، طلبہ کو ورزش پر آمادہ کرتے، کھیل پر ابھارتے، خود فرماتے کوئی طالب علم عصر بعد مجھے مسجد میں بیٹھ کر پڑھتا نظر آتا ہے تو میرے دل پر بوجھ ہوتا ہے، یہ وقت دوڑنے بھاگنے کھیلنے کا ہے، اس سے ذہن کھلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''فلاح دارین'' میں طلبہ ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔

علمی میدان میں تنافس، مسابقت ومبارزت پر خوب ابھارتے، جوش پیدا کرتے، مقابلہ میں شریک طلبہ کو انعام دیتے، حوصلہ بڑھاتے، ان کے زمانے میں مختلف موضوعات پر سیمینار بھی ہوتے، طلبہ قلم کی جولانی دکھاتے، قراءت، نعت، اردو تقریر، انگریزی تقریر، عربی تقریر، عربی مضمون نگاری، حفظِ حدیث ہر میدان میں طلبہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے تھے۔

وہ خود عربی کے ادیب تھے اور اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے؛ لیکن مختلف المزاج اساتذہ کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور طلبہ میں وہ قابلیتیں منتقل کرنے کے لیے ہر فن کے ماہر کی تشجیع فرماتے، حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عبداللہ صاحب کی مہمیز نے ہمیں کتابیں لکھتا کر دیا، قاری انیس احمد خان صاحبؒ کی فنِ تجوید پر شاہکار تصانیف، قاری صدیق صاحب سانسرودی دامت برکاتہم کی تصانیف و تشریحات، حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ کی تصانیف ومضامین، مولانا اقبال صاحب مدنی دامت فیوضہم کے قلمی جواہر پارے، مولانا نور محمد صاحب دامت برکاتہم اور مولانا ارشد اعظمی صاحب کے مضامین یہ سب حضرت مولانا عبداللہ صاحب دام ظلہم کی تحریضات بل کہ اصرار و حوصلہ افزائی کی رہینِ منت ہیں۔

اساتذہ میں فرقِ مراتب کے ساتھ توازن برقرار رکھنا، آپسی چپقلش سے باز رکھنا اور کام کی دھن بنائے رکھنا، باصلاحیت و باکمال علما تیار کرنے کا جذبہ بیدار رکھنا اور اپنے اپنے میدان میں ترقی کی منازل طے کرنے کا شوق پیدا کرنا، اہل اللہ اور اکابر اہلِ علم سے وابستگی کا رجحان اور ادارہ کو ہر میدانِ علم کی ضرورت ہے، سب کو اپنے کام کی مکمل آزادی ہے، بل کہ ہر ایک کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، یہ احساس پیدا کرنا، یہ حضرت کے وہ قائدانہ اختصاصات تھے جن کی وجہ سے وہ ملک وملت کو بہت کم عرصہ میں ایک عظیم بافیض ادارہ اور سیکڑوں باکمال فضلا دینے میں کامیاب رہے۔

''فلاح دارین'' کا اہتمام اس اعتبار سے بھی انوکھا تھا کہ مالیات کے نظام سے اس کا کوئی سروکار نہ ہوتا تھا، وہ شخصی ادارہ تھا' شعبہ جات الگ الگ تھے' مالیات کا نظام اور اہتمام بالکل جدا جدا تھے، ادھر حضرت ذوقِ نفیس کے ساتھ کثیر العیال، فیاض اور فطری طور پر مہمان نواز، تنخواہ کی مقدار متعین ،عموماً دار العلوم میں وارد مہمانوں کی ضیافت اپنی جیب خاص سے فرماتے، جس کی وجہ سے عموماً مقروض رہتے بل کہ شاید یہ بات مستقبل کا مؤرخ بڑے اہتمام سے لکھے گا کہ حضرت جب ۱۸ر سالہ اہتمام اور نو سالہ رئیس الجامعہ رہ کر ترکیسر سے رخصت ہوئے تو کرانہ کی دکان والے کے پانچ ہزار روپے قرض حضرت مولانا کے ذمہ تھے۔ آپ نے اس سے کہا میں جارہا ہوں بھروسہ رکھو میں انشاء اللہ یہ قرض جلد چکا دوں گا۔ آج کے اہتمامی احوال (ریل پیل) میں یہ نظیر یقیناً اپنے بزرگوں کی قلندرانہ شان سے عبرت لینے کے لیے کافی ہے؛ اسی کا اثر تھا کہ اساتذۂ کرام بھی حضرت کے ساتھ قانع مزاج ہو کر رہے اور کبھی کسی کی زبان سے درس یا خارجِ درس مالی پریشانیوں کا ذکر سننا نصیب نہ ہوا۔

معاصرین کی منافرت اور تیزی سے ابھرتے ادارہ کے ساتھ فطری حسد کو اپنی چادر اخلاق سے ڈھانک لینا وہ وصف ممتاز تھا جس نے انہیں اپنے معاصرین کی سوچ سے بڑا بنا دیا تھا۔

وہ جب ترکیسر تشریف لائے مقامی علما کی ایک جماعت موجود تھی، آپ باہر سے آئے تھے اور ادارہ کو ملک ہی نہیں عالمی شہرت یافتہ جامعہ بنانے کے لیے پُرعزم

تھے، اس لیے آپ نے مکتب ''فلاحِ دارین'' اور مدرسہ فلاح دارین کے درمیان مقامی و بیرونی اساتذہ کی ایسی حکیمانہ تقسیم فرمائی کہ مقامی طلبہ و طالبات کی بہترین مکتبی تعلیم کے لیے مقامی نوجوان اور سن رسیدہ اساتذہ رہیں جوان کے والدین سے بھی شناسائی اور تعلق رکھتے ہوں اور دارالعلوم میں ملک بھر سے چن چن کر ماہرینِ فن جمع کیے جائیں جن کے فیض سے جید الاستعداد مختلف میادینِ علم کے ماہر علما تیار ہو سکیں، روزِ اول سے اس حکمت پر سب کو راضی و متفق کرنا دشوار تھا، اس لیے شہری تنگ نظری کی چِتا سے بھی گزرنا پڑا؛ لیکن انھوں نے اپنے مزاج کریمانہ میں فرق نہ آنے دیا اور نہ ہی اپنے حوصلہ اور عزم کو مضمحل ہونے دیا، جو فیصلہ کیا پوری اولوالعزمی کے ساتھ کیا اور فلاح دارین کے تابناک عروج نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے فیصلے میں کتنے مخلص اور حق بجانب تھے۔

''فلاح دارین'' کو ترکیسر کے راوت خاندان نے قائم کیا اور بلا شرکتِ غیرے وہ اکیلے ہی اس کے اخراجات پورے کرتے رہے، جیسے جیسے فلاح دارین کو ترقی ہوئی اللہ عز وجل نے انہیں بھی مادی ترقیات دیں اور ایک وقت آیا کہ وہ دنیا کے چنندہ تجار کی صف میں شامل ہوئے، اس خاندان کے اصل ذمہ دار حاجی یوسف راوت مرحوم مولانا کے الوداعی اجلاس میں خود فرما رہے تھے کہ مولانا ہمیں بچوں کی طرح سمجھاتے تھے کہ مدرسے کیسے ہوتے ہیں' کیسے چلاتے ہیں، ہمیں خرچ پر آمادہ کرتے، عمارتیں بنواتے، کتب خانہ سجاتے، طلبہ کی ضروریات کو پُرتکلف انداز میں پورا کرنے کا شوق دلاتے، اساتذہ کی عظمت کا سکہ ہمارے دلوں میں بٹھاتے؛ لیکن

اس خاندان کی مال داری اور ان سے تعلقات کو مولانا نے کبھی اپنی ذات کے لیے استعمال نہ فرمایا، خود ان کے سامنے اسی قلندرانہ شان سے رہے۔

ذاتی زندگی میں کتابوں سے شغل انہیں مرض کی حد تک آج بھی ہے، عالمِ عرب وعجم میں کوئی کام کی کتاب چھپی ہو، اس کا حصول اور فوراً اسے از اول تا آخر پڑھ لینا یہ آج بھی شدت وکثرتِ امراض کے باوجود ان کا محبوب مشغلہ اور کتب خانوں کی سیر ان کی دل پسند تفریح ہے، ان کی دس منٹ کی صحبت ایک عالمی کتب خانہ کی سیر کرا دیتی ہے۔

فکر واخلاق کی بلندی، علم میں پختگی، مطالعہ کی وسعت وکثرت اور نظر کی گہرائی وگیرائی کی نصیحت اس آستانہ سے ہر عالم ومتعلم کو کی جاتی رہی ہے۔

حضرت بڑے ہیں، ان کے خصائص پر تو کوئی صاحبِ نظر ہی کچھ لکھ سکتا ہے، ہم حقیروں نے تو اپنی کوتاہ نظر سے جو دیکھا واقعات واحوال کا ایک حصہ امانت سمجھ کر جمع کر دیا **"رُبَّ مبلغ أوعی من سامع"**۔ خدا کرے مجھ بے مایہ کے کسی جملہ سے حضرت والا کی شان عالی پر کوئی حرف نہ آئے!

اللہ حضرت کو صحت وعافیت سے ہم کنار کرے، وہ ایک بڑے مرض میں کئی سال سے مبتلا ہونے کے باوجود اتنے پُرعزم وپُرحوصلہ وبے خوف اور پُرنشاط نظر آتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر مصائب کی موجِ بلاخیز سے مسکراتے ہوئے ٹکرانے اور زندہ رہ کر زندگی گزارنے کا سبق ملتا ہے، اللہ ہمیں بھی ان عالی صفات اور بلند حوصلگی سے کوئی حصہ عطا فرمائیں۔ آمین!

دلِ دردمند اور زبانِ ہوش مند کا حسین امتزاج

بقلم
حضرت مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب مدظلہٗ
مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذی وحبیبی مفکر ملت، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی حیات مبارکہ کے چند گوشے ہمارے مکرم ومحترم جناب مولانا ادریس صاحب کوسمبا (معروف بہ علامہ) نے تحریر فرما کر بندہ کو ارسال کئے، الحمدللہ! مولانا نے بہت تفصیل سے بہت اچھے انداز میں حضرت مفکر ملت کی تعلیمی، تربیتی واصلاحی خدمات کو اجاگر کیا ہے، یقینا یہ ایک شاگرد کے اپنے مشفق ومربی استاذ کے بارے میں تحریر کردہ جذبات وحقائق ہیں۔

ہم ہندوستانی خاص کر کے اہل گجرات کی یہ عادتِ مستمرہ ہے کہ کسی شخصیت کی زندگی میں ان کے کارناموں کو ذکر کرنا معیوب سمجھتے ہیں، ان کے انتقال کے بعد ہی ذکر خیر ہوسکتا ہے، جب کہ ان سے استفادہ کا ظاہری دروازہ بند ہو چکا ہو، پھر وہ کاغذ کی زینت ہی بن سکتا ہے، بعد میں ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس جامع کمالات شخصیت سے ہم ملاقات واستفادہ نہ کر سکے، گجراتیوں کی اس سردمہری کا "یادایام" کے مصنف حضرت مولانا سید عبدالحیؒ رونا رو چکے ہیں، لیکن ابھی بہت سوں کو رلا کر ہی ہم دم لیں گے۔ **وإلی اللہ تعالی المشتکی!**

مولانا ادریس صاحب نے اس ناچیز کو بھی حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم سے تعلق کی نسبت پر خامہ فرسائی کا حکم فرمایا، یقینا مفکر ملت دامت برکاتہم کی شفقتیں وعنایتیں اس عاجز پر زمانۂ طالب علمی سے لے کر آج تک مختلف ومتنوع حیثیتوں سے مسلسل جاری ہیں، ایک مشفق ومربی باپ جیسے اپنی اولاد کی بچپن سے لے کر

جوانی اور کہولت میں بھی مسلسل فکر رکھتا ہے، اسی طرح حضرت دامت برکاتہم نے اپنی صلبی اولاد سے بھی زیادہ اپنی علمی وروحانی اولاد کی فکر کی ہے، آپ کے ہر ایک شاگرد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت کو مجھ سے بہت قریبی تعلق ہے، آپ دامت برکاتہم کی وسیع المشربی نے اپنے فیض اور تعلقات کو ''فلاحِ دارین'' تک ہی محدود نہیں رکھا بل کہ کسی بھی ادارہ کے فارغ علمائے کرام کی تصنیفی، تالیفی یا تدریسی خدمات کو حضرت دامت برکاتہم نے بہت کشادہ دلی وخندہ پیشانی سے سراہا ہے۔

کئی نوجوان علمائے کرام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہماری چھوٹی بڑی علمی خدمات کو ہمارے اساتذۂ کرام سے بھی زیادہ حضرت دامت برکاتہم نے سراہا اور مجمع کے سامنے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، کتنے نوخیز مصنفین نے مجھے یہاں تک کہا کہ ہماری علمی خدمات کو حضرت دامت برکاتہم کے حوصلہ افزا کلمات نے ہی قائم ودائم رکھا ہے، ورنہ گجرات جیسے حوصلہ شکن ماحول میں؛ جہاں ہماری تالیف کی تعریف وتوصیف تو بہت دور رہی کتاب ملنے پر وصول یابی کی اطلاع تک نہیں دی جاتی، ملاقات کے موقع پر بھی بھول سے تذکرہ تک نہیں ہوتا، وہاں حضرت جیسے مشفق عالم دین ہماری اتنی قدر کرتے ہیں کہ آپ کی ملاقات کے بعد ساری حوصلہ شکنیوں کو فراموش کر کے ہم تازہ دم ہو جاتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کوئی کام کر رہے ہیں۔

ایسے مشفق ومربی استاذ محترم کی کرم فرمائی میں میں کیا لکھوں؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری صلاحیتوں اور صفات سے نوازا ہے، ان میں ہم طالب علموں کے لیے جو سب سے بڑی فائدہ مند علمی منفعت والی چیز ہے، وہ حق تعالیٰ شانہ کا آپ کو مردم شناسی کے وصف خاص سے نوازنا ہے۔

آپ نے ماہر اساتذہ کی تلاش میں لمبے لمبے تکلیف دہ اسفار کیے اور منت سماجت کر کے ایسے لائق وفائق اساتذہ جمع فرمادیے تھے جنہوں نے فلاح دارین کو خونِ جگر اور آہِ سحر سے سینچنے میں آپ محترم کی مکمل معاونت کی اور بنیان مرصوص بن کر فلاحِ دارین کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

رئیسی دور کے آفتاب و ماہتاب ایک نظر میں:

آپ کے اہتمام کا زمانہ یقیناً فلاح دارین کا رئیسی دور تھا اور طلبہ میں علمی رسوخ اور ٹھوس صلاحیت پیدا کرنے کے لیے تاسیس وبنیاد تھا، جو آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب سے جگمگا رہا تھا، ایک طرف دارالعلوم کے شیخ الحدیث وصدر مفتی حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ کی قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ ودل نشیں تقریر ہورہی ہوتی تو دوسری طرف وہی مفتی صاحب دوپہر کو شامی، عالمگیری اور بدائع وغیرہ سے قیمتی فقہی جواہر پارے چن کر عوام کی دینی ضروریات وتشنگی بجھارہے تھے، اسی طرح قلم وقرطاس کی دنیا اور تصنیف وتالیف کے میدان میں مسلمان عورت، مختصر شمائل ترمذی، مصائب کے اسباب اور ان کا علاج، احکام المساجد، سودی معاملات، سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات جیسی مختلف مضامین پر مشتمل کتابیں لکھنے کے ساتھ متنوع سماجی خدمات اور معاشرہ میں پھیلی منکرات وبدعات وغیرہ کے سلسلہ میں گجراتی مسلمانوں کی علمی وعملی رہ نمائی میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نمایاں خدمات ادا کررہے تھے اور بہت پیش پیش تھے۔

"فلاح دارین" کے پہلے شیخ الحدیث محدث عصر حضرت مولانا تقی الدین ندوی صاحب مظاہری دامت برکاتہم جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں، بذل المجہود کی نشر واشاعت میں شریک کار بھی رہے ہیں، آپ نے فلاح دارین میں قیام کے دوران کئی قیمتی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں اور اطراف واکناف میں وعظ وتبلیغ کے ذریعہ خوب فیض پہنچا کر فلاح دارین کا تعارف کروایا۔

اس وقت بھی آپ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی کتابوں کو شان دار طباعت اور بہترین حواشی سے مزین کر کے علما، محدثین اور تخصص فی الحدیث الشریف کے طلبۂ عزیز کی خدمت میں قیمتی مواد پیش کر رہے ہیں، حضرت مفکر ملت کے ساتھ آپ کا بہت قریبی تعلق ہے اور مفکر ملت کی برکت سے ہم طالب علموں کو حضرت مولانا تقی الدین صاحب حفظہ اللہ کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملتا ہے۔

دار العلوم ماٹلی والا کے تخصص فی الحدیث کے شعبہ اور اس شعبہ کے ماتحت شائع ہونے والی کتابوں کے سلسلے میں حضرت مولانا تقی الدین صاحب دامت برکاتہم سے حضرت مفکر ملت کے واسطے سے ہی ملاقات ہوئی اور آپ نے تخریج حدیث کے سلسلے میں بہت مفید مشوروں سے نوازا۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء!**

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ "ہدایہ آخرین" جیسی ادق ومشکل کتاب کے مسائل کی گتھیاں سلجھا رہے تھے تو ترمذی شریف کے درس میں حدیث شریف کی تشریح کے ساتھ اختلاف ائمہ کی وضاحت بھی بڑے نرالے انداز میں فرما رہے تھے۔

اسی طرح ان دونوں بزرگوں کے جلو میں تفسیر وحدیث کے نکات واسرار کے شہنشاہ اور رازی، غزالی وآلوسی کے علوم کے محافظ حضرت مولانا سید ابراراحمد صاحبؒ اپنی علمی ضیا پاشیوں سے درس گاہ کو منور کررہے تھے، اپنے فصیح وبلیغ عالمانہ وخطیبانہ کلام سے عوام وخواص سب میں یکساں مقبولیت پائے ہوئے تھے، عوامی خطاب کے بعد دیر رات واپسی کے باوجود علم ومعرفت کے یہ امین صبح کے اسباق میں ہشاش وبشاش ہوکر علوم وعرفان کی ایسی بارش برساتے کہ رات کی بیداری کا کسی کو احساس تک ہونے نہیں دیتے، عوام سے ان کا تعلق طالبان علوم نبوت ومہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی سرگرمیوں میں ذرہ برابر رکاوٹ نہیں بنتا اور نہ درس گاہ میں غیر درسی مضامین سے طلبہ کی امانت میں خیانت کا سوال پیدا ہوتا۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء!**

مختلف صلاحیتوں اور اوصاف کے حاملین اساتذہ کے درمیان اپنی ایک امتیازی شناخت کے مالک استاذ محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ بھی تھے، فلاح دارین کی قریب نصف صدی پر محیط علمی خدمات میں حضرتؒ نے اپنی زندگی کے ۴۴ سال وقف کردیے، طلبہ کی علمی وعملی، تحریری وتقریری، ثقافتی وتربیتی غرض ہر نوع کی ترقی کے لیے اپنے آپ کو پگھلا دیا، تحقیقی وٹھوس تدریس کے ساتھ نظامت کو بھی سنبھالا اور انتظامیہ اور مدرسین کے درمیان **"قنطرۃ الوصل"** کا کام انجام دیا۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب گورا (دیسائی) کو کیسے بھول سکتے ہیں، مسلسل مطالعہ اور ان تھک محنت کے ساتھ سبق کا حق ادا کرنا اور طلبہ کی معلومات میں زیادہ

سے زیادہ اضافہ ہو اس کی فکر کرنا آپ کا خصوصی امتیاز تھا، تواضع وانکساری کا یہ عالم کہ اگر کسی جگہ تسامح ہو جائے اور طلبہ کی طرف سے اشکال ہو تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

امام النحو حضرت مولانا قاسم صاحب آنتی دامت برکاتہم کو کیسے بھول سکتے ہیں، جنہوں نے ہمیں اردو وعربی عبارات صحیح پڑھنے کا سلیقہ سکھایا، حسن اتفاق کہ جس سال ہم عربی اول میں آئے مفکر ملت نے حضرت مولانا کو عارضی طور پر دوبارہ فلاح دارین میں تدریس کے لیے راضی کر لیا اور آپ نے چار سال قیام فرمایا، جو ہماری نحو پڑھنے کی مدت تھی؛ چناں چہ نحو کی تمام کتابیں آپ سے ہی پڑھنے کا موقع ملا، ہمارے والد محترم سے توحیدی مزاج کی مناسبت سے حضرت کی تشریف آوری غریب خانہ پر ہوتی رہی اور استفادہ کا موقع بھی ملتا رہا، پھر جب سے حضرت کا مستقل قیام کنتھاریہ میں ہو گیا تو الحمد للہ وقتاً فوقتاً آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے، آپ کی تواضع وانکساری اور ذرہ نوازی کا حال یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں بندہ سے رائے طلب کی جاتی ہے، حالاں کہ پھر خود آپ اس پر مجھ سے زیادہ عمدہ طریقہ سے تجزیہ فرماتے ہیں، آپ کی مجلس باغ وبہار ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ آپ کے سایۂ عاطفت کو بھی قائم ودائم رکھے۔ آمین!

استاذ محترم حضرت مولانا ایوب صاحب اٹالوی سورتی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی اسلاف کا نمونہ ہے، آپ محترم کے اسباق میں اللہ تعالیٰ شانہ نے عجیب برکت عطا فرمائی تھی، آپ کی تمام کتابیں وقت پر ختم ہو جاتی تھیں، ہدایہ جیسی

مشکل وقانونی کتاب کس طرح نصاب تک پہنچ جاتی تھی اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا، جب کہ کتاب سے متعلق تمام ابحاث وضاحت کے ساتھ بیان ہوتی تھیں، انتہائی متانت وسنجیدگی سے آپ کا درس ہوتا تھا، تفہیم کا انداز بھی نرالا ہوتا تھا۔

ولیٔ کامل عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قاری انیس احمد صاحبؒ اپنی خداداد صلاحیتوں سے شعبۂ تجوید وقراءات میں نئی جان ڈالے ہوئے تھے، ہر چہار سمت (ہندوستان سے سوڈان تک) قراءات سبعہ وعشرہ کی گونج سنائی دیتی، طلبہ ذوق وشوق سے صبح وشام حضرت قاری صاحبؒ کی درس گاہ اور حجرہ میں حاضری دے رہے تھے، حضرت کے بھولے پن کا فائدہ اٹھانے والے بھی اپنے اپنے کرتب دکھا رہے تھے اور یہ اللہ پاک کا بندہ ملاجیونؒ کی طرح ہر بات سچی مانتا جارہا تھا۔

کسی بھی مدرس کی تدریسی کامیابی یہ ہے کہ متعلقہ اسباق سے اس کو ذاتی دلچسپی ہو، وہ اس کو ذوقی ووجدانی کیفیت سے پڑھاتا ہو، اس فن میں اس کو کمال حاصل ہو، محض رسمی وقت گزاری نہ ہو، نیز تفہیم کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہو تو پھر وہ اپنے طلبہ کو مکمل طور پر مطمئن کرسکتا ہے۔

الحمدللہ! فلاح دارین کے ہمارے ان اساتذۂ کرام میں سے ہر ایک کو ہم نے اسی ذوق ووجدان اور فنی کمال والا پایا، ہر ایک کا اپنا ایک نرالا انداز تھا۔

یہ سب کمال ہے اللہ پاک کے اس نیک وصالح بندے (رئیس الجامعہ) کا جو اپنی محنت اور اخلاص کے ساتھ فلاح دارین کو سینچنے میں مختلف رنگ وبو والے گلوں کو چن چن کر جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔

حضرت کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی استاذ صاحب رخصت پر ہوں تو آپ طلبۂ عزیز کو دفتر میں بلاتے تھے، اس وقت کتاب کے متعلق معلومات کے علاوہ استعداد بنانے کے جوگر بتاتے تھے وہ یقینا بہت قیمتی تجربات ہوتے تھے، طالب علم کو آپ کے درس سے توانائی ملتی تھی، اس کی بیٹری چارج ہوجاتی تھی اور کئی دنوں تک نئے حوصلے واُمنگ کے ساتھ مطالعہ وتکرار میں لگا رہتا تھا، طلبۂ عزیز کی صرف مدرسہ کی چہار دیواری میں ہی آپ نے نگرانی ورہ نمائی نہیں فرمائی؛ بل کہ فراغت کے بعد بھی ان کی مسلسل فکر رکھتے ہیں، ان کا تفقد کرتے ہیں، اچھی کتابوں کی طرف رہ نمائی کرنا، معلومات کے تبادلہ کی کوشش کرنا اور اس سلسلہ میں متعدد بار علما کو خطوط کے ذریعہ جوڑنے کی کوشش بھی شامل حال ہے، بندہ کے نام ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو کینیڈا سے لکھے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”بندہ نے ترکیسر عریضہ لکھا تھا کہ ارباب ذوق اساتذہ کی ایک انجمن بنائی جائے، ماہ دو ماہ میں مختلف جگہ جمع ہوں اور نئی کتابوں سے مضامین کے بارے میں تبادلۂ خیالات کریں، ایک دوسرے کو اچھی کتابیں پہنچائیں، ”مجلس ارباب ذوق“ یا ”مجلس اخوان الصفا“ نام رکھا جاسکتا ہے۔“

ایک دوسرے خط (۱۲/جون ۲۰۰۱ء کینیڈا) میں تاریخی معلومات لکھتے ہوئے اس قسم کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں، تیسرا خط ۱۲/اگست ۲۰۰۱ء کا لکھا ہوا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”......الحمد للہ! ہمارے بھروچ ضلع کے مدرسوں میں بعض اساتذہ علمی ذوق کے ہیں، جمبوسر، کنتھاریہ، بھروچ، کھروڈ، ہانسوٹ، ترکیسر، راندیر اور ڈابھیل کے

ایسے باذوق اساتذہ اپنی ایک انجمن قائم کریں اور ماہ دو ماہ میں ایک مجلس ہو جس
میں علمی موضوعات نیز کتب جدیدہ پر تبادلۂ معلومات ہوں تو بہت فائدہ ہوگا۔“

ان دونوں خطوط سے حضرت کا فارغ شدہ طلبۂ عزیز کے ساتھ علمی ربط وتعلق اور ان کی معلومات میں اضافہ ہو، اس کی فکر اور اس سلسلہ میں وہ کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتے تھے؛ لیکن فارغین کی طرف سے سرد مہری دیکھ کر آپ نے خود ہی چند ماہ پہلے ایک علمی مجلس منعقد کروائی اور اس میں گجرات بھر کے مدارس اسلامیہ کے اساتذۂ کرام اور ذمے داروں کو مدعو فرما کر ایک باقاعدہ کمیٹی بنوائی اور ان کی ذمے داری کے خطوط اربعہ طے کرتے ہوئے پھر دوبارہ جمع کیا اور شدید بیماری کے باوجود اس میں بڑی جگر سوزی کے ساتھ احساس ذمے داری کی طرف توجہ منعطف کرائی۔

طلبہ میں مطالعہ کا ذوق کیسے پیدا ہو اور انحطاط کے اسباب کیا ہیں؟ اس پر غور وخوض کے لیے تقریباً ۲۰۰۹ء میں مسجد عائشہ کاپودرا میں ایک بڑی مجلس کا انعقاد کیا گیا تھا، اسی طرح چند سال پہلے ایک مجلس کا انعقاد کر کے مدارس گجرات کے اساتذۂ کرام کو تدریسی اصول وتربیتی نظام وغیرہ سمجھائے گئے، انفرادی مجالس میں بھی آپ کی مسلسل یہ کوشش رہتی ہے کہ مدارس کے فضلا اپنے اوقات عزیزہ وغالیہ کو زیادہ سے زیادہ بار آور ثابت کریں، باہمی علمی اتحاد واتفاق اور تعارف وتناصر کا جذبہ قائم و دائم رکھیں، افراد سازی کی مہم تیز تر ہو، اس عنوان پر مختلف بہانوں سے علمائے کرام کو مدعو کرنا، ان کی خاطر خواہ مہمان نوازی کرنا، کاپودرا میں شان دار کتب خانے کی قیمتی عربی واردو کتابیں مدارس کے اساتذہ کو مطالعہ کے لیے عنایت فرمانا وغیرہ امور

آپ کی کشادہ دلی کے ساتھ اندرونی کڑھن اور ایک عظیم مقصد کی بیّن دلیل ہیں۔ مدرسین کے مسائل میں بھی مشورہ کرنے پر صحیح معقول بات کی رہ نمائی کرنا، انتظامیہ کے ساتھ تعاون، طلبۂ عزیز کی علمی ترقی کی فکر وغیرہ چیزوں کی طرف توجہ منعطف کرانا ہوتا ہے تو انتظامیہ کے آنے پر اساتذہ کے ساتھ ہمدردی اور ان کی ضروریات کا لحاظ کرنا وغیرہ باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس طرح اس وقت الحمدللہ! گجرات کے سارے مدارس علمی، عملی، تربیتی وروحانی نقطۂ نظر سے حضرت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، روزانہ کسی نہ کسی مدرسہ کے اساتذہ یا ذمے داران بل کہ دوسرے دینی ملی، سماجی، رفاہی، سیاسی اور اسکول کالج سے وابستہ تعلیمی حضرات بھی مفکر ملت کی خدمت میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں، مجھے تو حضرت کی طرف سے ان کی مہمان نوازی کا منظر دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ حضرت کے گھر کی مستورات کی یہ بہت بڑی قربانی ہے اور ساتھ میں حضرت کی طرف سے بھی مالی خرچ برداشت کرنا آج کی مہنگائی کے دور میں بہت بڑا ایثار ہے۔ آج کی دنیا تجارتی سوچ والی ہے، نفع نقصان کا تخمینہ لگا کر کسی پر خرچ کیا جاتا ہے، وہیں پر جان ومال اور وقت کو خالصۃً لوجہ اللہ خرچ کرنا بڑی اولوالعزمی کی بات ہے اور **"إنما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاءً ولا شكورًا"** کی عملی تفسیر ہے۔

دارالعلوم فلاح دارین:

جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح حضرت کا فلاح دارین کے ساتھ تعلق ہے، فلاح دارین اینٹ، ریت اور پتھر کی بلڈنگ کا نام نہیں ہے بل کہ

وہ ایک زندہ، متحرک، علمی اور عملی تربیت گاہ ہے، جس کو آپ نے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے سینچا ہے، اس کے ایک ایک کل و پرزے کو درست کرنے اور اس کے گیسُو کو سنوارنے میں آپ نے اپنی حیات مستعار کے اوقات عزیزہ صرف کیے ہیں، فلاح دارین کے درودیوار اور شجر وحجر کا ہر پتہ وذرہ آپ کی خدمت ومحنت کا شاہد ہے۔ آپ ہر وقت طلبہ، اساتذہ وکارکنان کو ہر طرح کی راحت فراہم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ آپ نے سردی، گرمی اور ناخوش گوار حالات کا مقابلہ کر کے دارالعلوم کو ترقی دینے، اس کے گیسو اور نوک و پلک درست کرنے اور اس کو ترقی کی معراج پر پہنچانے کے لیے اپنی ذات وقف کردی تھی۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی ادارہ صرف ایک دو آدمیوں کی محنت سے ترقی نہیں کرسکتا، اس کے مختلف شعبہ جات میں ایک مشین کے مختلف کل پرزوں کی طرح مختلف صلاحیت واستعداد رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، فلاح دارین بھی تنظیمی وتعمیری ترقی کے ساتھ تعلیمی وتربیتی ترقی میں ایسے بہترین باصلاحیت، اعلی استعداد رکھنے والے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات سے مالا مال رہا جنھوں نے اپنے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے ادارہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

ان اساتذۂ کرام کا میں تذکرہ کرچکا ہوں، یہ حضرات اساتذۂ کرام آپ کے ہم دم وہم راز بن کر ہر نشیب وفراز اور ترشی وتلخی اور ہر آزمائش میں شانہ بشانہ ہوکر معاصرین واخلاف کے لیے ایثار وقربانی اور وفاداری کا ایک نمونہ قائم کرگئے۔

راوت فیملی کے ساتھ تعلقات:

فلاح دارین کی علمی، عملی وتربیتی ترقی میں جس طرح حضرت مفکر ملت نے اپنے مخلص اساتذۂ کرام کے ساتھ مل کر اس کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا، اسی طرح اس کے ظاہری ومعنوی حسن کو دوبالا کرنے میں راوت فیملی کا بھی بڑا اہم کردار رہا ہے۔ ''فلاح دارین'' کی پچاس سالہ تاریخ میں اس کی تعمیری وبنیادی ضروریات فراہم کر کے اس کو ترقی دینے میں راوت فیملی نے قائدانہ کردار ادا کیا ہے، ہندوستان سے ہزاروں میل دور رہنے کے باوجود ''فلاح دارین'' ان کے دل کی دھڑکن تھی اور ہے کسی خاندان کو مسلسل پچاس سے زیادہ سال تک اپنے دین متین کی حفاظت کے لیے منتخب کرنا یہ ان کی عند اللہ تعالیٰ مقبولیت کی دلیل ہے۔

لبیک قولِ ما است:

اس فیملی نے دار العلوم کی تمام مالی وانتظامی ذمے داریاں سنبھال کر حضرت مفکر ملت کو تعلیمی کام کے لیے فارغ کر دیا اور آپ نے یکسوئی سے تعلیمی وتربیتی کام کو آگے بڑھایا، اس دوران مفکر ملت کو بہت سارے مواقع پر ناگفتہ بہ حالات سے نبرد آزما ہونا پڑا تو راوت فیملی حضرت کے ساتھ بنیان مرصوص بن کر جمی رہی اور ایسے نامساعد حالات میں حضرت کو تسلی دی، ہزاروں میل کا سفر کر کے اپنے کاروبار اور بال بچے چھوڑ کر حضرت کی دل جوئی کے لیے حاجی یوسف اور حاجی موسیٰ راوت صاحبان آتے رہے، ہم فلاحی برادری راوت فیملی کے ممنون ومشکور ہیں کہ ہماری علمی وعملی زندگی میں انہوں نے ہمیں ظاہری اسباب کا محتاج نہیں بننے دیا۔ راوت فیملی نے

حسن تدبیر وسلیقہ مندی اور خلوص عمل سے فلاح دارین کو مالیات کی ہر قسم کی فکروں سے مستغنی بنا کر ایک حد تک خود کفیل کر کے مالیات کے نظام کو مزید مستحکم کر دیا۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ:

میں نے مفکر ملت کو بار بار حاجی یوسف اور حاجی موسی راوت کا تذکرۂ خیر کرتے سنا۔ آپ نے ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف ہی نہیں کیا؛ بل کہ اس فیملی کے ہر فرد کو اپنا عزیز سمجھا۔ چند دنوں پہلے میری حاضری ہوئی تو فرمایا کہ راوت فیملی کا مدرسہ میں رہنا بہت ضروری ہے اور مولانا خلیل صاحب راوت کے صاحب زادے سلمہ کا خصوصی ذکر کیا کہ میں ''فلاح دارین'' میں ان کی تدریسی خدمت سے بہت خوش ہوں۔

فلاحِ دارین کا نصاب:

حضرت مفکر ملت نے ''فلاح دارین'' کے نصاب کی تعیین میں جس فکری اعتدال اور عصر حاضر کی ضروریات ومقتضیات کا لحاظ فرمایا اور طلبۂ عزیز کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے والے متبحر وتجربہ کار اساتذۂ کرام کو تلاش کر کے جمع کیا، یہ آپ کا ہم طلبہ کے ساتھ بہت بڑا احسان ہے، آپ نے ہمیں ایک فکر عطا فرمائی، تصلب فی الدین کے ساتھ عصری ضروریات، لسانیات اور مختلف فنونِ جدیدہ کا اضافہ کیا اور ایک متحرک زندہ نصاب سے ایک بہترین ٹیم تیار کی، آپ کے حسنِ عمل، ذہنی فکر، دلِ دردمند اور زبانِ ہوش مند کے نتیجہ میں جو افراد تیار ہوئے وہ الحمدللہ تعالیٰ اپنے اپنے دائرۂ عمل میں بہت کامیابی سے خدمات انجام دے رہے ہیں، نصاب کی کچھ جدت

نے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مضامین کے حصول میں کوئی خلا نہیں محسوس ہونے دیا، عربی زبان کی مسلسل محنت اور نئے اسالیب عربیت نے طلبہ کی علمی صلاحیتوں میں اضافہ کیا۔ وہ سطحیت جس کا خطرہ دیگر اداروں کے تجربہ سے لوگوں نے محسوس کیا تھا، الحمدللہ تعالیٰ ''فلاح دارین'' میں علیا کے بہترین صلاحیت والے اساتذۂ کرام کی اَن تھک محنت اور حضرت مفکر ملت کی اس طرف خاطر خواہ توجہ نے اعتدال کے ساتھ تمام علوم وفنون میں یکساں بار آوری فرمائی۔ اسی طرح تجوید و قراءت جس کا قرآنی علوم میں سے ہونے کی وجہ سے حق بھی بنتا تھا، اس کو بھی آپ نے اس کا صحیح حق دلوانے میں بہت محنت فرمائی، آج جب کہ سارے مدارس میں اس کی اچھی فضا بن چکی ہے اور ماحول بڑا ساز گار ہے، میری یہ بات اتنی اہمیت نہیں رکھتی ہے ؛ لیکن اُس وقت قراءاتِ سبعہ متواترہ کے سلسلے میں لوگوں کی زبانیں جہالت عن القرآن وعلوم القرآن کا ثبوت پیش کررہی تھیں- اور حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم عربی زبان اور تجوید وقراءت کے سلسلے میں مدارس اسلامیہ کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے- ہر سنی سنائی بات آپ کی طرف منسوب کرکے پھیلائی جارہی تھی، لیکن آپ نے صبر وثبات سے اس کا مقابلہ کیا اور آج وہی چیزیں مدارس کے لیے باعث افتخار بنی ہوئی ہیں۔ **تلک الأیام نداولها بین الناس!**

عمومی تعلیمی دل چسپیاں:

حضرت مفکر ملت نے تعلیمی بیداری کے عنوان سے نصاب تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ نظام تعلیم وطریقۂ تدریس پر بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے، چناں چہ

۲۸ ذی قعدہ بروز جمعرات ۱۴۲۹ھ کاپودرا میں ''مجلس تعلیمی گجرات'' کی زیر نگرانی بڑے مدارس کے اساتذۂ کرام نے شرکت فرمائی، اس موقع پر حضرت مفکر ملت نے جو تاریخی خطاب فرمایا اس میں بہت ہی قیمتی مواد اساتذہ وطلبہ اور منتظمین کے لیے جمع فرما دیا، ہم نے اس خطاب اور اس میں اساتذۂ مدرسہ کی طرف سے پیش کی جانے والی آرا کا گجراتی ترجمہ کر کے دار العلوم ماٹلی والا سے شائع ہونے والے گجراتی پرچہ ''پیغامِ رحمت'' میں شائع کیا تو بہت سارے احباب نے اس پر تحسینی کلمات فرمائے، دعوت وتبلیغ کے ذمے دار علمائے کرام خاص کر کے حضرت مولانا اسماعیل گودھروی صاحب دامت برکاتہم، مولانا عثمان کاکوسی صاحب دامت برکاتہم وغیرہ نے اس کو بہت غور سے پڑھا اور ہمارے ایک رشتہ دار نے حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولوی دامت برکاتہم کو بھی پڑھ کر سنایا تو حضرت نے بھی اس کو بہت ہی سراہا اور اس کی ضرورت واہمیت ذکر فرمائی، اس کے بعد یہ فکر انگیز خطاب المعہد الاسلامی مانک مئو سہارن پور سے اردو میں شائع ہوا اور اس کا عنوان ''تعلیمی، تدریسی اور فکری بیداری فنی اساتذہ کرام ہی پیدا کر سکتے ہیں'' رکھا گیا۔(۱)

اسی طرح مکاتب کے اساتذۂ کرام کو جمع کر کے ایک خطاب باٹلی (U.K.) شہر میں فرمایا، اس کو بھی ''پیغام رحمت'' میں گجراتی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا، بعد میں مولانا رشید احمد ندوی خان پوری صاحب نے ہماری اجازت سے اس کو کتابی شکل میں شائع کروایا۔

---

(۱) اب یہ خطاب صدائے دل جلد چہارم میں شاملِ اشاعت ہو چکا ہے۔

حضرت کا لقب ہی ''مفکر ملت'' ہے جو اسم با مسمیٰ ہے، کیوں کہ آپ امتِ مسلمہ کے تمام طبقات کے دین کی فکر کرتے ہیں، خصوصا مدارس، مکاتب کے ساتھ آپ کو اسکول کالج کے مسلم طلبۂ عزیز و اساتذۂ کرام کی بھی بہت فکر دامن گیر رہتی ہے۔

اس کے لیے آپ وقتا فوقتا اسکول کے طلبہ و اساتذہ کے سلسلے میں لکھتے رہتے ہیں، نیز بیانات میں بھی ان کی رہ نمائی فرماتے ہیں۔

لارڈ میکالے کے لادینی نظام تعلیم کے تدارک کے لیے آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ گجراتی زبان میں شائع فرمایا ہے، جو در حقیقت سورتی سنی وہورا کمیٹی کی ۲۵ ؍سالہ تقریب کے موقع پر آپ کا دیا ہوا خطاب ہے، اسی طرح اس وقت کی حکومت نے جو نیا تعلیمی نظام و پالیسی پیش کی ہے اس سے بھی آپ بہت فکر مند ہیں، چناں چہ حضرت کے ایماء پر ہی بندہ نے اسکول کی پانچویں کلاس سے لے کر بارہویں تک کے نصاب کا مطالعہ کیا اور اس میں جو چیزیں عقائد، تاریخ، فلسفہ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات اور اصول قانون کے عنوان سے پڑھائی جاتی ہیں، ان میں اسلام کے خلاف نظریات یا ان میں اسلامی نقطۂ نظر کا ذکر نہ کرنا ایک مسلمان طالب علم اور استاذ کو ذہنی و قلبی طور پر پریشان کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سلسلے میں اسلام کوئی رہ نمائی ہی نہیں کرتا ہے، جب کہ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات میں اس کا بدل یا اس کا حل موجود ہوتا ہے۔

اس کے تدارک کے لیے بندہ نے عقائد، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات اور اصول قانون کے موضوع پر گجراتی میں کتابیں لکھنے کا آغاز کیا

ہے اور الحمد للہ تعالیٰ عقائد، تاریخ اور اقتصادیات کے موضوع پر کتابیں تیار ہو چکی ہیں اور دیگر موضوعات پر بھی کام چل رہا ہے۔ **الحمد للہ تعالیٰ علی ذالک!**

اس سلسلے میں حضرت مفکرِ ملت نے ایک کتاب ''مسلم سائنس دانوں کی گراں قدر سائنسی خدمات'' کا گجراتی ترجمہ مولانا فرید بیگ فلاحی صاحب سے کروا کر دوبارہ اس کو شائع کروا کر مختلف اسکول کے ٹیچروں کو پہنچایا ہے۔

مختلف علوم وفنون میں ہمہ جہتی وافراد سازی:

حضرت مفکر ملت کی ایک بہت بڑی خصوصیت افراد سازی کی ہے، آپ نے فلاح دارین میں قیام کے دوران اس بات کا بہت خیال رکھا کہ جس طالب علم میں جس فن کی صلاحیت ہو اس کے مطابق اس کو آگے بڑھایا جائے، دیوبند، سہارن پور، ندوہ وغیرہ میں طلبۂ عزیز کو ان کی فنی صلاحیت وذوق (حدیث، تفسیر، فقہ، ادب) کے اعتبار سے بھیجنے کی کوشش کی؛ تاکہ ہمارے مدارس کے لیے رجال کار تیار ہوں، قاری محمد صدیق صاحب جب فارغ ہوئے تو وہ آگے پڑھنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں؛ تمہیں آیندہ سال یہاں پڑھانا ہے۔ قاری صاحب نے عرض کیا کہ قاری انیس صاحب کی موجودگی میں کیسے پڑھا سکتا ہوں تو مفکر ملت نے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں ہی پڑھانا ہے تاکہ آپ کو کوئی اشکال ہو، کوئی عبارت حل کرنا ہو تو قاری انیس صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں۔

قاری داؤد کو ساڑی صاحب کو پڑھانے کے لیے تیار کیا، ان کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں تھے تو ان کو کہا کہ ہم آپ کو کچھ گھنٹے پڑھانے کے لیے مقرر

کریں گے اور کچھ گھنٹے آپ قاری انیس صاحب کے پاس قراءات سبعہ عشرہ پڑھنے میں مصروف رہیں۔ اسی طرح مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی کو بھی سبعہ پڑھنے کی ترغیب دی، ان کے دو گھنٹے خالی رکھے، یہ سب اس لیے تھا کہ قراءت کے کچھ متخصصین پیدا ہوں۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ایک وفد رمضان المبارک کے مہینہ میں بنارس اور مالیگاؤں آتا تھا، بنارس سے ''فلاح دارین'' میں خط آیا کہ آپ کے مدرسہ کے کچھ طلبہ کو امتحان کے لیے بھیجیں تو حضرت مفکر ملت نے مولانا رشید دیولوی، مولانا داؤد دہگامی اور تیسرے ایک ساتھی کو بنارس جانے کے لیے تیار کیا۔ رمضان المبارک کی وجہ سے ان لوگوں نے پس وپیش کیا تو مفکر ملت نے فرمایا کہ یہ میرا حکم ہے تم کو جانا ہوگا، یہ لوگ گئے اور دیر سے جانے کی وجہ سے پچھلی نشست گاہ پر جگہ ملی، آنے والے وفد نے چند نحوی وصرفی سوالات کیے تو ان فلاحی فارغین کے علاوہ کوئی اچھے جوابات نہیں دے سکا۔ جب انہوں نے روزانہ اچھے جوابات دیے تو آنے والے وفد کے ارکان نے ان کو آگے کی نشست گاہ پر بٹھایا اور پھر **قطر الندیٰ وشرح شذور الذھب** کے کچھ سوالات کیے، انہوں نے بہت تشفی بخش جواب دیے تو بہت خوش ہو گئے اور ان کا جامعہ اسلامیہ کے لیے انتخاب ہو گیا۔ اسی طرح مولانا فاروق صاحب بڑودوی نے بھی مالیگاؤں آنے والے وفد کو بہترین عربی اسلوب میں اطمینان بخش جوابات دیے تو وہ حضرات بھی خوش ہو گئے اور مولانا فاروق صاحب کا بھی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہو گیا، اس سے پہلے حضرت

مولانا اقبال صاحب دیولوی اور حضرت مولانا ایوب صاحب کو ساڑی کو بھی ندوۃ العلما بھیجا، ان حضرات نے وہاں محنت کی اور ان کا بھی سعودی جانا ہوگیا، انہوں نے بھی وہاں ممتاز پوزیشن حاصل کی۔

ایک مرتبہ ’’فلاح دارین‘‘ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی آمد پر مولانا اقبال صاحب کا استقبالیہ خطبہ سن کر حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ بہت خوش ہو گئے اور اپنے خطاب میں مولانا کی عربیت کی تحسین فرمائی، اسی طرح مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی اور مولانا رشید احمد خان پوری صاحب اور مولانا ارشد اعظمی صاحب کو تدریب المعلمین کی نسبت سے ریاض بھیجا گیا۔

’’فلاح دارین‘‘ میں عربی مجلّات ورسائل جمع کر کے **"الصحافة العربية اليوم"** کے عنوان سے طلبہ کے لیے ایک خصوصی مجلس رکھی؛ تا کہ طلبۂ عزیز عالم عربی کے مجلّات وصحائف سے واقف ہوں۔ اسی طرح طلبۂ عزیز کی تحریری صلاحیت اجاگر کرنے کی غرض سے مختلف عنوانات پر مقالات ومحاضرات لکھوائے گئے، سوالات وجوابات کی مجالس منعقد کروائیں تا کہ طلبہ اس موضوع پر علی وجہ البصیرت معلومات حاصل کرسکیں۔ حفظ حدیث کا سلسلہ شروع کروایا گیا تا کہ طلبۂ عزیز کو روایات کا ایک ذخیرہ زبانی یاد ہو۔

اسی طرح طلبۂ عزیز کے لیے مدینہ منورہ میں داخلہ کی محنت اور متعلقہ محکمات سے مسلسل رابطہ رکھنا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے خصوصی تعلقات وغیرہ چوطرفی محنت کے نتیجہ میں اللہ پاک نے کامیابی عطا فرمائی۔ یہی حال علی گڈھ یونی ورسٹی سے

تبادلہ اور فلاح دارین کے لیے اس کی منظوری حاصل کرنے کے مراحل بھی بہت محنت وپیہم کوشش کے بعد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

یہ سب طلبہ کی ذہن سازی اور ان کی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی مختلف محنتیں تھیں، ان کے علاوہ آپ ہمارے لیے کیا کیا فکریں کرتے ہوں گے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کیا کیا تدابیر کرتے ہوں گے؛ وہ تو مفکر ملت اور ان کو فکر عطا کرنے والی ذات ہی جانتی ہوگی، حق تعالیٰ شانہ اپنے دین متین کے لیے فکر کرنے والے اس بندے کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ہم کو بھی اپنے طلبۂ عزیز کے لیے اس فکر اور کڑھن کا کچھ حصہ عطا فرمائے۔ آمین!

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق:

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق نے آپ کو صاف ستھری سلجھی ہوئی بہترین عربی زبان ارتجالاً بولنے پر قدرت عطا فرمائی۔ گجرات بل کہ ہندوستان کے چند ہی مہتمم حضرات کو ہم نے بہترین عربی' اردو زبان بولنے والا پایا، آپ کو عربی کے سیکڑوں اشعار زبانی یاد ہیں، اسی طرح عربی نثر کے بھی مختلف جملے آپ کو زبانی یاد ہیں، آپ نے دیو بند سے نکلنے والے پرچے "**الیقظة**" میں جو حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کی زیر نگرانی اور حضرت مولانا عمید الزماں (رئیس التحریر) ومولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم (سیکریٹری التحریر) کی مشترکہ کوششوں سے شائع ہوتا تھا، اس میں شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق فروری ۱۹۶۱ء میں کئی مضامین لکھے ہیں، جن میں سے ایک مضمون کی چاشنی سے آپ کو بھی محظوظ کرنا چاہتا ہوں:

۔۔۔۔ونحن نعيش الآن في عهد قد تطورت فيه طرق الحياة الاجتماعية، وشاعت النظريات الجديدة، والفلسفات الغربية الضالة المضلة، وقد تفرقت الشعوب شيعا وأحزابا، فهولاء يدعون إلى اللادينية، وهؤلاء ينادون بالشيوعية، وهؤلاء يهتفون بالقومية والوطنية، وبتعبير فضيلة الأستاذ أبي الحسن علي الندوي "ردة ولا أبابكر لها"، فواجبنا أن نتسلح بسلاح جديد لمحاربتها والدفاع عن الإسلام۔ (شعبان المعظم سنة ۱۳۸۰ھ مطابق فبرائر سنة ۱۹۶۱ء)

اسی پرچہ کے ایک دوسرے شمارہ (اگست ۱۹۶۱ء) میں مولانا عمید الزماں صاحب اپنی اور حضرت مفکر ملت کی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی خدمت میں "**اليقظة**" کے سلسلے میں حاضری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد حظيت أنا وصديقي الأستاذ عبد الله السورتي بزيارة فضيلة الشيخ أبي الحسن علي الحسني الندوي في شهر ذي القعدة في مدينة "ميرتھ"، وكانت هذه هي المرة الأولى التي تشرفت فيها بزيارة سماحته، فعرفنا (أنا والأستاذ عبد الله) أنفسنا إليه فاستقبلنا الشيخ استقبالا حارًا يليق بالصغار، وأظهر لنا حفاوة زائدة، وعاملنا مُعاملة أب عطوف وأستاذ كريم ومستشار مخلص، وبالغ في إكرامنا عند ما علم أننا نقوم بإدارة اليقظة، وأعرب عن ارتياحه الكبير وسروره البالغ بإصدارنا هذه الجريدة، وشجعنا كثيرا على مواصلة هذا العمل المثمر، واستغرقت زيارته ساعة كاملة، وتحدثنا معه ووجهنا إليه بعض الأسئلة كما طلبنا إليه أن يبدي رأيه من الكتاب القديرين في مصر، كالدكتور طٰه حسين وأحمد أمين

وحسن زيات ومحمود عباس العقاد، فعلّق لنا على أسلوب كتابتهم ونقدهم، وأظهر لنا ما هي ميزات كل منهم وما يوجد في كتب بعضهم من نقص في ناحية البحث والحديث۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ دونوں بزرگوں کی خدمات کو سراہتے ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے وقیع کلمات سے نوازا، چناں چہ فرماتے ہیں:

ولكن صدور صحيفة باللغة العربية من دار العلوم ديوبند كبرى المدارس العربية في الهند حادث يسترعى الانتباه ويثير الاهتمام، ويستحق التهنئة والتشجيع، وتعقد به آمال كبار، لذلك نهنئ القائمين على شئون هذه المجلة على نشاطهم ويقظتهم، ونتمنى لهم التوفيق والنجاح۔

(أبو الحسن علي الحسني الندوي، ميرٹھ ۸۰/۱۱/۵هـ)

فضیلۃ الشیخ محمد مجذوبؒ جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے اور بعد میں ان کی ہی سعی سے فلاح دارین کا جامعہ مدینہ منورہ سے الحاق ہوا تھا، آپ نے فلاح دارین میں چند روز گزارے تھے، حضرات اساتذۂ کرام سے بھی آپ کی کئی مجالس ہوئیں، حضرات اساتذۂ کرام کے ساتھ کئی مسائل پر بحث ہوئی، اس میں ''مؤلفۃ القلوب'' کو زکاۃ دینے کے سلسلہ میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ (شیخ الحدیث) اور حضرت مولانا ابرار احمد صاحبؒ سے مباحثہ ہوا، اس کے بعد فجر میں حضرت مفکر ملت کے سامنے ان اساتذۂ کرام کی بہت تعریف وتحسین فرمائی، مدینہ منورہ جانے کے بعد حضرت مفکر ملت کی شخصیت، عربیت اور اخلاق حمیدہ وغیرہ سے

متاثر ہوکر ایک مضمون آپ کی سوانح پر لکھا، اس میں حضرات اساتذۂ کرام کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے:

وبلغ مدرسوها الواحد والثلاثين، وفيهم من يضاهي أكابر علماء العالم الإسلامي۔(۱)

فلاحِ دارین کے متعلق لکھا ہے:

"والداخل إلى ساحته لا يستطيع إلا الموافقة على قول سماحة الشيخ أبي الحسن الندوي عنها بأنها (جنتان عن يمين وشمال)، وحدث ولا حرج عن مدرسيه الراسخين في العلم، و عن طلابه النظاميين، الذين وجدنا فيهم من يستظهر الأجزاء الكثيرة من كتاب الله، ويتلوها في تجويد يكاد يزاحم به كبار المقرئين المشهورين، وهو الذي لم يبارح سن الحداثة"۔(۲)

اسی مضمون میں ایک خط شیخ مجذوبؒ نے مفکر ملت کی تعریف وتحسین اور خاص کر کے آپ کی عربیت، فصاحت وبلاغت اور معلومات کی وسعت کے متعلق لکھا ہے، یہ ایک بڑے عرب عالم اور شیخ کی شہادت علمیہ ہے، جو عالم اسلام کے ہزاروں علمائے کرام سے ملاقات کر چکے ہیں اور جن کی فلاح دارین اور حضرت مفکر ملت کی ذات سے کوئی دنیوی منفعت وابستہ نہیں تھی۔

فضیلۃ الشیخ مجذوبؒ فرماتے ہیں:

"سلام عليكم ورحمة الله وبركاته

---

(۱) علماء ومفكرون عرفتهم الجزء الثالث: ۱۰۲ (۲) أيضا: ۱۰۰

ولكم أخلص الشكر على هديتكم النفيسة (أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربية في غجرات)، وإنه كتاب قيم أتمنى لو يتاح توزيع مقادير منه على ذوي الثقافة في المواطن العربية، ليتعرفوا من خلاله جهاد الأجيال من أئمة العلوم العربية و الإسلامية في الهند، أولئک الجهابذة الذين ما انفكوا يتتابعون على إعلاء كلمة الله تحت راية القرآن والسنة، وفي حراسة اللسان المبين الذي جعله الله الوسيلة المثلى لفهمهما والاستضاءة بنورهما۔

والحق إنني لم أفاجأ بروعة المضمون ولا بسلامة الأسلوب، لأن الذي عرفته عنكم خلال الأيام المباركة التي تلاقينا بها في تركيسر وندوة العلماء، قد ملأ نفسي إعجابا بمواهبكم (وعربيتكم) و انتظام أفكاركم العميقة، لذالک كانت مطالعتي في الكتاب فرصة جديدة لاستئناف ذلک اللقاء السعيد، الذي أضاف إلى شخصكم الكريم صحبة العشرات من فضلاء الأمة الذين كان لهم النصيب الأوفى من الفضل في الدعوة إلى الوحيين، وفي إعطاء العربية موطنا جديدا أتخرج فيه الأكبرون من حماة الفصحى وآدابها۔

وحسب الكتاب بعد ذلک أن يضع بين يدي طلبة العلوم الإسلامية فيضا عَمَمًا من المعرفة في صفحات محدودة دون المئتين عددا، ومن أولى ثمراتها أن تزيد وشائج الأخوة بين مسلمي الهند والربوع العربية قوة وتوثيقا۔ وقد قدح جهدكم المبرور في نفسي خاطرة، وددت لو تجد قبولا لدى أولي الفكر والأدب لا في الهند فقط بل في مختلف ربوع الإسلام۔

لقد وفيتم حق غجرات بما عرضتم من وجوه إسهاماتها في نطاق

الحضارة الإسلامية على مر العصور، فرأينا مواكب العلماء والحكام الصالحين والمنشآت العلمية على اختلاف مستوياتها، ولم تغفلوا الحديث عن لغتها وتفاعلها مع لغة القرآن العظيم ـــ وما إلى ذالک من ألوان النشاط الذي كان له مردوده الملموس في عالم الفكر الإسلامي على امتداد أمكنته وأزمنته ـــ فجزاكم الله خير ما يستحق هذا الجهد من بركاته۔"(۱)

فضیلۃ الشیخ مجذوبؒ کا مضمون بارہ صفحات پر مشتمل ہے، طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کرسکتا ہوں، اس میں انہوں نے حضرت مفکر ملت کی سوانح کا پورا خاکہ، آپ کی شخصیت، اخلاق واعمال اور فلاح دارین کے شب وروز وغیرہ پر ایک ماہر نفسیات کے انداز میں بہت طویل کلام کیا ہے، حضرت مفکر ملت کی کتاب ''الاضواء'' کے پرانہ نسخے کے سلسلہ میں یہ لکھا گیا تھا، اگر شیخ اس کے موجودہ نئے نسخے کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور اس پر مزید کلام فرماتے۔

اسی طرح چند دن پہلے مسجد نبوی شریف اور مدینہ منورہ کے استاذ فضیلۃ الشیخ حامد اکرم البخاری اور مسجد نبوی شریف کے استاذِ فقہ ومقاصد شریعت کے ماہر فضیلۃ الشیخ عامر بن محمد فداء بہجت حفظہما اللہ تعالیٰ کاپودر تشریف لائے تھے، انہوں نے بھی اپنے خصوصی خطاب میں علمی تاثرات کے ضمن میں اور نجی مجلس میں بھی جن کلمات عالیہ سے حضرت کو خطاب فرمایا یہ حضرت کی عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے، حضرت دامت برکاتہم نے بھی ان مہمانوں کا استقبال محض مدینہ منورہ کی عظیم نسبت کی وجہ

(۱) علماء ومفکرون عرفتهم الجزئ الثالث: ۱۰۶-۱۰۷

سے کیا، جنوبی گجرات کے اساتذۂ حدیث کو بھی مسلسل بالاولیت والی پُررونق مجلس میں دعوت دے کر آپ نے عرب مہمانوں کو علمائے گجرات کی خدمات سے واقف کرایا اور شان دار دعوت بھی فرمائی۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء!**

حضرت دامت برکاتہم کے علمی خطوط:

حضرت مفکر ملت نے اس ناچیز کے نام کئی خطوط لکھے ہیں، جن میں علمی حقائق، تاریخی معلومات اور جدید کتب کی جان کاری سے متعلق قیمتی باتیں ذکر فرمائی ہیں، ان کا نمونہ پیش خدمت ہے:

”عزیزم مولوی اقبال صاحب ٹنکاروی ودیگر احباب واساتذۂ کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! امید ہے کہ آپ سب بعافیت ہوں گے، بندہ محمد یوسف نجرامی کی کتاب کا مطالعہ کررہا تھا، اس کتاب کا نام ”**العلاقة السياسية والثقافية بين الهند والخلافة العباسية**“ ہے، دار الفکر، بیروت، لبنان سے طبع ہوئی ہے، اچھی دل چسپ کتاب ہے۔ صفحہ ۱۷۱ پر ”**النشاط الثقافي في بغداد**“ کے عنوان کے ماتحت یہ بات معلوم ہوئی کہ گندھار ضلع بھروچ کی لڑکیاں دار الخلافہ بغداد تک پہنچتی تھیں، جن میں بچوں کی تربیت کرنے والیاں بھی ہوتی تھیں اور گانے والیاں بھی، ان میں خمار ہندیہ بہت ہی مشہور گانے والی تھی، جو گندھار کی باشندہ تھی اور اس کو خدیجہ بنت ہارون بن عبداللہ الربیع کے دادا نے دولاکھ درہم میں خریدا تھا، اصل عبارت یہ ہے:

”وخلال دراستنا للعصر العباسي نجد النشاط الثقافي للهنود بارزا في بغداد، وقدمت إلى بغداد كثير من النساء الهنديات من السند و

غجرات بجنوب الهند، وعشن في بلاط الخلفاء، وامتلئت بهن الأسواق والندوات، ودخلن بيوت العرب كسيدات ومربّيات الأطفال ومطربات، وكانت من أشهر تلك الهنديات (خمار القندهارية)، هذه حكايتها كما روتها خديجة بنت هارون بن عبد الله الربيع أنها كانت من مدينة قندهار، اشتراها جد خديجة بمائتي ألف درهم"۔

یہ پڑھ کر مجھے یہ عنوان ذہن میں آیا:

''بھروچ کی حسینائیں بغداد کے شاہی محلات میں''

چوں کہ ایک تاریخی معلومات ہے، اس لیے تحریر کر دی جس سے بھروچ اور بغداد کے وسیع تعلقات کا پتہ چلتا ہے، **"وامتلئت بهن الأسواق و الندوات"** بتلاتا ہے کہ کثیر تعداد میں یہاں کی عورتیں بغداد جاتی تھیں اور اس طرح دار الخلافہ اور بھروچ کا مضبوط تعلق قائم ہوا، کاش کہ کوئی باہمت شخص گجرات کی قدیم تاریخی کتابوں سے اس موضوع پر مواد جمع کرے، کیا گجرات کے کسی مؤرخ نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے؟ اس کے لیے گجرات کے تاریخ دانوں سے رابطہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بھروچ شہر میں کوئی قدیم تاریخ ہے جو بھروچ حال میں تھی؛ تحقیق فرمائیں''۔

اس کے جواب میں تحقیق کے بعد یہ خط میں نے حضرت کے نام روانہ کیا تھا اور اس کے بعد ایک کتاب ''عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات'' نامی ۴۸۴ صفحات کی بھی لکھی ہے، جس پر حضرت مفکر ملت صاحب دامت برکاتہم کی تقریظ بھی ہے۔ بندہ نے حضرت کے استفسار پر خط میں ذکر کردہ تاریخی معلومات کے سلسلہ میں تحقیق کر کے اپنی معلومات کے مطابق مضمون لکھا تھا، وہ بھی پیش خدمت ہے:

''بخدمت گرامی قدر مفکر ملت جناب حضرت الاستاذ

مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم/ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! بندہ خیر وعافیت سے ہے اور آپ محترم کی خیریت وعافیت کا بارگاہ رب العزت میں خواہاں ہے۔

ہندوستان سے ہزاروں میل کی دوری کے باوجود حضرت والا محترم ومکرم کے علمی وادبی، تاریخی اور تربیتی مضامین سے ہم طلاب مستفید ہوتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کے علمی، ادبی وتربیتی اس فیض کو ہم پر تاحیات مستعار جاری وساری فرمائے اور آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ خوش وخرم رکھے۔ آمین!

دیگر عرض یہ کہ حضرت والا نے زیر مطالعہ کتاب **"العلاقة السياسية والثقافية بين الهند والخلافة العباسية"** کے گندھار والے مضمون کا ذکر فرمایا، اس سے خلافت عباسیہ کے ساتھ بھروچ کے مراسم قدیمہ کا پتہ چلتا ہے۔ آپ مکرم ومحترم نے گجرات کے مورخین کا تذکرہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ خاص کر کے بھروچ کی قدیم تاریخ، (بھروچہ ہال والے کتب خانے میں) تلاش کرنے کا ذکر فرمایا تو بندہ بھروچ کے اس کتب خانے (رائے چنڈ ڈپ چنڈ لائبریری) میں تاریخ کی تمام کتابیں دیکھ کر آیا، بھروچ کی تاریخ کے حوالہ سے قابل اعتنا اور تاریخی مواد والی صرف دو چار کتابیں دست یاب ہوئیں لیکن ان میں بھی ہمارے موضوع سے متعلق کوئی بات نہیں تھی، بھروچ کے بندر سے عرب ممالک جانے والے مال یا وہاں سے آنے والے سامان کا ہی صرف اجمالاً تذکرہ ہے، ثقافتی رشتہ کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ بل کہ بھروچ اور گندھار کے سلسلہ کی باتیں مسلم مؤرخین (علامہ بلاذری اور ابن بطوطہ) کے حوالے سے ہی ذکر کی ہیں، ایک کتاب "بھانگیو بھانگیو بھروچ" میں گندھار کی تاریخی معلومات ہیں؛ لیکن وہ بھی جین مذہب کے مندروں سے متعلق ہے، ہال کی منتظمہ صاحبہ سے بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوئی،

انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، البتہ دوسرے کتب خانوں اور اہل تاریخ سے اس سلسلہ میں دریافت کر کے معلومات فراہم کرنے اور ہر قسم کا علمی تعاون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

بندہ نے بڑودہ ایم ایس کالج اور سورت کے جنوبی گجرات یونی ورسٹی کے کتب خانے سے بھی رابطہ قائم کیا ہے، لیکن ابھی تک وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا ہے، جواب ملنے پر ان شاء اللہ آپ محترم کو اطلاع دی جائے گی، دار العلوم ماٹلی والا کے مکتبہ میں ایک کتاب ''العصر العباسی'' (دکتور شوقی ضیف) ہے، اس میں اجمالاً ''مغنیات ہندیہ'' کا تذکرہ ہے، اسی طرح ''کتاب الاغانی'' میں بھی اجمالا تذکرہ ہے، ''البرامکۃ'' نامی کتاب میں خاندان برامکہ کے زمانۂ عروج میں طب و مغنیات ہندیہ کا اجمالی تذکرہ ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری صاحبؒ نے **"العقد الثمین"** میں لکھا ہے:

كانت جواري السند وإمائها مشهورة في القيام على مصالح الأولاد وأداء الواجبات في تربيتها، وحسن خدماتها، ولذا كان النجباء والشرفاء من المسلمين يرغبون إلى اتخاذ السنديات جواري وسراري۔ (ص: ۳۰)

اسی طرح (ص: ۱۲۰) پر لکھا ہے: **وغزا عباد بن زياد ثغر الهند من سجستان فأتى سناروذ ثم أخذ على حوى كهز إلى الروذبار من أرض سجستان إلى الهند مند، فنزل كش (کچھ) وقطع المفازة حتى أتى القندهار، فقاتل أهلها فهزمهم وفلهم وفتحها بعد أن أصيب رجال من المسلمين، ورأى قلانس أهلها طوالا فعمل عليها فسميت العبادية، وقال ابن المفرغ:**

**كم بالجروم وأرض الهند من قدم	ومن سرابيل قتلى لاهم قبروا**

بقندهار و من يكتب منيته　بقندهار يرجم دونه الخبر

(فتوح البلدان: ص ۴۲۲)

(قال القاضي): كش ويقال لها قصة أيضا ناحية بين السند و الكجرات، وهي كچھ۔ قال الحموي: كش مدينة بأرض السند، و أيضا كش أو كس مدينة تقارب سمرقند وقرية من جرجان، وأما القندهار فكما قال الحموي: مدينة من بلاد السند والهند مشهورة في الفتوح۔ وقال في ظفر الواله: قندهار بندر صغير على خور كنبايت، وهي اليوم تدعى بگندهارا من توابع بهروچ، وأما كابل وقندهار فليس مراد ههنا۔　(ص: ۱۲۱)

اسی طرح قاضی رشید بن زبیر کے حوالے سے ''ہندوستان عربوں کی نظر میں'' (حصہ اول: ص/ ۱۱۵) پر بھی گندھار کا تذکرہ ہے، خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں ۱۵۱ھ کو ہشام بن عمرو تغلبی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سندھ کو عبور کر کے قندھار (گندھار ضلع بھروچ، گجرات) پر حملہ کیا تو یہاں اس نے لوہے کا ایک موٹا سا ستون پایا جو ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہاتھ لمبا تھا، ہشام نے مقامی لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اہلِ فارس کی اس زمانے کی تلواریں ہیں جب انہوں نے تبع حمیری کے ساتھ حملہ کر کے ہمارا یہ ملک فتح کیا۔ قندھار کے فتح کرنے کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں اکھٹا کر کے توڑ ڈالیں، انہیں ٹوٹی ہوئی تلواروں سے یہ ستون بنایا گیا، اہل یمن کا خیال ہے کہ تبع نے اس موقع پر یہ شعر کہا تھا ؎

ولو نعرت بقندهار نعرة

خرت صوامعها وكل عمود

(ص: ۱۱۶)

فتوح البلدان (ص:۴۳۱) پر لکھا ہے:

وأتى القندهار في السفن ففتحها وهدم البدّ وبنى موضعه مسجدا، فأخصبت البلاد في ولايته وتبركوا به، ودوخ الثغر وحكم أموره۔

(ص: ۴۳۱) گندھار ہمیشہ سندھ کے تابع رہا۔ (تاریخ سندھ:ص:۱۵۵-۱۵۸)

حضرت مفکرِ ملت نے اس خط کے جواب میں پھر حوصلہ افزا جواب لکھتے ہوئے فرمایا:

''عزیزم مولوی اقبال احمد صاحب ٹنکاروی فلاحی زادکم اللہ فضلاً وعلماً ودیگر اربابِ ذوق السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! کافی انتظار کے بعد آپ کا مفصل محبت نامہ موصول ہوا، آپ نے تاریخی معلومات کے لیے جو محنت فرمائی اس سے دل بہت خوش ہوا، ہم طالب علموں کا کام جستجو میں لگا رہنا ہے، بغیر محنت اور بغیر طلب کے علم میں اضافہ مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو علمی کاموں کے لیے مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

اس عریضہ کے ساتھ رزین بن معاویہ العبدریؒ کے بارے میں کچھ معلومات ارسال کرتا ہوں، اس لیے کہ صاحب مشکاۃ شریف نے بعض روایتوں کو ان سے نقل فرمایا ہے اور **رواہ رزین** کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں، بندہ نے جس سال مشکاۃ شریف پڑھائی تھی اس وقت ان کے بارے میں جستجو کی تھی، مگر تفصیلات نہ مل سکی تھیں، سوائے نام کے، اس کو حاشیہ پر نقل کر دیا تھا، **هو رزين بن معاوية العبدري**؛ مگر ابھی علامہ شوکانیؒ کی **''الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة''** کا مطالعہ کر رہا تھا، جس پر عبد الرحمن بن یحییٰ المعلمی الیمانی کی تعلیقات ہیں اور الازہر کے **كلية الشريعة** کے استاذ عبد الوہاب

عبداللطیفؒ نے اس کی تصحیح کی نگرانی فرمائی ہے تو رزین کے بارے میں کچھ نئی باتیں سامنے آئیں ؛وہ مشکاۃ شریف کے اساتذہ کے کام کی ہیں ۔ترکیسر، ہانسوٹ، کنتھاریہ اور جمبوسر کے اساتذہ کو مطلع فرمائیں اور اگر ان کے پاس مزید معلومات ہوں تو بندہ کو مطلع فرما کر احسان فرمائیں ،میرے جیسے طالب علم کے لیے آپ کا تعاون مفید ثابت ہوگا۔ان شاءاللہ!

حضرت مفکر ملت نے اس کے بعد ایک طویل مضمون علامہ رزین کے متعلق تحریر فرمایا ہے،جس کو طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔

آگے فرماتے ہیں:

مشکاۃ شریف کے اساتذہ کو چاہیے کہ صاحب مشکاۃ رحمہ اللہ نے جن سے روایتیں نقل فرمائی ہیں ان کے حالات کی تحقیق فرمائیں۔ ہمارے نوجوان مدرسین نے اگر اس پر کام کیا ہو تو ضرور بندہ کو مطلع فرمائیں،مولانا یوسف ٹنکاروی،مولانا ابوبکر موسالی ،مولانا احمد ٹنکاروی ،مولانا احمد دیولوی فلاحی وغیرہ علما کو اس کی فوٹو کاپی ارسال فرمائیں ،ڈابھیل مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی کو بھی نقل بھیج دیں ،تاکہ وہاں اساتذہ سے مزید معلومات مل سکے،فوٹو کاپی کر لی جائے ،زحمت تو ہوگی مگر علمی کام میں تعاون کا اجر بھی ملے گا۔ان شاءاللہ!

منقولہ عبارت سے بندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ:رزین بن معاویہ العبدری کی کنیت ابوالحسن تھی اور وہ مالکی المذہب تھے،مکہ معظّمہ میں سکونت رکھتے تھے، ان کا زمانہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا ہے،انہوں نے صحاح ستہ کو ایک کتاب میں جمع کرنے کی سعی فرمائی اور اس میں اور روایتیں بھی داخل فرمائی ہیں،وہ ناقل حدیث تھے، ناقد حدیث نہیں تھے،ان کی سند بھی نازل تھی ، فیروزآبادیؒ نے ان کے بارے میں جو تبصرہ فرمایا ہے اس کے بعد ان سے جو

روایتیں نقل ہوئی ہیں اس کو علمائے محدثین کے اصول کے مطابق جانچ پرکھ کر
ہی قبول کرنا چاہیے۔

مجھے امید ہے کہ میرے جو احباب مشکاۃ شریف کا درس دے رہے ہیں اس پر
مزید تحقیق فرما کرنا چیز دور افتادہ غریب الدیار کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔
دعاؤں کا محتاج غریب الدیار عبداللہ غفرلہ کاپودروی"۔

ہمارے اسلاف کی زندگیوں اور حالات وسوانح کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف میں علمی طلب و تحقیق اور ذوق وشوق غالب تھا، ہر وقت علم کی طلب اور دھن لگی رہتی تھی، اسی طلب اور دھن کا نتیجہ تھا کہ علم کے اعلی معیار پر پہنچے تھے اور اسلاف کی عملی زندگی کا مطالعہ اس بات کا بھی غماز ہے کہ علم کی طلب وجستجو کرتے کرتے علم کا طالب جوں جوں ترقی کرتا رہتا ہے؛ یونہی اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے، کسی مقام پر سیرابی نہیں ہوتی؛ بل کہ وہ **هل من مزيد** کا مصداق ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا:

منهومان لا يشبعان: منهوم في العلم لا يشبع منه، و منهوم في الدنيا لا يشبع منها۔ **(مشكاة المصابيح: كتاب العلم، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۲۶۰، ص: ۸۶، ج: ۱، ط: المكتب الإسلامي بيروت)**

حضرت الاستاذ کے مذکورہ حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ آپ محترم بھی اس حدیث کے مصداق اور جیتی جاگتی عملی تشریح ہیں، آپ کی علم کی حرص اور بھوک کبھی سیر نہیں ہوتی، میرے خیال میں اہل علم کی نظر میں وقت کی قدر کیا ہوتی ہے اس کو سمجھنے کے لیے حضرت کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے۔

بندہ کی تصنیفات پر آپ کی حوصلہ افزائی:

''دارالعلوم ماٹلی والا'' سے اردو، عربی اور گجراتی میں شائع ہونے والی جتنی بھی کتابوں پر تقریظ تحریر کرنے کے لیے آپ کو زحمت دی گئی، آپ نے پیرانہ سالی اور بیماری و مرض کا خیال کیے بغیر ہر مرتبہ تقریظ کے علاوہ حوصلہ افزا کلمات بھی تحریر فرمائے؛ بل کہ یہاں کی شائع شدہ کتابیں ملک و بیرون ملک اہلِ علم کی خدمت میں بھی پہنچانے کا آپ التزام فرماتے ہیں۔ آپ کی تقریظ خلاصہ ہوتی ہے، مذکورہ تصنیف میں لوگوں کے لیے کیا فوائد ہیں ان کی بھی نشان دہی فرماتے ہیں، اگر کتاب میں عصر حاضر کے مسائل کی بابت کوئی تذکرہ ہو تو حضرت معاشرہ کے ان مسائل کی طرف توجہ ضرور مبذول کرواتے ہیں تا کہ لوگوں کو اس کی ضرورت واہمیت کا احساس ہو۔

جمع کتب کا اہتمام:

مسلمانوں کے علمی عروج کے دور میں مسلمان ملکوں میں جگہ جگہ کتب خانے قائم ہوئے، جن میں کتابوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی، یہ کتب خانے حکومتی سطح کے بھی ہوتے تھے اور ذاتی سطح کے بھی، اس ملک میں بھی ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق کتابیں جمع کرتے تھے، گجرات جیسے صوبہ میں جہاں مطالعہ و تحقیق کا ذوق نہ ہونے کے درجہ میں ہے؛ حضرت دامت برکاتہم نے معیاری کتابیں جمع کی ہیں، بل کہ کتب خانہ قائم کرتے ہوئے اس کے دروازے ہمیشہ علما و محققین کے لیے کھلے رکھے ہیں۔

آپ کے کتب خانے میں ہر فن کی معیاری کتابیں جمع کی گئی ہیں، جن سے آپ کا اعلیٰ ذوق اور علمی حرص وطلب جھلکتی ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ شاید گجرات میں کسی کے پاس کماً وکیفاً اتنا بڑا ذاتی وشخصی کتب خانہ نہیں ہوگا۔ اگر ہم بھی ان اسلاف کا سا شوق وذوق پیدا کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ ہمیں بھی بیدار مغزی کے ساتھ پیچھے مڑ کر اپنے اسلاف اور حضرت دامت برکاتہم کی زندگی کا آئینہ دیکھنا ہوگا۔

اوصافِ حمیدہ:

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاسم صاحب آنتی دامت برکاتہم تشریف لائے، حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ کا حضرت مولانا سے بہت پرانا تعلق ہے تو آپ حضرت مفکر ملت کے سلسلے میں اپنا تجربہ بیان فرمائیں۔

اس پر حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ میرا مفکر ملت کے ساتھ ۱۹۵۵ء سے تعلق ہے، میں نے ان میں جو خوبیاں دیکھیں وہ دوسروں میں بہت کم دیکھی ہیں:

(۱) ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں تعصب (علاقائی، اداری، قومی، مسلکی یا مشربی) بالکل نہیں ہے، ان کا دل مخلص ہے، (**"ليس في قلبك غش لأحد"** کا مصداق ہے۔)

(۲) کسی بھی چھوٹے کو بڑا بنانا، چاہے وہ آپ کے برابر ہوجائے یا آپ سے بڑھ جائے، اس کی ان کو فکر ہوتی ہے، یہ بہت جگر گردہ کی بات ہے، آج کل تو استاذ ہی نہیں چاہتا ہے کہ شاگرد ان سے آگے بڑھ جائے۔

(۳) غیبت آپ کو بالکل پسند نہیں ہے، کسی سے رائے کے اختلاف کی بنیاد پر

عداوت بالکل نہیں رکھتے ہیں، کسی کی کوئی بات پسند نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ صرف اتنا فرما دیتے ہیں کہ یہ بھی ایک رائے ہے۔

(۴) آپ کے معاشی حالات ابتدا میں اچھے نہیں تھے، پھر بھی مہمان نوازی میں کبھی کمی نہیں کرتے تھے، عشا کے بعد طلبہ کو مسجد میں یا دارالاقامہ میں بھیجتے تھے کہ کوئی مہمان ہو تو گھر پر لے آؤ۔

(۵) کسی سے ملتے ہیں تو اس کی اچھائیاں ہی مدنظر رکھتے ہیں، اس کی برائیاں جانتے ہوئے بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔

یہ حضرت کی زندگی کے چند منتشر اوراق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت دامت برکاتہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ہمارے مہتمم، ہمارے مربی

حضرت الرئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی

أطال اللہ فیوضہم وتقبل اللہ منہم

بقلم

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب فلاحی، کوسمبوی مدظلہٗ

شیخ الحدیث دار العلوم لیسٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ وعلماء ومشایخ أمتہ أجمعین۔ أما بعد!

ہمارے حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت اور آپ کی علمی و دینی خدمات ملک و بیرونِ ملک میں محتاج تعارف نہیں ہیں، مگر آپ کی وہ خصوصیات جو مشکل سے کہیں نظر آسکتی ہیں وہ کبھی لائق فراموش نہیں ہوسکتیں، جس طرح اپنے سیکڑوں طلبہ اور علما کے ساتھ آپ کا لطف وکرم کا معاملہ رہا ہے، اس طرح بندہ کے ساتھ بھی آپ کی کرم فرمائیاں رہی ہیں جو دل و دماغ سے کبھی محو نہیں ہوسکتیں، انھی ایام گذشتہ کی کچھ یادوں کو گوشۂ یادداشت سے نکال کر سطور اوراق میں محفوظ کرنے کی بندہ نے کوشش کی ہے، تاکہ اپنے محسن استاذ مکرم اور مربی محترم کا کسی قدر شکریہ ادا کرسکوں۔

یاد رہے کہ یہ آپ کی کوئی سوانح نگاری ہے اور نہ آپ کی مکمل زندگی کی یاد داشت، بل کہ حضرت کی زندگی کے کچھ واقعات جو بندہ سے متعلق تھے یا بندہ کے دیکھنے اور سننے میں آئے ان کو سپرد قلم کر رہا ہوں تاکہ کسی سچے طالب اور عقیدت مند کو فائدہ پہنچے۔

دار العلوم فلاح دارین ترکیسر میں آپ کا دور اہتمام ۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۳ء تک رہا، وہ ایسا پُرکشش دور تھا جو خرابئ صحت اور بعض ناگزیر حالات کے سبب ختم ہو گیا، یہی کہا جاسکتا ہے کہ ’’نظر لگ گئی کسی کی تیرے رخ زیبا کو‘‘۔

''دارالعلوم فلاح دارین'' علوم وفنون کا ایسا پُر کشش چمن تھا جس کے باغبان آپ تھے، اس وقت صرف کسی ایک فن کی نہیں بل کہ درجۂ حفظ سے لے کر دورہ تک کے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی طرف توجہ دی جاتی تھی، عربی ادب، علم حدیث، علم تفسیر، افتا وفتاوی، علم قراءت، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان اور سیاسیات وغیرہ میں بعض طلبہ اپنے اساتذہ کی توجہات اور حضرت مہتمم صاحب کی نگرانی میں خصوصیت کا درجہ حاصل کیے ہوئے تھے، وہ فلاح دارین کا ایک روشن دور تھا جب ہر طرف سے پرندے اور پروانے اڑ اڑ کر وہاں بسیرا کرنا چاہتے تھے، اگر کسی عالم کو وہاں خدمت کا موقع مل گیا، یا کسی طالب علم کو وہاں داخلہ مل گیا تو یہ ایک سعادت اور فخر سمجھا جاتا کہ ہم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں ہوتے ہیں۔

بندہ دارالعلوم فلاح دارین میں:

۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ بندہ اپنے قصبہ کوسمبا ضلع سورت کے مکتب میں حفظ کر رہا تھا، استاذ مکرم حضرت مولانا حسن تائی صاحب دامت برکاتہم، جن کا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے بعد ان کے پورے گھرانہ سے گہرا تعلق رہا ہے، ان کے پاس قرآن کریم حفظ کر رہا تھا، اس دوران ان کا برطانیہ جانا ہوگیا تو یہی مشورے ہو رہے تھے کہ اب حفظ کی تکمیل اور عالمیت کے لیے کہاں داخلہ لیا جائے، چوں کہ اس وقت ''فلاح دارین'' کے عروج کا زمانہ تھا اور ہر ایک کی زبان پر وہیں کی تعریف ہو رہی تھی اس لیے والد صاحبؒ، استاذ مکرم اور دیگر حضرات کی یہی رائے ہوئی کہ ''فلاح دارین'' میں کوشش کی جائے،

مگر وہاں کا داخلہ حاصل کرنا کارے دارد تھا، اس وقت ہمارے شہر میں ایک دو عالم ترکیسر کے پڑھا رہے تھے اور کوئی دور کے رشتہ دار بھی ترکیسر میں تھے، ان کے ذریعہ کوشش کی گئی، بالآخر سعادت تھی کہ درجۂ حفظ میں داخلہ مل گیا اور بتوفیق اللہ تعالیٰ ایک ہی جگہ پورے گیارہ سال اس طرح خیر وخوبی کے ساتھ گزر گئے کہ پتہ بھی نہ چلا۔ **فالحمد للہ علی ذالک!**

دارالعلوم میں بندہ کا پہلا دن تھا، فارم لے کر حضرت مہتمم صاحب کے پاس دستخط کرانے کے لیے حاضر ہوا، پہلی نظر آپ پر پڑی تو دیکھتے ہی رہ گیا، خوب صورت سا اجلا چہرہ، سیاہ گھنی ڈاڑھی، سفید لباس جیسے **رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ** کا منظر تھا، ایک رعب کا عالم چھا گیا، آپ نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور گجراتی میں فرمایا کہ اچھا تمہارا داخلہ درجۂ حفظ میں ہو گیا، تم ایک بڑے قصبہ کوسمبا سے آرہے ہو اور تم نے انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں؟ دیکھو بھائی! ہم تو سیدھے سادے لوگ ہیں، ہمارے ادارہ میں ہم سادگی سکھاتے ہیں، یہاں یہ ٹیپ ٹاپ نہیں چلے گی، اس لیے آپ آج ہی اپنا سر منڈوا لیں، بندہ جی کہتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوا، اپنا سامان دارالاقامہ میں رکھ کر پہلا جو کام کیا وہ یہی تھا۔

حضرت مہتمم صاحب سے تعلق کی ابتدا:

حضرت مہتمم صاحب پابندی سے روزانہ فجر کی نماز اور عصر کی نماز دارالعلوم کی مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے، ہر طالب علم پر آپ کی نگاہ ہوتی تھی اور قابل اصلاح بات پر بڑے اچھے انداز میں اصلاح فرماتے تھے، بندہ چوں کہ درجۂ حفظ کا طالب

علم تھا، اس لیے آپ کی قربت سے خوف محسوس کرتا تھا، جب دو سال مکمل ہو گئے اور حفظ پورا کرلیا تو خارج میں کسی ساتھی کے پاس اردو سیکھنے لگا، تیسرے سال درجۂ اردو میں داخلہ لینا تھا، مگر ایک سال کم کرنے کے لیے حضرت مہتمم صاحب کے نام درخواست لکھی کہ بندہ نے اردو سیکھ لی ہے اس لیے اگر درجۂ فارسی میں داخلہ مل جائے تو ممنون ومشکور ہوں گا، حضرت نے وہ خط پڑھ کر دفتر میں طلب کیا اور فرمایا اچھا اردو کی کتاب لے آؤ، اس وقت دفتر میں حضرت مولانا شیر علی صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے، ایک صفحہ کھول کر فرمایا یہاں سے پڑھو، کچھ سطریں پڑھنے کے بعد ایک لفظ آیا ''سمدھی'' آپ نے پوچھا ''سمدھی'' کس کو کہتے ہیں، میں ان دونوں بزرگوں کے سامنے جھجک رہا تھا، میں نے کہا میاں بیوی کے ماں باپ کو کہتے ہیں، آپ نے مسکرا کر فرمایا، گجراتی میں ''ویوائی'' کہتے ہیں، پھر حضرت نے مولانا شیر علی صاحب رحمہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ان کی عمر کچھ زیادہ ہے، اس لیے درجۂ فارسی مناسب ہے اور دستخط کر کے کرم فرمایا اور بندہ نے کتب خانہ سے درجۂ فارسی کی کتابیں حاصل کرلیں۔

بندہ آپ کی وجیہ صورت اور اخلاق سے بہت متاثر تھا اس لیے قربت کا موقع تلاش کرتا رہتا تھا، حضرت کا معمول یہ تھا کہ روزانہ گھر سے ہی وضو فرما کر فجر کی نماز کے لیے اذان سے قبل مسجد میں آجاتے اور دار الاقامہ کی طرف رخ کر کے ایک آواز لگا دیتے تھے کہ بس طلبہ اٹھ اٹھ کر وضو خانے کی طرف چل پڑتے، عجیب رعب تھا، بندہ بھی جلدی سے تیار ہو کر مسجد میں چلا جاتا مگر قریب جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور شام کو عصر کی نماز کے وقت آپ مسجد کے وضو خانہ پر ہی وضو فرماتے تھے،

ایک دن اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ خیال ڈالا کہ روزانہ جب آپ وضو سے فارغ ہوں میں آپ کواور دیگر اساتذہ کوتولیہ پیش کیا کروں، اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیااور روزانہ جب حضرت مہتمم صاحب اور دیگر اساتذہ مدرسہ سے فارغ ہوکر نماز کے لیے مسجد تشریف لاتے بندہ ایک صاف ستھرا تولیہ لے کر وضو خانہ میں انتظار کرتا اور پہلے حضرت مہتمم صاحب کو اور پھر دوسرے اساتذہ کو پیش کرتا جس سے حضرت خوش ہوتے اوراس طرح یہ عمل تعلق کا ذریعہ بنا، یہ عمل الحمد للہ! سالوں تک بل کہ آخری سال تک باقی رہا، الحمد للہ! اساتذہ کی توجہ اور دلی دعا نصیب ہوتی رہی، اس درمیان حضرت مہتمم صاحب کبھی کچھ اصلاح کی یا کسی کام کی بات بندہ سے فرما لیتے تھے تو میں دل میں خوش ہوتا کہ آج حضرت مجھ سے ہم کلام ہوئے۔

فارسی زبان سے تعلق:

ہم فارسی اول میں تھے کہ ایک مرتبہ حضرت نے ہمارے پورے درجہ کودفتر میں بلالیا، حضرت والا کی عادت تھی کہ کبھی کوئی استاذ غیر حاضر ہوتے تو ان کی جگہ خود تشریف لے آتے اور طلبہ کو جانچتے کہ کیا پڑھا، کتنا پڑھا، کیسا پڑھا؟ اور کبھی اپنے دفتر ہی میں طلبہ کو بلا لیتے تو ہم کو بھی ایک دن بلالیا، اس وقت ہم فارسی کی ایک چھوٹی سی اشعار کی کتاب ''کریما'' پڑھتے تھے، آپ نے اشعار زبانی پڑھنا شروع کیے، اس درمیان معانی ومطلب اور مشکل الفاظ کے لغات بھی پوچھتے گئے، ہم طلبہ کا کام تو صرف ترجمہ رٹ لینا تھا، اس لیے الفاظ کے لغات کچھ معلوم نہیں تھے، پھر کیا کہنا، خوب ڈانٹ پڑی اور کس طرح کتاب کو پڑھا جاتا ہے، لغات سمجھنے اور معانی اور

ترجمہ کرنے کا طریقہ سمجھایا، اس دن سمجھ میں آیا کہ کتاب کیسے پڑھی جاتی ہے، کئی بار حضرت والا کو فارسی اشعار جھوم جھوم کر پڑھتے ہوئے سنا ہے، اشعار کے معانی و مطالب اور نصائح کو طلبہ کے سامنے عجیب انداز سے بیان فرماتے تھے، نیز آج کل کے طلبہ فارسی کے شیریں اشعار کو نہیں سمجھتے ہیں اس پر بھی افسوس کا اظہار فرماتے تھے۔

مدبرانہ انداز:

جب ہم فارسی دوم میں آئے تو درجہ میں چار پانچ اور بھی بڑی عمر کے ساتھی طلبہ تھے، ہمیں کیا سوجھی کہ ہم نے ایک خط حضرت مہتمم صاحب کے نام لکھا کہ صبح سات سے ساڑھے گیارہ بجے تک کا وقت بڑا لمبا ہے، اس لیے درمیان میں کچھ وقفہ ہونا چاہیے تاکہ بشری تقاضوں سے فارغ ہو سکیں، دستخط کی جگہ از طلبۂ درجۂ فارسی دوم لکھ کر یہ خط دفتر میں پہنچا دیا، حضرت نے جب خط پڑھا تو تعجب ہوا کہ یہ خط کسی بڑے درجہ کے بڑے طلبہ کی طرف سے نہیں تھا بل کہ فارسی درجہ کے طلبہ کا تھا، آخر یہ جرأت ان کو کیسے ہوئی؟ بس پوری کلاس کو دفتر میں طلب کیا گیا، ہم سب حاضر ہوئے، آپ نے پہلے سب کے چہروں پر اچٹتی ہوئی نگاہ دوڑائی پھر ذرا زوردار آواز میں پوچھا: یہ خط کس نے لکھا؟ اولاً سب خاموش، دیر تک خاموشی رہی تو پھر پوچھا کہ بتلاؤ کس نے لکھا، اس پر ایک طالب علم جو ترکیسر گاؤں ہی کا تھا بولا کہ پوری جماعت کی طرف سے ہے، واقعی یہ ہماری غلطی تھی اور یہ مدرسہ کے انتظام میں دخل دینا تھا جو طلبہ کے لیے بالکل مناسب نہیں تھا، مگر حضرت نے بجائے مار پیٹ یا کوئی سزا دینے کے بڑے اطمینان سے سمجھایا کہ اس طرح بیچ میں وقفہ کرنے سے اوپر کی کتابوں

کے اسباق میں کیا حرج ہوسکتا ہے اور اس سے طلبہ کیا غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں وغیرہ، جس سے ہمیں ہماری غلطی کا احساس ہوگیا اور اسی میں عافیت سمجھی کہ معافی مانگ لی جائے، ہماری ندامت اور معافی چاہنے پر حضرت نے ہمیں معاف فرمادیا اور واپس درس گاہ میں بھیج دیا، کسی اشتعال انگیز موقع پر حضرت بڑے صبر وتحمل سے کام لیتے اور حکیمانہ انداز میں اسے سلجھا دیتے تھے، ایسے واقعات کا کسی بڑے ادارہ میں پیش آنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

دین کی خاطر جدوجہد کا جذبہ:

ہمارے ابتدائی سالوں میں دار الاقامہ یا دار الطعام وغیرہ میں یہ سہولتیں نہیں تھیں جو آج نظر آرہی ہیں، کلفتیں اور مشقتیں تھیں، ایک بار حاجی یوسف راوت صاحبؒ حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ دار الاقامہ وغیرہ عمارتوں کے معاینہ کے لیے آئے، حاجی یوسف صاحبؒ کو جب طلبہ کی مشقتوں کا احساس ہوا تو حضرت مہتمم صاحب کو طلبہ کی راحت اور سہولتوں کے لیے ایک مشورہ اور ذہنی خاکہ پیش کیا، حضرت توجہ سے سنتے رہے اور پھر حاجی صاحب کو سمجھایا کہ اگر اتنی آسائشیں اور سہولتیں ان کو دے دی جائیں تو یہ شاہ زادے بن جائیں گے اور آیندہ یہ حضرات دین کے لیے کوئی مشقت اور تکلیف نہیں برداشت کرسکیں گے، اس لیے ان کو ضرورت کی مقدار سہولت دی جائے، عیش وراحت میں نہ ڈالا جائے، ورنہ تحصیل علم میں کمزوری آئے گی اور عیش وراحت میں پڑ جائیں گے، **لا یحصل العلم براحة الجسم**، یہ بالکل صحیح بات تھی، آج بعض مدارس میں یہی نظر آرہا ہے۔

آپ خود بھی راحت پسند نہیں تھے، کیا یہ جد وجہد اور مشقت نہیں ہے کہ چاہے کڑکتی ہوئی سردی ہو یا موسلا دھار بارش، جھلسا دینے والی لُو چل رہی ہو یا برفانی ہوائیں، فجر کی اذان سے قبل دار العلوم کی مسجد میں تشریف لاکر، طلبہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے، پھر چائے پینے گھر جاتے اور مدرسہ کے وقت سے پندرہ بیس منٹ پہلے مدرسہ کے چوراہے پر نظر آتے، پھر دوپہر کو جب طلبہ کھانے سے فارغ ہوتے اور آرام کرنے کمروں میں چلے جاتے اس وقت آپ بھی گھر جاتے ہوئے دکھائی دیتے، حالاں کہ جوانی کا زمانہ ہے، گھر بیوی بچے منتظر ہیں، مگر یہ سب قربانیاں آپ اپنے ادارے کے لیے دے رہے تھے، جب کہ مدرسہ میں ان کاموں کے لیے نگراں اور خدام بھی تھے؛ مگر خود کی فکر اور ادارہ سے لگاؤ اتنا تھا کہ جب تک خود نہ کرلیں یا خود نہ دیکھ لیں، اطمینان نہیں ہوتا تھا، ایسی قربانی آج ہم کہاں دیکھ سکتے ہیں؟ روزانہ گیارہ بارہ گھنٹے آپ کے دار العلوم میں ہی گزر جاتے تھے، پتہ نہیں آرام کب کرتے تھے۔ آج انحطاط کے دور میں چراغ لے کر نکلیں تب بھی شاید لاکھوں میں کوئی مل سکے، بندہ نے ہندوستان، افریقہ اور برطانیہ میں بعض ادارے دیکھے یا وہاں کے متعلق سنا کہ اول تو ادارہ میں مہتمم صاحب ہی نہیں ہوتے، اگر آ بھی گئے تو دو تین گھنٹہ دفتر میں بیٹھ کر واپس چلے جاتے ہیں اور سب کچھ مدرسین کے سر ہوتا ہے، اگر امام صاحب ہی فجر میں غائب رہتے ہوں تو مقتدیوں سے کیا گلہ کیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات میں تہجد پڑھ کر مقتدیوں کے منتظر رہتے تھے، آج کل مقتدی امام کے منتظر ہوتے ہیں، یہی اداروں کا حال ہے۔ **واللہ المستعان!**

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک ادارہ کے بارے میں سنا یا کہ میرے بیٹے کا کام تھا، دس مرتبہ دفتر میں فون کیا مہتمم صاحب نہیں ملے، ان کے گھر پر تین مرتبہ گیا تو جواب ملا حضرت آرام فرمارہے ہیں اور ادارہ بھی چل رہا ہے، اداروں میں انحطاط کی وجوہات نصاب ہیں نہ طلبہ، بل کہ اساتذہ اور انتظامیہ ہی اس کے ذمے دار ہیں، اگر انتظامیہ مستعد اور پابند ہوتا ہے تو اساتذہ بھی مستعد اور پابند ہوجاتے ہیں پھر طلبہ کے لیے اتباع اور پیروی لازمی ہوتی ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بہتر آدمی وہ ہوتا ہے جن کے کمالات اور خوبیوں کے تذکرے دوسروں کی زبان پر آئیں۔

حضرت کے خادم خاص:

بندہ جب درجۂ فارسی میں تھا اس وقت میرے دوست جناب محترم مولانا غلام محمد وستانوی صاحب زیدمجدہ درجۂ مشکاۃ یا دورہ میں تھے، ان کا تعلق حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ باپ بیٹے کی طرح تھا، وہ حضرت کی خدمت کیا کرتے تھے اور بے تکلف حضرت کے گھر آتے جاتے اور گھر کی خدمت کرتے تھے، مولانا غلام محمد صاحب ہمارے دارالعلوم میں تبلیغی جماعت کے امیر بھی تھے چناں چہ وقتاً فوقتاً طلبہ کی جماعت لے کر اطراف کے دیہاتوں میں جاتے تھے، بندہ بھی کبھی کبھی ان کے ساتھ ہوجاتا تھا، اس طرح یارانہ ہوگیا، میں نے ایک دن کہا آپ حضرت مہتمم

صاحب کے گھر خدمت کے لیے جاتے رہتے ہیں تو کبھی ہمیں بھی لے جائیں، تاکہ حضرت سے تعلق پیدا ہو، چناں چہ ایک دو مرتبہ وہ مجھے ساتھ لے گئے اور کچھ دیر پاؤں دبانے کا موقع ملا، فراغت کے بعد بھی مولانا غلام صاحب کا تعلق حضرت والا سے گہرا رہا اور آج بھی ہے اور آپ ہی کی دعاؤں، مشوروں اور توجہات سے مولانا آج ترقی کے مدارج پر گامزن ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے اور نظر بد سے بچائے۔ آمین!

عربی کتابوں کا طریقۂ تعلیم:

بندہ جب عربی اول میں پہنچا تو چند ماہ کے بعد ایک دن حضرت نے پوری جماعت کو دفتر میں طلب فرمایا اور ''قصص النبیین'' کا سبق سننا شروع کیا، عام طور پر ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے تھے؛ مگر حضرت نے عربی میں سوال بنا بنا کر پوچھنا شروع کیا، چوں کہ ہمارے لیے یہ نیا طریقہ تھا اس لیے ہم اچھی طرح جواب نہ دے سکے، پھر نحوی اور صرفی تحقیق پوچھنی شروع کی، مگر ہم خاموش تھے، اس لیے کہ صرف ونحو کا اجرا نہیں ہوتا تھا، حضرت نے ہمیں سمجھایا کہ اس کتاب کو اس انداز سے پڑھنا چاہیے، الحمد للہ! اس کے بعد شوق بڑھا اور رات میں طلبہ کے ساتھ اسی طریقہ سے تکرار کرنے لگے، اسی طرح عربی کتابوں کو صرفی نحوی ترکیب کے ساتھ حل کر کے ترجمہ کرنے لگے، جس سے کتاب آسانی سے حل ہو جاتی تھی، سال کے اواخر میں دیوبند سے حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کی آمد ہوئی اور چند دن دارالعلوم میں قیام فرمایا، ایک رات ہم طلبہ کے ساتھ تکرار کر رہے تھے، حضرت مہتمم

صاحب مہمانانِ کرام کو لے کر مغرب کے بعد دار العلوم کے احاطہ میں ٹہل رہے تھے اور درس گاہوں سے تکرار کی آوازیں باہر جارہی تھیں، حضرت مولانا کی توجہ مبذول ہوئی اور دونوں بزرگ درس گاہوں کے باہر کھڑے ہوکر درجہ بدرجہ دیکھتے جاتے اور طلبہ کے تکرار کو سنتے جاتے، اتفاق سے ہماری درس گاہ کے باہر بھی آپہنچے، اس وقت بندہ مفید الطالبین کا تکرار کرارہا تھا اور حضرت مہتمم صاحب کی تعلیم کے مطابق صرفی و نحوی ترکیب کے ساتھ لغات حل کرتے ہوئے ترجمہ کرتا تھا، تقریباً دس بارہ منٹ کھڑے کھڑے سنتے رہے، دوسرے دن درس گاہوں میں تشریف لائے، اس وقت قصص النبیین کا سبق چل رہا تھا، استاذ کی مسند پر حضرت تشریف فرما ہوئے اور صرفی نحوی لغات کے بارے میں سوالات کیے، الحمد للہ! ہماری جماعت میں اکثر سمجھ دار ذہین طلبہ تھے، سب نے اچھے جوابات دیے جن کو سن کر مہمان بہت خوش ہوئے اور سنا کہ حضرت مولانا کیرانویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کے مدرسہ کے عربی اول کے طلبہ کی صلاحیت دوسرے بعض اداروں کے سوم چہارم کے طلبا کے مساوی ہے۔

انگریزی زبان کی ضرورت کا احساس:

انگریزی زبان سکھانے کے لیے دو استاذ مقرر تھے اور اس کے لیے ایک گھنٹہ متعین تھا، اس سے ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ ہم نے جہاں کہیں سفر کیا کبھی کسی ائیر پورٹ پر گفتگو کرنے یا فارم بھرنے میں پریشانی نہیں ہوئی اور افریقہ برطانیہ میں بھی بینکوں میں، نیز سرجری یا کسی اور موقع پر انگریزی بات سمجھنے میں یا جواب دینے میں دقت نہیں ہوئی، بعض طلبہ تو ماشاء اللہ بے تکلف انگریزی میں بات بھی

کر لیتے تھے اور بیان بھی کر سکتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ حضرت والا نے کبھی انگریزی تہذیب کو ادارہ میں گوارہ نہیں کیا اور نہ طلبہ میں اس کا رنگ آنے دیا، یہ سب حضرت مہتمم صاحب کی دور اندیشی اور عالمی سطح کی سوچ و سمجھ کی بات تھی اور اپنے اکابر واسلاف سے وابستگی کی کھلی نشانی تھی، آپ کی تو یہ بھی خواہش تھی کہ طلبہ کے لیے کمپیوٹر لایا جائے اور اس کی تعلیم بھی دی جائے جو اس زمانہ کی ایک علمی ضرورت ہے، جیسے آج بہت سے اداروں میں اس کی تعلیم دی جارہی ہے، مگر ارباب انتظام کی سمجھ حضرت کی سوچ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ ہوسکی۔

عربی زبان وادب پر توجہ:

ہم عربی اول میں تھے کہ النادی العربی کے نام سے عربی انجمن شروع ہوئی، اس سے پہلے صرف اردو انجمن تھی، اب عربی میں بھی تقریر اور خطبات کی محنت شروع ہوئی اور طلبہ الحمدللہ عربی میں تقریر کرنے لگے بل کہ گفتگو بھی کرنے لگے تھے، ایک عربی ادب کے استاذ مولانا نور محمد صاحب دیوریاوی، فاضل دارالعلوم دیوبند کا تقرر ہوا تھا جن کے پاس ہم عربی ادب سیکھتے تھے، ان کے درجہ میں صرف عربی زبان میں گفتگو کرنی لازم تھی، وہ کتاب پڑھاتے تو عربی ہی میں مطلب سمجھاتے اور سوال و جواب بھی عربی ہی میں ہوتے تھے، اس طرح عربی بولنے، لکھنے اور مقالات تیار کرنے کی مشق کی جاتی تھی، حضرت مہتمم صاحب خود اس کی نگرانی فرماتے، اچھے مضامین پر سراہتے تھے اور جدید اسلوب، انداز تکلم اور عربی عبارات کی خوبیوں سے واقف کرتے تھے۔

حضرت کبھی کبھی جمعہ کی نماز دارالعلوم کی مسجد میں ادافرماتے تھے، بندہ جب عربی چہارم میں تھا اس وقت کی بات ہے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ طلبہ جمعہ کا خطبہ عربی لہجہ میں نہیں دیتے، حالاں کہ عربی خطبہ تو عربی لہجہ میں ہونا چاہیے، میں نے کہا حضرت ایک جمعہ آپ یہاں پڑھادیں تو ان شاء اللہ سب صحیح انداز سیکھ لیں گے، آپ نے فرمایا، میں قاری تھوڑا ہوں؟ میں کیسے پڑھاؤں، میں مُصِر رہا کہ حضرت آپ فکر نہ کریں نماز کی امامت کا میں انتظام کرلوں گا، آپ صرف خطبہ دے دیں، کافی اصرار کے بعد آپ اس کے لیے تیار ہوگئے، جس سے ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی، جمعہ کے روز بندہ حضرت کے گھر پہنچ گیا، حضرت کو عربی جبہ زیب تن کراکر مسجد لے آیا، حضرت ایک ورق پر خطبہ لکھ کر لائے تھے، پھر شان دار انداز میں خطبہ دیا اور ایک قاری صاحب نے نماز پڑھائی، وہ خوب صورت منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے، اگر موبائل کا زمانہ ہوتا تو سب محفوظ ہوجاتا، اس کے بعد بہت سے طلبہ نے یہ انداز سیکھا۔ بندہ جب عربی دوم میں پہنچا تو خوش نصیبی سے ہمارا ایک گھنٹہ حضرت کے پاس آگیا جس میں معلم الانشاء اور اس کی تمرینات حضرت کے پاس کرنی ہوتی تھیں، جس سے عربی زبان سیکھنے اور بولنے میں بڑا فائدہ ہوا اور عربی انجمن النادی العربی میں آسانی پیدا ہوگئی تھی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تعلیمی معاہدہ:

جب طلبہ میں عربی لکھنے، بولنے اور عربی مقالات لکھنے کی صلاحیتیں بڑھنے لگیں انہی دنوں سعودی عرب سے شیخ محمد مجذوبؒ کا دورۂ ہند ہوا اور حضرت مولانا سید

علی میاںؒ کی ہدایت پر وہ ہمارے فلاح دارین بھی تشریف لائے اور چند دن قیام فرمایا، ایک جمعہ کو خطبہ بھی انہوں نے دیا تھا جو کافی لمبا تھا؛ مگر طلبہ کے لیے بہت مفید تھا، وہ ادارہ کی تعلیم اور بلند معیار کو دیکھ کر اتنا متاثر ہوئے کہ فلاحِ دارین کے فارغین کے لیے جامعہ مدینہ منورہ میں داخلہ کا معاہدہ بھی منظور فرمایا اور حضرت مہتمم صاحب کے لیے وقیع کلمات تحریر فرمائے۔

مدبرانہ اور حکیمانہ شان:

حضرت مہتمم صاحب کی میں کیا بات کروں، آپ صرف مہتمم ہی نہیں تھے، بل کہ بہترین مدرس اور باصلاحیت استاذ بھی تھے، ہر فن بل کہ ہر موضوع کی کتاب پر نظر تھی، حواشی اور شروحات کے متعلق طلبہ کی رہ نمائی فرماتے تھے، آپ بڑے مدبر اور حکیم مربی تھے، طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ان کی طبیعت اور مزاج کو سمجھتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے، بہت سے اساتذہ آپ کے شاگرد تھے مگر ان کے ساتھ بھی اکرام واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے، سامنے والے کی خطا اور غلطی پر حکیمانہ انداز سے اصلاح فرماتے تھے، صفائی کا بڑا اہتمام تھا، کوئی معمولی سا کچرا نظر آجاتا تو بھی برداشت نہ کرسکتے تھے، احادیث کا حوالہ دیتے کہ کیا یہ حدیثیں عوام کے لیے ہیں، طلبہ کی وضع قطع پر برابر نظر رہتی تھی، طلبہ کے کمروں میں بھی تشریف لاتے اور اہتمام سے صفائی کراتے تھے، درس گاہوں میں اور مسجد کی کھڑکیوں پر اگر کتابیں ادھر ادھر نظر آتیں تو تکلیف ہوجاتی تھی کہ یہ کیا بے پرواہی اور بے ڈھنگا پن ہے، جوتے بھی سلیقہ سے رکھنے کی تاکید فرماتے تھے، مسجد میں یا کھانے کے وقت شور وشغب پر بہت خفا

ہوتے تھے، سادگی، طمانینت، خاموشی، تواضع وانکساری، وضع قطع میں درستگی اور صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے تھے اور ایسے طلبہ کو چاہتے اور محبت سے قریب کرتے تھے۔

سادگی اور بے تکلفی:

حضرت والا بالکل سادہ مزاج تھے اور **"وما أنا من المتكلفين"** کا صحیح مصداق تھے، آپ کے یہاں حضرت پنا نہیں تھا کہ حضرت ابھی آرام فرمارہے ہیں، حضرت ابھی آرہے ہیں، حضرت ابھی جارہے ہیں، ہٹو، بچو، والی نزاکتیں نہیں تھیں، حضرت کے دروازے پر ہم نے کبھی کوئی بوّاب نہیں دیکھا، آج بھی نہیں ہے، چاہے کوئی عالم ہو یا عامی، خواص ہو یا عوام، سب کے لیے آپ کا دروازہ کھلا رہتا تھا، بے تکلف ملاقات کرلینا اور سادگی اور نرمی سے بات چیت کرنا آپ کی زندگی کا معمول رہا ہے، یہی ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی اور فون کریں تب بھی اگر حضرت قریب ہی تشریف فرما ہوں تو فوراً بے تکلف فون پر بات کرلیتے ہیں اور سب کی خیر خیریت معلوم کرلیتے ہیں؛ حالاں کہ آپ ایک بڑے ادارے کے مہتمم اور معروف ومشہور باوقار شخصیت اور ہندوستان کے بڑے علما میں سے تھے اور ہیں، مگر تکلفات کرنا آپ کی عادت نہیں تھی، کئی بار اپنی ٹوپی سر سے نکال کر فرماتے دیکھو، ہم تو یہ دو روپیہ والی ٹوپی پہنتے ہیں، اعلیٰ ٹوپی، اعلیٰ لباس کے عادی نہیں، اگر آپ کے پاس علم ہے تو اس کی خوشبو لوگوں تک جائے گی اور لوگ مستفید ہوں گے، اگر اندر علم نہیں ہے اور ٹوپی بڑھیا لگالی تو اس سے کوئی عالم نہیں بن جاتا وغیرہ کلمات سے عملی نمونہ پیش فرما کر سادگی کی تعلیم دیتے۔

عادات حمیدہ:

آپ ہمیشہ سادہ وصاف ستھرے رہتے اور تکلفات سے بہت دور ہوتے تھے، درس گاہوں، طلبہ کے کمروں اور ادارہ کی چہار دیواری میں صفائی کا خوب اہتمام فرماتے، وقت کی بڑی پابندی فرماتے، فجر کی اذان سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے تھے، قرآن پاک کی تلاوت کی بڑی پابندی فرماتے تھے اور نماز فجر سے پہلے ہی تلاوت پوری فرماتے تھے، وقت سے پہلے ہی ادارہ کے چوراہے پر حاضر ہوجاتے تھے، پھر کیا کوئی استاذ یا طالب علم دیر سے آتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ادریس! بندے کو جو اعذار اور بیماریاں ہیں وہ ظاہر ہیں، مگر حضرت مہتمم صاحب کا رعب اور ان کی پابندی ایسی ہے کہ مجھے بھی دیر سے جانے کی ہمت نہیں ہوتی، پھر سوچئے کہ دوسرے اساتذہ پر اس کا کیا اثر ہوگا، اگر کوئی طالب علم غلطی یا شرارت کرتا اور اس کی شکایت دفتر میں آتی تو کبھی بھی آپ اس کو فوراً نہیں نکالتے تھے، بل کہ مناسب سزا یا حکیمانہ انداز میں سمجھاتے تھے اور تین بار تک موقع دیتے تھے، پھر تیسری بار غلطی کرنے پر اخراج کرتے اور فرماتے، میں نے یہ اصول سورۂ کہف سے سیکھا ہے، **هذا فراق بيني و بينك**۔

خلافت اور اجازت:

آپ کو تقریباً نو اکابر و مشائخ سے اجازت حاصل ہے مگر آپ نے اسے فخر و نمود کا ذریعہ نہیں بنایا، نہ کبھی اپنے کسی مکتوب میں ظاہر کیا اور نہ کسی بیان میں اسے ظاہر

کیا، آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کہیں سے اجازت مل گئی تو اسے خوب پھیلاتے ہیں، خطوط و بیانات میں بطورِ فخر کہتے ہیں اور اسے فخر و تفاخر اور شہرت کا سبب بناتے ہیں۔

لیسٹر میں علما کا ایک اجلاس:

چندسال پہلے لیسٹر کے معروف عالم دین جناب مولانا سلیم دھورات صاحب زید مجدہ نے حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم اور ہمارے حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کی آمد پر لیسٹر میں علمائے برطانیہ کا اجلاس رکھا تھا، جس میں بڑی تعداد میں علما شریک ہوئے تھے، دونوں بزرگوں نے علمائے کرام کی موجودہ حالات میں خاص کر برطانیہ اور یورپ میں کیا ذمے داریاں ہیں اس پر بسیط روشنی ڈالی تھی اور علما کو دینی و اصلاحی کام کرنے اور نام و نمود اور شہرت پسندی سے دور رہنے اور آپس کے جزئی اختلافات ختم کرنے پر زور دیا تھا، ایک بات خاص یہ فرمائی تھی کہ ہم جہاں جاتے ہیں ساتھیوں کا اس طرح تعارف کرایا جاتا ہے ”یہ صاحب فلاں کے خلیفہ ہیں، فلاں کے مجاز ہیں اور مفتی تو اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر مولوی مفتی صاحب بنا ہوا ہے، حالاں کہ افتا و مفتی شہرت کے لیے نہیں، یہ ایک ذمے داری والا منصب ہے، صلاحیت و قابلیت کا نام ہے، کاغذی سند کا نام نہیں ہے، اسی طرح اجازت و خلافت یہ تزکیۂ باطن اور اخلاق حمیدہ کا نام ہے، نام و نمود اور شہرت کا نہیں، وغیرہ امور پر بہترین انداز میں دونوں بزرگوں نے ہماری کمزوریوں کی طرف نشان دہی فرمائی اور ذمے داریوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔

قوم وملت کا درد:

فلاحِ دارین سے مستعفی ہونے کے بعد آپ کے اسفار بڑھ گئے تھے، ہندوستان کے مدارس اور مختلف شہروں کی طرف سے اور بیرونی ممالک سے بھی بلاوے آتے تو مختلف عنوانات پر آپ کے اسفار ہوتے، افریقہ، یورپ، کینیڈا وغیرہ کی طرف کئی بار آپ کے اسفار ہوئے اور جب مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کے معاشرہ کی بدحالی، آپس کے معاملات کی خرابیاں، مساجد کی بدنظمی، آپس کے ان کے اختلافات وانتشار اور گروہ بندیاں جیسے امور کو دیکھتے اور سنتے تو بے چین ہو جاتے کہ کیا یہی ہماری اسلامی زندگی ہے؟ اپنے بیانات میں سیرت کے واقعات، اکابر کے اقوال وملفوظات اور اسلامی شعرا کے دردمندانہ اشعار سے قوم کو احساس دلاتے اور غیروں کے حسنِ معاشرت سے سبق دیتے کہ ہم ان سے بھی نیچے گر گئے، مساجد کی کمیٹیوں کے جھگڑے اور علما کے فروعی مسائل میں تشدّد وتعصب اور حدودِ اختلاف سے آگے نکل جانے پر سخت رنجیدہ ہوتے اور اپنی مجالس میں اس پر ضرور دردمندانہ انداز میں ذکر وتبصرہ کرتے، آپ کے دردمندانہ بیانات کو آپ کے صاحب زادہ حافظ ابراہیم صاحب نے جمع کروا کر کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے جو ''صدائے دل کے'' نام سے معروف ہے۔

اتحاد بین المسلمین اور اعتصام بحبل اللہ کی طرف بار بار توجہ دلاتے اور فرماتے کہ آج مسلمانوں کی ذلت وخواری کی وجہ اللہ کے کلام سے دوری ہے، گھروں سے تلاوت چلی گئی، ایک مرتبہ لندن تشریف آوری پر بندہ ملاقات کے لیے

حاضر ہوا تو بڑے درد کے ساتھ شکوہ فرمارہے تھے کہ آج کل کے ہمارے حفاظ، قرا اور علما میں تلاوت قرآن کی کمی نظر آرہی ہے اور اسلاف کے طور وطریق سے بھی دوری نظر آرہی ہے'' سال گذشتہ آپ نے بندہ کے لیے کینیڈا سے ایک قلم بھیجا، جس کے ایک رخ پر بندہ کا نام کندہ تھا اور دوسری طرف عربی میں یہ جملہ لکھا تھا، **''قرآننا یا قوم مصدر عزنا''** بندہ نے شکریہ کے لیے جب فون کیا تو پہلے یہی پوچھا کہ عربی میں لکھا پیغام پڑھا، میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ بھائی اس پیغام کو امت میں پھیلاؤ، اس عزت کی چیز کو چھوڑنے ہی کی وجہ سے تو یہ ذلتیں پیش آرہی ہیں، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قرآن کریم کی قدر کی توفیق دے اور اس سے وابستگی عطا کرے ؎

(۱) چھوڑ کے قرآں کو مسلم، حق سے بیگانہ ہوا
آپ بھی رسوا ہوا اور دین بھی رسوا کیا

(۲) وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مہمان نوازی:

''فلاحِ دارین'' کی شہرت اور ترقی کی وجہ سے مہمانوں کی آمد بکثرت ہوتی تھی، اس زمانے میں تقریباً بیرونی سولہ ممالک کے طلبہ ہمارے یہاں زیر تعلیم تھے، جس کی وجہ سے افریقہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک سے مہمانوں کا ورود بہت ہوتا تھا اور اکثر حضرت اپنے گھر ہی سے اچھا کھانا ان کی حیثیت کے مطابق بنواتے اور

کھلاتے تھے، ایک مرتبہ افریقہ سے میری پھوپھی اور پھوپھا جان ہمارے گھر کوسمبا آئے ہوئے تھے اور وہ مجھ سے ملنا چاہتے تھے، نیز پھوپھا جان نے حضرت مہتمم صاحب کی شہرت کافی سن رکھی تھی اور شاید کوئی تعلق یا رشتہ داری بھی حضرت سے تھی، اس لیے حضرت سے ملنے کا تقاضا اُن پر زیادہ تھا، کوسمبا سے ہمارے بھائی دس بجے کے بعد لے کر آئے، مجھ سے ملاقات ہوئی اور علیک سلیک کے بعد حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کا تقاضا کیا، بندہ دفتر میں لے کر گیا تو حضرت نے اکرام و احترام کا معاملہ کیا اور باتیں کرتے کرتے خود ہی دار العلوم کا معاینہ کرانے لگے، بھائی سوچ رہے تھے کہ واپس کوسمبا جا کر کھانا ہوگا اور میں سوچ رہا تھا کہ مطبخ سے کھانا منگوالوں گا، مگر حضرت نے مجھے عربی میں کہا کہ ”**اذهب إلى بيتي، وقل لهم أن يطبخوا دجاجة، وليعجلوا**“ اس حکم کے بعد اور کوئی رائے نہیں ہوسکتی تھی اس لیے دوڑتا ہوا حضرت کے مکان پر گیا اور خالہ جان سے یہ بات کہی، اللہ تعالیٰ خالہ جان کی بال بال مغفرت فرمائے، عجیب خدمت گزار اور مہمان نواز خاتون تھیں، حضرت کے ہر دینی کام میں ساتھ دیتی تھیں، کبھی کوئی شکوہ وشکایت ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، حالاں کہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور گھر میں اتنی کوئی فراوانی بھی نہیں تھی، مگر شوہر کی خاطر سب کچھ برداشت تھا اور مہمانوں کی آمد ایک معمول سا بن چکا تھا، کبھی کبھی ایک ہی دن میں معمول کے وقت کے علاوہ تین تین بار کھانا مہمانوں کے لیے پکایا جاتا، ایک مرتبہ تو رات دس بجے چار مہمان آگئے اور خالہ جان تھکی ماندی بچوں کے ساتھ سوبھی گئی تھیں کہ وہ مہمان حضرت کا مکان تلاش کرتے آگئے، حضرت ابھی بیدار

تھے، علیک سلیک کے بعد اخلاقاً کھانے کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم صبح سے نکلے ہوئے ہیں اور کہیں کوئی ہوٹل بھی نہیں ملا اس لیے کھانا نہیں کھایا، حضرت فوراً گھر میں گئے اور خالہ جان سے بتلایا کہ اس طرح چار مہمان گھر آئے ہیں اور سب بھوکے ہیں، اللہ رحمتیں برسائے اس وفادار خاتون پر کہ بالکل بلا کسی چوں و چرا کے خوشی خوشی رات دس بجے کھانا پکانے بیٹھیں اور مہمانوں کو تازہ کھانا کھلایا، حالاں کہ اس زمانہ میں آج کی طرح سہولتیں نہیں تھیں، نہ گیس کے چولہے تھے نہ فریج، نہ فریجر اور نہ مالی فراوانی تھی، یہ سب جذبۂ دین اور جذبۂ خدمت اور مہمان نوازی کی بنیاد پر تھا۔

فجزاهم الله خير الجزاء!

طلبہ کی خیر خواہی اور اساتذہ کے ساتھ حسن سلوک:

جو طلبہ ذہین اور باصلاحیت ہوتے ان کی خصوصی فکر کرتے تاکہ آیندہ یہ کام کے افراد بنیں، ان کی صلاحیتیں کھانے پینے، گھومنے پھرنے اور دوستوں میں ضائع نہ ہوجائیں، ان کو ضروری شروحات و متعلقات اور مناسب کتابوں کی طرف متوجہ کرتے اور اچھی کارکردگی پر تحسین فرماتے اور ترغیب دیتے رہتے، اسلاف کے واقعات اور ان کی قربانیوں کو پیش فرماتے رہتے۔

اساتذۂ کرام کے ساتھ بھی عجیب حسن سلوک فرماتے، ہمارے اداروں میں ابتدائی سال میں کتابوں کی تقسیم کے وقت آپس میں کچھ رنجشیں پیش آجانا عام ہے، مگر آپ ہر استاذ کی صلاحیت اور اس کے کسی فن میں ذاتی ذوق وشوق کے مطابق ان کو اس فن کی کتاب دیتے اور بعضوں کی ہمت افزائی فرما کر تعریف کر کے آگے

بڑھاتے، کبھی طلبہ کے سامنے کسی استاذ کی کوئی کمزوری بیان نہیں کرتے تھے، بل کہ اساتذہ کی قدر، ان کی خدمت، ان سے علمی وروحانی تعلق کی ترغیب دیتے اور کسی میں یہ خوبی دیکھتے تو تعریف کرتے، بندہ کا حضرت مولانا ابراراحمد صاحبؒ سے بھی اچھا تعلق تھا، ایک مرتبہ حضرت مولانا ابرار احمد صاحبؒ نے اپنی ایک مخصوص ٹوپی میرے سر پر پہنادی، بندہ بہت شرمندہ ہوا کہ میں اس لائق نہیں ہوں، مگر حضرت نے فرمایا کہ اسے سر سے مت اتارنا، اسے پہن کر کل درس گاہ میں آنا، بندہ شرمندگی کے ساتھ دوسرے دن درس گاہ حاضر ہوا، رفقائے درس ٹوپی دیکھ کر مسکرارہے تھے اور بعض اساتذہ نے بھی دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا، پھر دفتر کے سامنے سے جوگزرہوا اور حضرت مہتمم صاحب کی نظر بندہ کی ٹوپی پر پڑی تو مسکراکر دروازہ کی طرف آئے اور مجھے دیکھ کر ساتھیوں کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد

فلاح دارین میں فن قراءت وتجوید کا عروج:

ہمارے حضرت والا کوقرآن کریم سے عجیب قلبی لگاؤ تھا، جب کوئی قاری خوب صورت لہجہ میں قرآن پڑھتا تو جھوم جاتے، آنکھوں میں آنسو آجاتے اور خود بھی بڑے تدبر سے تلاوت کرتے تھے، روزانہ فجر کی اذان کے وقت آتے، طلبہ کو آواز لگاتے پھر پہلی صف میں دائیں طرف قرآن لے کر بیٹھ جاتے اور تدبر سے قرآن کریم پڑھتے، قریب میں کوئی طالب علم ہوتا تو اس کو بھی متوجہ کرتے اور تلاوت کے درمیان آنے والے الفاظ کی تحقیق پوچھتے، عربی سوم میں آنے کے بعد بندہ کو

حضرت والا سے انس اور تعلق بڑھنے لگا تو حضرت کے پاس ہی قریب جا کر بیٹھ جاتا، اگر حضرت کچھ پوچھتے تو جواب دیتا۔

ہمارے یہاں تجوید کے دو درجے تھے، ایک حضرت قاری محمد صالح صاحب سے متعلق تھا اور دوسرے میں حضرت قاری عباس صاحبؒ پڑھاتے تھے، تجوید کی تعلیم صرف عربی سوم تک ہوتی تھی گویا یہ ہمارا تجوید میں آخری سال تھا، جب ہم عربی سوم میں پہنچے، اس وقت دار العلوم کی مسجد میں کوئی امام مقرر نہیں تھا، طلبہ میں سے جس کا جی چاہتا آگے بڑھ جاتا، یا کبھی کسی کو آگے کر دیا جاتا، ایک دن حضرت مہتمم صاحب نے احقر سے کہا: ادریس، تم اچھا قرآن پڑھنے والوں کی ایک فہرست تیار کر کے دو، تاکہ وہ باری باری نماز پڑھاتے رہیں، امامت کے لیے اچھا قرآن پڑھنے والا ہونا چاہیے، بندہ نے تقریباً چالیس طلبہ کے نام پیش کیے جو اچھا قرآن کریم پڑھتے تھے، آپ نے ان میں سے تیس کا انتخاب کر کے فرمایا کہ ان سے کہو کہ مہینہ میں ایک بار تمہاری باری آئے گی، اپنی باری پر تیاری کے ساتھ پابندی کیا کریں، جب یہ حضرات پڑھانے لگے تو ان کی صلاحیت اور جوہر کا اندازہ ہونے لگا اور بعض طلبہ کی فجر کی نماز میں بڑی پُرکشش تلاوت ہوتی تھی جو دلوں پر اثر کرتی تھی، ایک مرتبہ بمبئی کے ایک طالب علم نے فجر کی نماز میں ایسی تلاوت کی کہ دونوں رکعات میں حضرت پر گریہ طاری رہا، حضرت کی حالت اور قاری کی تلاوت نے مجھے بھی رُلا دیا، سلام کے بعد حضرت نے پُرنم آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا کہ اس نے دل ہلا دیا، جی چاہتا ہے کہ اس کی پیشانی کو بوسہ دوں، دعا کے بعد اسے اپنے قریب طلب

فرمایا اور تحسین فرمائی، مگر وہ طالب علم ایک دو سال سے زیادہ نہیں رہا، ورنہ وہ اچھا قاری بنتا۔

جب حضرت نے طلبہ کی صلاحیتوں کا احساس کیا تو حضرت قاری عباس صاحبؒ سے ذکر کیا کہ الحمد للہ! ہمارے ادارے میں قرآن کریم کی اچھی تلاوت کرنے والے طلبہ کافی ہیں، اگر یہ سب مل کر ہفتہ واری اجتماع کریں اور مشق کریں تو مزید ترقی ہوسکتی ہے اور دونوں قاری صاحبان کی خوب تحسین فرمائی، چوں کہ ہماری جماعت قاری عباس صاحبؒ کے پاس تھی تو آپ نے ہمارے سامنے اس کا ذکر کیا اور اردو، عربی انجمن کی طرح قراءت کے لیے بھی انجمن قائم کرنے کا ذکر کیا، ہم کچھ طلبہ بیٹھے اور مشورہ کیا اور ایک انجمن قراءت کے لیے متعین کی اور اس کا نام، ”انجمن اصلاح القرآن“ طے کیا، اس کا صدر مجھے ہی بنادیا گیا تھا، جب اس کا پہلا جلسہ کرنا طے کرلیا تو اب قاری صاحب سے اجازت لے کر آگے بڑھنا تھا، قاری صاحب نے اجازت دے دی، میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفتر میں پہنچا اور حضرت کو دعوت نامہ پیش کیا اور جلسہ کی صدارت کے لیے درخواست کی، حضرت نے بہت خوشی کا اظہار کیا؛ مگر فرمایا کہ یہ نام صحیح نہیں ہے، قرآن مجید کی کوئی اصلاح کی ضرورت نہیں، اصلاح ہماری قراءت اور تلاوت کی ہوتی ہے، اس پر میں نے عرض کیا حضرت! آپ ہی اچھا نام تجویز فرما دیجیے تو آپ نے فوراً اس پرچہ پر لکھ دیا **”لجنة القراءة والتجوید“** بس کیا کہنا یہ نام ایسا مقبول ہوا کہ آج تک اسی نام سے یہ انجمن چل رہی ہے۔

پہلا جلسہ حضرت مہتمم صاحب کی صدارت میں ہوا، جلسہ میں حضرت نے حسن تلاوت کے متعلق کافی مفید باتیں بتلائیں اور طلبہ کو مزید محنت کی طرف متوجہ کیا، ہماری جماعت میں محترم دوست قاری محمد صدیق صاحب بھی تھے، وہ ہمارے ہم درس اور بے تکلف دوست تھے وہ اس وقت خاموش طبیعت کے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے عجیب حسن صوت سے نوازا تھا، دار العلوم کا کوئی جلسہ یا اجلاس ایسا نہیں تھا، جس میں قاری محمد صدیق صاحب کی قراءت یا کوئی حمدیہ یا نعتیہ اشعار نہ ہوں، جب لجنہ کا انعقاد ہوا اور تجوید پر خصوصی توجہات دی جانے لگیں تو سال میں ایک بار مسابقۂ قراءت طے ہوتا اور طلبہ کی ہمت افزائی کی جانے لگی اور کبھی باہر سے کسی قاری صاحب کو بھی دعوت دی جاتی، جلسہ پُرلطف ہوتا، ایک بار ڈابھیل سے حضرت قاری احمد اللہ صاحب زیدمجدہم کی تشریف آوری بھی یاد ہے۔

تخصص في القراءة، سبعہ اور عشرہ:

حضرت والا نے جب طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا تو آگے بڑھنے کا ارادہ کیا کہ طلبہ کو سبعہ وعشرہ بھی سکھانا چاہیے، اس لیے کہ یہ بھی علوم قرآن میں سے ہیں، اس وقت ہمارے گجرات میں قراءاتِ سبعہ نہیں ہوتی تھیں، ڈابھیل میں بھی اسی زمانہ میں قراءاتِ سبعہ شروع ہوئیں ورنہ اس سے پہلے وہاں بھی صرف قراءتِ حفص ہی ہوتی تھی، آپ نے ارادہ کیا کہ ایک سبعہ عشرہ کے ماہر قاری کو بلایا جائے اور ''فلاح دارین'' میں یہ فن شروع کیا جائے، اس کے لیے آپ نے دور دراز کا سفر کیا اور بہت ہی محنت ومشقت کے بعد آپ کو ایک انمول ہیرا قاری انیس احمد صاحبؒ کی

شکل میں ملا، یہ سب تفصیلات بعض رسالوں میں موجود ہیں۔ ہم جب چہارم میں پہنچے اور تقریباً تعلیم کے چھ ماہ ہو چکے تھے کہ قاری انیس احمد صاحبؒ کی تشریف آوری ہوئی، درجۂ سوم تک تو دونوں قاری حضرات کے پاس طلبہ تجوید اور قراءت عاصم بروایت حفص سیکھتے تھے، اب یہ طے پایا کہ چہارم کی جماعت حضرت قاری انیس احمد صاحبؒ کے پاس سبعہ شروع کرے گی، اس کے لیے نماز عشا کے بعد کا وقت طے پایا، یہ ہماری پہلی جماعت قراءاتِ سبعہ کے لیے قاری صاحب کے پاس تھی، ہم نے شاطبیہ کے کچھ ہی صفحات پڑھے تھے کہ سالانہ امتحان آ گیا، پھر عربی پنجم کے سال میں قراءت کے لیے کوئی وقت نہیں رہا تھا، دوسری جماعتیں سوم چہارم کی آپ کے پاس جاتیں اور بعض شوقین طلبہ خارج میں آپ سے استفادہ کرتے تھے، حضرت مہتمم صاحب کی آرزو اور توجہات اور دوسری طرف استاذ مکرم اور شوقین طلبہ کی محنتیں رنگ لائیں اور دو سال ہی میں یہ درخت پھل آور بن گیا اور الحمد للہ! دو طلبہ نے سبعہ پورا کر لیا تھا۔

سب سے پہلے سبعہ کے دو قاری:

دو سال کی محنت اور قربانیوں کے بعد جب ہم عربی ششم میں پہنچے تو ہمارے بعد کی جماعتوں میں سے دو طالب علم نے سبعہ پورا کیا، ایک قاری محمد امین کاٹھیاواری، دوسرے قاری ہارون سوڈانی، ان کے اعزاز میں جلسہ ہوا اور اس حقیر کو ہی جلسہ کی نظامت سپرد کی گئی تھی، بندہ نے ادارہ، حضرت مہتمم صاحب، استاذ مکرم قاری انیس احمد صاحبؒ اور ان دو طالب علموں کی شان میں ایک مقالہ لکھ کر پڑھا تھا،

اس اجلاس میں قاری انیس احمد صاحبؒ نے آخری دوسورتوں کا اختتام فرمایا تھا، عجیب روح پرور منظر تھا، قاری محمد صدیق صاحب اس وقت ہماری جماعت میں تھے، فراغت کے بعد انہوں نے تخصص فی القراءت کیا، ہمارے حضرت والا کی کوششیں اور توجہات ان کے ساتھ رہیں اور ان کو آگے بڑھانے میں اخیر تک حضرت والا کا کافی تعاون رہا۔

صاحبِ قرآن کا نمونہ:

جب قاری ہارون کا ذکر آیا تو یہ بتلاتے ہوئے مجھے خوشی ہوگی کہ ان کو قرآن مجید سے عجیب شغف تھا، وہ مسجد کے کونہ میں دیوار کے سامنے گھنٹوں بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے، یعنی قرّائے سبعہ کی تمام قراءات کا اجرا کرکے پڑھتے تھے، بہترین حافظ تھے اور قاری بھی تھے، رات دن میں کئی کئی گھنٹوں تک وہ اکیلے قرآن پڑھتے رہتے، گویا قرآن ہی ان کا دوست تھا اور وہ قرآن کے دوست تھے، حضرت مہتمم صاحب کی زبان سے بھی کئی بار ان کی ہم نے تعریف سنی ہے، آج کل مدارس ومکاتب سے بڑی تعداد میں حفاظ اور قرّا نکلتے ہیں، بڑے بڑے جلسے ان کے اعزاز میں کیے جاتے ہیں مگر تلاوت قرآن کی پابندی بہت کم کرتے ہیں، **إلا ماشاء اللہ**، ہاں! منبر ومحراب اور جلسہ وجلوس میں ان کا جوش وخروش اور مہارت دیکھنے کو ملتا ہے حالاں کہ قرآن کا نور تو خلوت کی تلاوت میں چھپا ہے اور آج کل موبائل کی مصیبت نے تو تلاوت قرآن سے اور دور کردیا ہے۔ **وإلیہ المشتکی!**

قاری ہارون صاحب کاایک واقعہ یاد آ گیا،ان کوہندوستانی ویزا کی تکلیف رہتی تھی، ایک مرتبہ وہ حضرت مہتمم صاحب سے اجازت لے کر ویزا کے لیے دہلی گئے، جب واپس آئے توحضرت مہتمم صاحب نے ان سے پوچھا: **یا هارون کیف وجدتهم؟فقال: لاتسأل عنهم یاشیخ، کلهم أکّالون بالسحت**"۔

ایک واقعہ یاد آیا کہ جب ہم شاید مشکاۃ میں تھے اور دفتر میں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک طالب علم آیا اور درخواست پیش کی کہ بندہ عالمیت کی تکمیل کرنا نہیں چاہتا، بل کہ تخصص فی القراءت میں داخلہ چاہتا ہے،حضرت نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے دو تین سال میں بیرون ملک جانا ہے اور اتنا لمبا عرصہ یہاں نہیں رہ سکتا،حضرت نے پوچھا کہ حفظ کے بعد کیا پڑھا؟ اس نے کہا فارسی اول پھر حضرت نے پوچھا، اچھا بتلاؤ،قرآن میں کتنی جگہ عذاب الیم ''ہمزہ'' سے اور کتنی جگہ عذاب علیم ''عین'' سے ہے؟ وہ سوچنے لگا، پھر کہا دو جگہ پر عین سے عذاب علیم ہےاور باقی سب جگہ ہمزہ سےعذاب الیم ہے،حضرت نے سب کوہنسایااور کہا بھائی! تو فارسی رہنے دےاورقراءت بھی بعد میں پڑھ، پہلے عربی کےدو درجات پڑھ، ورنہ بلاعربی سیکھے قاری بنے گا تو کیا کیا گل کھلائے گا، پھر حضرت نے قانون بنا دیا کہ جب تک طالب علم درجۂ عربی دوم وسوم نہ پڑھ لے،قراءت میں داخلہ نہیں ملے گا،اس لیے کہ قاری کو اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں جو پڑھ رہا ہوں اس کا کیا معنی اور مفہوم ہے؟ ورنہ نمازیں فاسد ہوں گی اور اسے معلوم بھی نہیں ہوگا، واقع میں حضرت والا کا یہ فیصلہ بڑا مدبرانہ تھا،آج کل ایسی غلطیاں کافی سننے اور دیکھنے کوملتی ہیں۔

افراد سازی اور خصوصی تربیت :

اس سے پہلے جیسا کہ لکھ چکا ہوں کہ حضرت والا کو ہر علم وفن سے تعلق اور مناسبت تھی اور آپ چاہتے تھے کہ ادارہ کا ہر ہر طالب علم باصلاحیت ہو، ہر علم وفن میں سوجھ بوجھ رکھتا ہو اور جو طالب علم باصلاحیت اور صاحبِ استعداد ہوتا اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے، خاص کر آخری سالوں میں تاکہ وہ کسی کام کا بنے اور کسی صحیح جگہ اسے کام پہ لگایا جاسکے، ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور ذوق کے مطابق تعاون فرماتے، حضرت والا کی ایک عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر سال دورہ کی جماعت کو سالانہ امتحانات کے بعد دفتر میں طلب فرماتے اور کیا حالات چل رہے ہیں اور ان حالات میں علما کی کیا ذمے داری ہے اور عوام میں کس طرح دینی کام کرنا ہے اور عوام کی طرف سے کیا ردعمل ہوتا ہے، مساجد اور مکاتب میں کس انداز سے خدمت کرنی ہے وغیرہ کافی تجربہ کی باتیں فرماتے تھے۔

اگر اس جماعت میں کوئی قابل وباصلاحیت طالب علم ہوتا اور فلاحِ دارین ہی میں گنجائش ہوتی تو یہیں اس کو خدمت کا موقع دیتے، الحمد للہ! حضرت والا کے زمانہ کے تیار کردہ افراد آج اچھی علمی و دینی خدمات میں لگے ہوئے ہیں، جیسے آج کے فلاح دارین کے اکثر اساتذہ حضرت کے ہی پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں، جیسے قاری محمد صدیق صاحب، مولانا اقبال دیولوی صاحب، مولانا خلیل راوت صاحب، مولانا یوسف ٹنکاروی صاحب، مولانا احمد ٹنکاروی صاحب، مولانا ابوبکر موسانی صاحب، مولانا عبداللہ کاوی صاحب، مولانا عبد الرشید خان پوری صاحب اور

دارالعلوم ماٹلی والا کے موجودہ مہتمم مولانا اقبال ٹنکاروی صاحب اور دیگر بہت سے قابل تلامذہ ہیں جو ملک و بیرون ملک میں علیا کی کتابیں پڑھاتے ہیں وہ سب حضرت ہی کے پروردہ اور مربی ہیں جن کی علمی چاشنی سے آج سیکڑوں طلبہ مستفید ہو رہے ہیں، جو آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں، **الحمدللہ علی ذالک!**

جب ہم درجۂ دوم میں تھے اس وقت مولوی خلیل احمد راوت ابھی ادارہ میں پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تھے، اس وقت انہیں اردو کا ایک لفظ بھی معلوم نہیں تھا، مگر حضرت والا نے ان کی تعلیمی نگرانی خود فرمائی اور خود ہی ان کو پڑھاتے رہے یہاں تک کہ چھ سال میں ہمارے ساتھ بخاری میں آ گئے۔

احقر اور ہمارے دارالعلوم لیسٹر کے مدرس جناب حضرت مولانا داؤد کوٹھی صاحب جو آج کل یہاں بخاری شریف پڑھاتے ہیں اور جناب مولانا نیک محمد صاحب آپ ہی کے پروردہ ہیں۔ اگر آپ کے صرف باصلاحیت تلامذہ کی لسٹ (فہرست) اور ان کی خدمات کا ذکر کریں جو ملک اور بیرونی ملک میں قرآن اور حدیث کی خدمت میں مصروف ہیں تو ایک کتاب مرتب ہوسکتی ہے'' **وللہ الحمد!**

قابل اساتذہ کو جمع کرنا:

آپ کو اپنے ادارہ کی ترقی کی فکر ہر وقت رہتی تھی، اس کے لیے باصلاحیت اور قابل اساتذہ کو لا لا کر جمع فرماتے اور قابل اساتذہ کی تلاش میں کئی بار ملک کے دور دراز علاقوں کا سفر کیا، کسی استاذ کا کمال علم تفسیر میں تھا تو کسی کا فقہ وفتاویٰ میں، کسی کا ادب و انشا میں تو کسی کا علم حدیث میں، کسی کا تاریخ اور سیاسیات میں تو کسی کا فن

قراءت میں، مشترکہ طور پر سب ہی کمالات سے متصف تھے؛ الحمدللہ! ہمارے زمانہ میں آپ کی کوششوں سے ہمیں باصلاحیت اور قابل اساتذہ سے پڑھنا نصیب ہوا، جن میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ، حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ، حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ، حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ، حضرت مفتی عبداللہ رویدروی زید مجدہٗ، حضرت مولانا ابوبکر سعید صاحب ترکیسریؒ، حضرت مولانا یعقوب گوراترکیسریؒ، مولانا ایوب سورتی تراجوی صاحب زید مجدہٗ، حضرت مولانا قاری انیس احمد صاحبؒ، حضرت قاری عباس صاحبؒ، قاری محمد صالح مدظلہ وغیرہم ان حضرات میں سے بہت سے اپنے مولا کے پاس چلے گئے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنی شایانِ شان بہترین بدلہ عطا فرمائے اور سب کی بال بال بخشش فرمائے، اگر ان کی خدمات کے واقعات اور تاثرات بھی لکھنے جاؤں تو بات بڑی طویل ہوجائے گی، سفینہ چاہیے ان بحورِ علم کے لیے۔

ایک مرتبہ احقر نے مشکاۃ کے درجہ کے اختتام پر ''دارالعلوم دیوبند'' جانے کا ارادہ کیا اور اس کا ذکر حضرت مہتمم صاحب سے تعلق کی بنیاد پر کردیا تو آپ نے مجھے دفتر میں طلب کیا اور سمجھایا کہ آج اس ادارہ میں جو اساتذہ ہیں وہ سب دیوبند و مظاہر ہی کا فیض ہے، آپ ان کو کم درجہ کا نہ سمجھیں، انہی سے آپ استفادہ کریں، یہاں جو یکسوئی ہے شاید وہاں تم کو نہ ملے، خیر بندہ نے ارادہ ملتوی کردیا اور دوسرے سال ہی دیوبند میں صد سالہ کے بعد انتشار پیدا ہوگیا۔

اکابر علما کی آمد اور ان کی زیارت:

حضرت والا کی نسبت اور تعلقات کی بنیاد پر تقریباً ہر سال ہندوستان کے اکابر علما کی آمد ہوتی اور ان کی زیارت نصیب ہوتی، ان کے مواعظ اور نصائح سننے کا موقع ملتا اور قریب سے ان کو دیکھنے کا موقع ملتا اور کبھی کچھ خدمت بھی نصیب ہوجاتی، ورنہ ان تک رسائی ہمارے لیے بہت مشکل تھی، جن میں قابل ذکر حضرات یہ ہیں:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ، حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ، حضرت مفتی عتیق الرحمان صاحبؒ، حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، حضرت مولانا آفتاب عالم صاحبؒ، حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ، حضرت مولانا عمران صاحب بھوپالیؒ، حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ، مولانا ہارون صاحبؒ اور دیگر اکابر علمائے گجرات، ان سب کی زیارت بحمد اللہ نصیب ہوئی اور انہیں دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔

درجۂ تخصص فی التفسیر کا آغاز:

اور جیسا کہ پہلے یہ بتلا چکا ہوں کہ حضرت والا کو قرآن مجید سے عجیب قلبی لگاؤ رہا ہے، جب ہم ترجمۂ قرآن پڑھتے تھے تب بھی آپ ہمیں مختلف تراجم اور

تفاسیر کی طرف توجہ دلاتے تھے، فجر کے وقت تلاوت کے موقع پر ترجمہ یا تفسیر کی کوئی بات ذہن میں آتی تو متوجہ فرماتے تھے، جب ہمارے دورے کا سال ختم ہونے کے قریب ہوا اس وقت ایک نئی خوش خبری سننے میں آئی کہ حضرت والا نے اساتذۂ کرام سے مشورہ کر کے تخصص فی التفسیر کا درجہ شروع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، اس کے بعد ہماری جماعت کو ایک دن دفتر میں طلب فرمایا اور یہ پروگرام پیش کیا، الحمدللہ! ہماری جماعت میں بعض باصلاحیت اور شوقین طلبہ بھی تھے، انہوں نے فوراً لبیک کہا اور پہلے ہی سال میں ایک اچھی جماعت تیار ہوگئی، جن میں جناب مولانا محمد حنیف ورٹھی صاحب جو آج کل جنوبی افریقہ میں کتب حدیث پڑھاتے ہیں، جناب مولانا الیاس ہتھورنی صاحب وہ بھی جنوبی افریقہ میں کتب حدیث پڑھاتے ہیں، جناب مولانا محمد طیب کاکوسی صاحب جو اپنے وطن میں علیا کی کتابیں پڑھا رہے ہیں اور یہ احقر بھی تیار ہوگیا اور دوسرے اداروں سے تین اور طالب علم آگئے، اس طرح سات طلبہ کی جماعت تیار ہوئی، اساتذہ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا سید ابرار احمدؒ کے پاس ابن کثیر کے زیادہ پارے پڑھے، حضرت مفتی احمد بیماتؒ کے پاس بھی ابن کثیر کے چند پارے تھے، حضرت مولانا شیر علیؒ کے پاس بیضاوی شریف سے سورۂ بقرہ پڑھی، وہ ایسی ٹھوس تھی کہ کوئی پٹھان عالم ہی اسے حل کر سکے اور حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس مفصلات کی سورتیں تفسیر مظہری سے پڑھیں، الحمدللہ تعالیٰ اس ایک سال سے بہت ہی علمی فائدہ ہوا اور قرآن مجید کے دقائق وذخائر کا کچھ علم ہوا اور اساتذۂ کرام کی صلاحیت اور محنت کی دل سے قدر ہوئی،

دوسرے سال بھی یہ درجہ چلا جس میں جناب مولانا قاسم انگار صاحب ترکیسری تھے، جو بعد میں حضرت والا کے داماد بھی بنے، آج کل کینیڈا میں مسجد ابوبکر کے ذمہ دار ہیں اور وہاں ادارہ کھول کر اہتمام کے ساتھ علیا کی کتابیں بھی پڑھا رہے ہیں، وہ پہلے ہماری جماعت میں تھے، مگر درجۂ سوم کے بعد کسی سفر کی وجہ سے ایک سال پیچھے رہ گئے تھے، ہماری جماعت میں جناب مولانا خلیل راوت صاحب تھے جو دورہ کے سال ہمارے ساتھ شریک سبق بنے، ہماری جماعت میں حضرت والا کے صاحب زادہ جناب مولانا محمد کاپودروی دامت برکاتہم بھی تھے جو دورہ کے سال ہمیں چھوڑ کر جلال آباد چلے گئے تھے، جناب قاری محمد صدیق صاحب بھی تھے جو فراغت کے بعد مستقل درجۂ تخصص فی القراءت میں مشغول ہو گئے تھے اور بھی کرم فرما حضرات تھے، اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے۔

آج الحمد للہ! بندہ یہاں برطانیہ لیسٹر جامعہ علوم القرآن میں کئی سال سے تفسیر ابن کثیر پڑھاتا ہے اور دورۂ تفسیر میں اساتذہ سے سنے ہوئے علمی نکات کبھی سناتا ہے تو طلبہ جھوم جاتے ہیں، یہ سب ہمارے حضرت والا مہتمم صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

رسمی فراغت کے بعد حضرت والا کی شفقتیں:

بندہ جب درجۂ مشکاۃ میں تھا اس وقت حضرت مسیح الامتؒ کا گجرات کا دورہ ہوا اور فلاح دارین میں بھی قیام رہا، اس وقت حضرت والاؒ کا عجیب پُرکشش وعظ ہوا، جس نے دل کھینچ کر رکھ دیا، چناں چہ بندہ نے بیعت کے لیے جلال آباد خط لکھا،

حضرتؒ نے پیار بھرا جواب دیا اور لکھا کہ بندہ خدمت کے لیے حاضر ہے، اس جواب نے تو ذبح کر کے رکھ دیا، ماہ مبارک کی تعطیلات میں وہاں حاضر ہوا اور فراغت کے دوسرے سال بھی جلال آباد پہنچا، جلال آباد میں برادرِ عزیز حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے یہ مژدہ سنایا کہ حضرت مہتمم صاحب نے ''دار العلوم ماٹلی والا بھروچ'' میں پڑھانے کے لیے تمہاری بات کر دی ہے، گویا تقرر ہو ہی چکا ہے، تم عید کے بعد جلدی گھر پہنچو اور تیاری کرو، میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کسی دار العلوم میں پڑھانا ہوگا اور یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ہمارے حضرت کی اس سیاہ کار کے ساتھ یہ کرم فرمائی ہوگی، بندہ جب گھر پہنچا تو عید کے بعد استاذ مکرم مفتی عبداللہ صاحب کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ دار العلوم ماٹلی والا کے مہتمم مولانا یعقوب صاحب سے آپ کے بارے میں ہماری بات ہوگئی ہے اور فلاں دن تم کو وہاں پہنچنا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

تادیب وتنبیہ:

بندہ جنوبی افریقہ میں دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھا رہا تھا، اس دوران ایک بار حضرت وہاں تشریف لائے تھے، احقر اور ہمارے رفیق درس جناب مولانا محمد حنیف ورٹھی صاحب ایک ہی ادارہ میں مدرس تھے، حضرت دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے، مگر دو تین سال بعد کسی طرح سے انگلینڈ کو آنا ہوگیا، یہاں گلوسٹر میں امامت اور مکتب کی خدمت انجام دے رہا تھا، ان ہی دنوں حضرت والا کا برطانیہ کا

سفر ہوا، بندہ ملاقات کے لیے دوستوں کے ساتھ لندن پہنچا، ملاقات تو ایک طرف رہی، حضرت نے مجھے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کردیا کہ یہاں انگلینڈ کیوں آئے؟ یہاں تمہارا کیا رکھا ہے؟ تم وہاں احادیث پڑھاتے تھے، یہاں کیا کھانے آئے ہو، ایسے ناراض ہوئے کہ بندہ سب کے سامنے شرمندہ ہوگیا، واللہ یہ ناراضگی صرف اورصرف تعلق کی بنیاد پر تھی کہ ہم نے کتنی محنت سے افراد تیار کیے اور وہ کام کی جگہ چھوڑ کر کہاں چلے جاتے ہیں، آپ ہی کی دعائیں تھیں کہ دوبارہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی فضل وکرم اورمہربانی سے اس نالائق کواحادیث پاک کی خدمت میں لگادیا اور دار العلوم لیسٹر میں جگہ دی، اللہ تعالیٰ ستاری وغفاری کا معاملہ فرما کر اسے قبول فرمالے۔

واللہ إنہ لبحر:

بندہ جب گلوسٹر میں تھا ابتدا میں وہاں مکتب میں نظام تھا اور نہ کوئی معقول نصاب، بندہ نے ارادہ کرلیا کہ کھوئی ہوئی متاع واپس حاصل کرنا ہے، اس لیے اپنے دوتین دوستوں سے مل کر محنت شروع کی اوراسی مکتب میں عربی کی ابتدائی کتابیں بھی شروع کردیں، کچھ طلبہ صرف ونحواور ریاض الصالحین اورترجمۂ قرآن بھی پڑھنے لگے تھے، انہی دنوں میرے بیٹے محمد اویس کا حفظ قرآن پورا ہورہا تھا اورحضرت والا کی آمد برطانیہ میں ہوئی، مکتب میں امتحانات کے ایام تھے، احقر نے حضرت والا کو دعوت دی، محبت سے تشریف لائے، درجۂ دوم کے طلبہ کا امتحان لیا، خوشی کا اظہار کیا اورشام عصر کی نماز کے بعد مسجد نور میں حفظ کا ختم اورحضرت کا بیان تھا، کھانے کی دعوت کا بھی انتظام تھا، ان دنوں گلوسٹر میں عراق سے دو عرب نوجوان انگریزی زبان

سیکھنے کے لیے آئے ہوئے تھے، اچھے دین دار تھے اور علمائے عرب سے ان کا تعلق بھی تھا، احقر نے ان کو گھر پر مدعو کیا، وہ حضرات دیر تک حضرت والا سے محو گفتگو رہے، بعد میں ان کا کہنا تھا، **أھو شیخکم؟** میں نے کہا **نعم! تعلمت عندہ عشر سنین،** انہوں نے کہا، **واللہ إنه لبحر،** قسم بخدا یہ تو علم کا سمندر ہیں۔

ایک مزاحیہ واقعہ:

کھانے کے بعد احقر نے کوئی میٹھی چیز پیش کی تو حضرت نے ان عرب جوانوں سے فرمایا، ابھی کھانا ختم نہیں ہوا، ابھی کچھ کھانا باقی ہے، پھر فرمایا کہ ایک عرب عالم کا جملہ ہے **"إن في البطن لخلوة، لا یملأھا إلا الحلوة"**۔

ایک عالم دین کی شہادت:

ایک مرتبہ لیسٹر میں ایک عالم دین کی تشریف آوری ہوئی جن کے ساتھ حضرت والا کا ذکر خیر ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے گجراتی علما میں یہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب ایک ایسے عالم ہیں جو بہترین عربی بولتے ہیں اور عرب علما سے ان کے تعلقات ہیں اور عرب علما کی کتابوں پر بھی ان کی گہری نظر ہے، وہ ایسی ایسی کتابوں کا مطالعہ کر چکے ہیں جن کا نام بھی ہم نہیں جانتے، واقع میں آج بھی اس عمر اور معذوری کے باوجود آپ کو علم ہو جائے کہ کوئی نئی کتاب آئی ہے تو ضرور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور ہمیں بھی متوجہ فرماتے ہیں اور کبھی کبھی یاد فرما کر ہندوستان سے ہمارے لیے کتابیں بھی بھیجتے ہیں، ایسا علمی ذوق وشوق آج ہم علما میں مفقود ہے۔

آج ہمارے تعلیمی دور کو تیس سے زائد سال ہو چکے مگر حضرت والا کی شفقتیں اور محبتیں اپنے مخصوص طلبہ کے ساتھ اسی طرح سے قائم ہیں جس طرح دور تعلیمی میں تھیں، حضرت والا کی جب بھی برطانیہ آمد ہوتی ہے تو ضرور ہمارے غریب خانہ پر تشریف لا کر کرم فرمائی کرتے ہیں، حضرت کے صاحب زادگان جناب مولوی اسماعیل صاحب اور جناب حافظ ابراہیم صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ جب بھی حضرت والا کا برطانیہ کا سفر ہوتا ہے بندہ کو یاد رکھ کر مہمانی کا شرف عطا فرماتے ہیں اور تکلفات سے دور بالکل سادگی سے گھر پر آرام فرماتے ہیں، اس دوران جب کوئی ملنے آجاتا تو اپنے آرام کے بجائے آنے والے کا خیال فرماتے اور ان سے ملتے اور گفتگو فرماتے، اگر شہر میں کوئی رشتہ دار ہے یا کوئی تعلق والا ہے تو خود ہی یاد فرما کر ان کو ملنے جاتے تھے۔

اکابر کا حضرت کے ساتھ احترام واکرام کا معاملہ:

ہندوستان کے بڑے بڑے علما کو ہم نے آپ کے ساتھ محبت اور احترام کا معاملہ کرتے دیکھا ہے، ایک مرتبہ بندہ شعبان کے اواخر میں جلال آباد جا رہا تھا، سورت یا بھروچ اسٹیشن پر حضرت والا کو جناب حاجی ابراہیم پاڑیہ صاحبؒ کے ساتھ دیکھا جو جنوبی افریقہ کے امیر جماعت تھے، آپ نے علیک سلیک کے بعد پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، احقر نے عرض کیا جلال آباد جانا ہے، فرمایا، ٹھیک ہے ہمارے ساتھ ہو جایئے، ہم بھی دہلی و دیوبند کے سفر پر ہیں، اس کے بعد تم جلال آباد چلے جانا، الحمد للہ! اس سے اچھی کیا رفاقت ہو سکتی تھی، بندہ خوش ہو گیا، دہلی مسجد عبد النبی میں ایک رات رہے، آپ کے ساتھ ساتھ دہلی کے اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں پھر

دیوبند گئے، یہاں دارالعلوم کے مہمان خانہ میں قیام رہا پھر حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی خدمت میں چھتہ مسجد حاضر ہوئے، حضرت مفتی صاحبؒ دیکھتے ہی کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا نہیں حضرت! آپ تشریف رکھیں، تکلیف نہ اٹھائیں، اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا، ہمارے یہاں قیام کے مسئلہ میں تشدد نہیں ہے، پھر دونوں بزرگ دیر تک باتوں میں مصروف رہے، ساتھ میں حاجی پاڑیہ صاحب بھی تھے جو اکابر علما کی خدمت میں تحفے وہدیے پیش کرتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا ہمارے کوسمبا میں جمعیۃ کے سلسلے میں پروگرام تھا، دوسرے دن وہاں سے موسالی اور کوساڑی جانا تھا، بندے کو خدمت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، حضرت کے ساتھ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیریؒ بھی تھے، اس وقت بندہ بھروچ میں مدرس تھا اس لیے آپ مجھ سے واقف تھے، انہوں نے مجھ سے کہا، آپ بھی کوساڑی چلیں گے؟ بندہ نے سواری نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ حضرت ہی کی کار سے چلیں، میں تیار ہوگیا، راستہ میں جب ترکیسر سے گزرنے لگے تو مولانا عبدالصمد صاحبؒ نے فلاح دارین کا ذکر چھیڑا اور حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے کہنے لگے کہ فلاح دارین کافی ترقی کرگیا، مگر کچھ لوگ مولانا عبداللہ صاحب کو پریشان کررہے ہیں اس پر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے ارشاد فرمایا، جس وقت مولانا عبداللہ صاحب نہیں رہیں گے یہ سب کچھ رونق ختم ہوجائے گی، یہ سب ان کی محنتوں کی برکات ہیں۔

فراغت کے بعد بندہ ''دارالعلوم ماٹلی والا'' میں مدرس تھا مگر ہمارے گاؤں کوسمبا والوں نے مجھے کمیٹی میں شامل کیا اور مکتب کا تعلیمی نظام مجھے سپرد کیا، بندہ نے

مکتب کے سالانہ جلسہ میں حضرت کو مدعو کیا تو حضرت شفقت فرماتے ہوئے احقر کی ہمت افزائی کے لیے تشریف لائے، جلسہ ہوا، گاؤں کے پڑھے لکھے حضرات بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، ایک کمیٹی ممبر نے کھڑے ہوکر گجراتی میں حضرت کا تعارف کرایا اور کہا کہ راندیر کے حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ کے بعد اب مولانا عبداللہ صاحب کی شخصیت ہے جو ایک باہوش اور مدبر مہتمم ہیں جنہوں نے اپنے ادارے کو ترقی کے بام عروج تک پہنچادیا، آپ ہم سب گجراتیوں کے لیے باعث عزت وفخر ہیں وغیرہ کلمات آپ کی شان میں کہے۔

ایک مرتبہ جنوبی افریقہ میں تبلیغی اجتماع تھا، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ تشریف لائے ہوئے تھے، علمائے کرام کا الگ پروگرام تھا، پروگرام کے بعد کھانا تھا، اتفاق سے دسترخوان پر حضرت مولانا محمد عمرؒ کے قریب ہی میری نشست تھی، آپ نے مجھ سے کہاں کے ہو، کہاں پڑھا، کہاں پڑھاتے ہو، کیا پڑھاتے ہو وغیرہ سوالات کیے، تفصیل سن کر آپ نے فرمایا، ماننا پڑے گا، فلاح دارین ترکیسر نے افراد پیدا کیے ہیں ماننا پڑے گا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کا قول سنا ہے کہ گجراتیوں نے حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی قدر نہیں کی، آپ صرف گجرات ہی نہیں بل کہ پورے ہندوستان کے اداروں میں ایک بے مثال مہتمم ہیں، جو ایک باصلاحیت صاحب تدبر اور صاحب تجربات ہیں، اگر کوئی حکومت بھی آپ کو دے دی جائے تو آپ اپنی صلاحیت و تدبر اور تجربات سے چلا سکتے ہیں، اکابر کا یہ حسن ظن اور تعریف حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی قابلیت اور مقبولیت اور آپ کے مخلص ہونے کی دلیل ہے۔ **فتقبل اللہ منہ!**

حضرت مہتمم صاحب اور ہمارے اساتذہ، اصحابِ فکر ونظر اور صاحبِ دل حضرات تھے، جن کی نظریں، دعائیں، شفقتیں اور محبتیں اس ادارہ کی رونق وزینت اور روح تھیں جو تادیر نہ رہ سکی۔

"کل من علیھا فان، ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والإکرام"

ادارے شخصیات کے اقدام اور ان کی برکات سے عروج پاتے ہیں اور محفوظ رہتے ہیں اور ان کے فقدان سے خیر و برکات کا بھی فقدان ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت والا کو اور تمام اساتذۂ کرام کو دارین کی سعادتیں، خصوصی مہربانی اور رضا نصیب فرمائے اور اپنا قرب وجوار نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

یہاں بندہ نے اختصار کے ساتھ چند باتیں جو ذہن میں آرہیں تھیں وہ لکھ دیں ہیں ورنہ حقیقت ہے کہ "سفینہ چاہیے اس بحرِ بےکراں کے لیے"

الٰہی فضل سے تیرے پاویں یہ شرف قبول
تنکے کچھ چنے ہیں میں نے اپنے آشیانے کے لیے

حضرت والا کی زندگی کے قابل اتباع اور باعث فخر تجربات بے شمار ہیں، اگر حضرت کے تلامذہ اور متعلقین سے ان جیسے واقعات کو جمع کیا جائے تو ایک بڑی کتاب اور اچھی سوانح مرتب ہوسکتی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایۂ عاطفت کو باصحت و کرامت دوام بخشے اور ہم خردوں کو آپ کے چشمۂ فیض سے فیض یاب ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

مفکر ملت، حضرت اقدس
مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کا
بے مثال اہتمام وطریقۂ تعلیم وتربیت

بقلم
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب فلاحی ٹنکاروی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر
وخلیفۂ اجل حضرت شیخ محمد یونس صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیرینہ تمنا تھی کہ اپنے محسن ومربی، اپنے ہی نہیں کل فلاحی برادری کے بل کہ کل مدارس دینیہ کے، ارے پوری ملت اسلامیہ کے دلِ دردمند کے متعلق اپنے جذبۂ تشکر وامتنان پیش کروں، مگر ہر چیز کا ایک وقت رب العالمین کے یہاں مقرر ہے۔ "**إذا جاء ذالک الوقت لا یؤخر**" کے اصول پر اب اس وقت یہ سعادت میسر آرہی ہے۔ **والحمد للہ علی ذالک!**

۱۹۶۹ء کے داخلے سے ۱۹۷۹ء میں فراغت تک ایک طالب علم کی حیثیت سے حضرت والا کے طویل سایۂ عافیت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے مجھ جیسے کتنے ہی ننھے منے بچوں کے سروں پر ہاتھ رکھا اور اپنی پدرانہ شفقتوں اور مادرانہ ممتاؤں سے ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور مدرسہ کے اس اجنبی ونامانوس ماحول کو مانوس بنادیا اور ہر ہر طالب علم کی چھوٹا ہو یا بڑا تعلیم وتربیت سے متعلق یہ کہوں تو بے جانہ ہوگا کہ اپنی اولاد سے زیادہ دلچسپی کا ثبوت دیا، جس نے ہر فرد کو آپ کا گرویدہ بنادیا۔

ذکر خیر امی جان رحمۃ اللہ علیہا:

آپ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ رمضان کا مہینہ تھا، ساؤتھ افریقہ کے کچھ طلبہ مدرسہ ہی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت والا نے امی جان سے تذکرہ کیا؛ امی جان تو امی جان تھیں، بقول مولانا محمد فاروق صاحب دیسائی دامت برکاتہم جوانہوں

نے امی جان کے انتقال پر تعزیتاً فرمایا تھا کہ آپ کے اہتمام کی کامیابی کا راز اور اس کا سہرا مرحومہ مغفورہ کے سر جاتا ہے۔ حضرت والا نے خود فرمایا کہ اہتمام میرے حوالہ ہو رہا تھا تو سب سے پہلے گھر والوں ہی سے مشورہ کیا تھا کہ یہ لوگ ایسا سوچ رہے ہیں جس میں مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت رہے گی۔ امی جان نے پوچھا میرے کس نوعیت کے تعاون کی ضرورت ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ وقت بے وقت مہمانوں کی آمد ہوگی ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہوگا کہ اس وقت ترکیسر میں کوئی خاص ہوٹل نہیں تھے۔ امی جان نے فرمایا کہ اس کی فکر نہ کرو میں خدمت کے لیے تیار ہوں۔ جب آپ نے ہمت کی اور پھر امی جان نے اس عہد کو ایسا نبھایا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مدرسہ ہے، ادارہ ہے؛ لوگ کہاں کہاں سے شوقِ زیارت لیے آتے ہیں۔ پھر حضرت والا کی پُرکشش شخصیت؛ لہٰذا واردین وصادرین کا تانتا بندھا رہتا تھا؛ کیا خواص کیا عوام۔ پھر آپ کے اخلاق کریمانہ سے بعید تھا کہ مدرسہ کی نسبت سے کوئی آئے اور بے کھائے پیئے چلا جائے۔

ایک لطیفہ:

ایک مرتبہ ایک خاص جگہ کے کچھ مہمان آئے، حضرت نے گھر کہلا بھیجا کہ چھ یا سات مہمان ہیں، امی جان نے اس حساب سے کھانا تیار کیا۔ وہ مہمان حضرت کے ساتھ تشریف لائے؛ دستر خوان لگ گیا، سب بیٹھ گئے، کھانا شروع ہو گیا۔ مہمان ایسے جم کر بیٹھے کہ اٹھنے کا نام نہیں، اپنا ہی نہیں گھر والوں کا کھانا بھی ختم، عصائے کلیم کی

طرح کل میدان صفا چٹ، کعبہ کے ساتھ ساتھ کربلا کو بھی جھاڑو دے دیا۔ امی جان نے تعجب سے پوچھا کہ مہمان کافی بھوکے معلوم ہوئے۔ بچوں کا کھانا بھی ندارد، حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ فلاں جگہ کے مہمان تھے تو امی جان کہنے لگیں اگر پہلے بتا دیتے تو میں اس حساب سے کھانا پکاتی۔

بعض مرتبہ دوپہر کے وقت جب حضرت والا کھانا تناول فرما کر قیلولہ کے لیے لیٹے ہی ہیں کہ مہمان آ گئے۔ معلوم ہوا کہ کھانا نہیں کھایا، اس وقت امی جان تازہ کھانا پکاتیں اور مہمانوں کو کھلاتیں۔ اللہ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائیں اور **جنة الفردوس** میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین!

میں تو طلبہ سے شفقت کا قصہ بیان کر رہا تھا۔ حضرت والا نے گھر پر ذکر کیا کہ بیچارے بیرون ملک کے طلبہ ہیں یہ لوگ کہاں جائیں گے؟ ان کے افطار کا انتظام کرنا چاہیے؛ چناں چہ امی جان ان کے لیے یہاں کے دستور کے مطابق افطار تیار کرتیں۔ جس میں سموسے، پکوڑے، فیرنی کئی طرح کی چیزیں ہوتیں۔ حضرت والا خوانچہ مسجد میں منگواتے اور ان طلبہ کے ساتھ بہ نفس نفیس افطار فرماتے، جسے ایسا مشفق ومحسن مربی مل جائے اس کو کہاں گھر یاد آ سکتا ہے۔

درشتی ونرمی بہم رواست:

باقی تربیت کے معاملے میں حضرت بالکل فروگذاشت نہیں فرماتے تھے، ''کسے باشد'' باحسنِ وجوہ تادیب وتربیت فرماتے تھے۔ اپنا قصہ خود ذکر کردوں: میں بیمار بہت رہتا تھا، مہینہ دو مہینہ ہوا نہیں کہ بیمار؛ ''نزلہ، زکام، کھانسی قومی نشان

ہمارا'' کا مصداق تھا۔ اب بیمار ہوا، ایک دن، دو دن، چار دن اب جی چاہتا کہ رخصت لے کر گھر جاؤں؛ علاج و معالجہ کے بعد واپس آ جاؤں گا؛ لیکن سب سے کٹھن مرحلہ رخصت کا، حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے رعب اس قدر دیا تھا کہ چھٹی والے دفتر کے قریب جا جا کر واپس آ جاتے۔ بہت ہمت کر کے دفتر میں چلے بھی جاتے تو ایسا جواب ملتا جولا جواب ہوتا اور لا جواب کر دیتا۔ طالب علم اپنا سا منہ لے کر واپس ہو جاتا۔ اب میرا قصہ عرض کروں؛ میں بھی بہت ہمت کر کے چھٹی لینے جاتا، فرماتے کیا ہوا، حضرت بیمار ہوں تو فرماتے دوائی لاؤ، عرض کیا گھر جانا چاہتا ہوں، اب کیا فرماتے کہ ترکیسر کے لوگ بیمار ہوتے ہیں یا نہیں؟ عرض کیا ہاں، فرمایا کہ کیا یہ سب تمہارے گاؤں ٹنکاریہ دوائی لینے جاتے ہیں؟ نہیں کے علاوہ اس کا کیا جواب ہوسکتا تھا، فرمایا بس تم بھی یہیں سے دوائی لاتے رہو ٹھیک ہو جاؤ گے۔

اس میں بھی شفقت بھری تربیت کے سوا کچھ نہیں تھا کہ طالب علم بیمار ہو کر گھر گیا اتنے دن مدرسہ کے ماحول سے کٹ جائے گا، جس کا اثر بددلی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب جب آئے گا اس کی طبیعت لگنے میں کئی روز گزر جائیں گے، پھر فوت شدہ اسباق کے تدارک کے لیے زیادہ ہی دل جمعی چاہیے جو نصیب نہ ہوگی۔ بہت ممکن ہے کہ بددل ہو کر راہ فرار اختیار کر جائے اور لکھنے پڑھنے ہی سے رہ جائے۔ یہ راز تھا جو اس وقت کم سمجھ میں آتا تھا۔ بہر حال آپ کی پوری کوشش رہتی کہ طلبہ مدرسہ کے ماحول سے کٹنے نہ پائیں اور دل جمعی سے اپنے کام میں لگے رہیں۔

فہم وفراست:

اور مربی کے لیے جس قدر علم وادراک اور فہم وفراست کی ضرورت ہوتی ہے حضرت والا کو قدرت نے اس سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لینا آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ایک ہی نظر میں کون، کیسا، کس کام کا اس کا اندازہ لگانا آپ کے لیے ذرہ برابر مشکل نہیں تھا، نہ آپ کو اس میں لمبا سوچنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ایسے مدبر اور دور اندیش کہ نظر سیدھے عواقب پر چلی جاتی، یہی وہ اوصاف ہیں جس میں آپ کے اہتمام کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک طالب علم دفتر میں داخل ہورہا ہے، ضعف ونقاہت کے آثار نمایاں، بدن پیلا یرقان کا شکار، آہستہ آہستہ چلتا ہوا بہت مشکل سے بیٹھ پایا، بات کرنے کی سکت نہیں۔ حضرت والا: بھائی کیا ہوا؟ حضرت پیلیا ہوگیا؛ کئی روز سے دوائی ہورہی ہے کوئی فائدہ نہیں، ہاتھوں پر بھی یرقان کا اثر نمایاں۔ حضرت تھوڑی دیر اس بچے کو غور سے دیکھتے رہے، کچھ دیر بعد سپروائزر کو بلاکر فرمایا کہ اس بچے کو حوض پر لے جاؤ، صابن کمرے سے منگوالو، خوب اچھی طرح اس کو وضو کرادو، ہاتھ منہ ذرا رگڑ کر دھلا دو۔ بیچارہ کئی روز سے بیمار ہے ذرا ہاتھ منہ دھولے گا تو فریش ہوجائے گا، اس کو ہلکا پن محسوس ہوگا۔ حضرت تو یہ کہہ کر اپنے کام میں لگ گئے، اب سپروائزر صاحب ہیں اور وہ طالب علم، وہ اٹھا رہے ہیں؛ یہ اٹھنے کا نام نہیں لیتا، اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار۔ جب دیر ہوگئی تو حضرت نے فرمایا جاؤ بھائی کیا بات ہے؟ بچے کے

چہرے پر شرمندگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ حضرت نے فرمایا: دھوکا مت دو، جھوٹ مت بولو، تمہیں یرقان ہوا ہی نہیں، یہ سب ڈھونگ تم نے گھر جانے کے لیے رچایا ہے، توبہ کرو آیندہ ایسا ہرگز مت کرنا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اس کو غور سے دیکھا؛ نہ اس کے بدن پر ضعف کے کوئی آثار تھے، خاص طور پر اس کی جیب کے دونوں حصے جہاں سے ہاتھ داخل کرتے ہیں پیلے تھے۔ میں نے تاڑلیا کہ یہ سب ہلدی ولدی کی زردی ہے۔ ہلدی لگا ہاتھ جیب میں داخل کر دیا ہوگا اس کا ذہن ادھر نہیں گیا مگر اللہ پاک نے اس کی جیب کو اس کے جھوٹ پر شاہد بنا کر پیش کر دیا؛ مگر بات یہ ہے کہ یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔

ایک اور لطیفہ:

بچے کس طرح اساتذہ کو دھوکا دیتے ہیں اس سلسلے میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک روز طلبہ نے مشورہ کیا کہ آج سبق کی چھٹی کرانی ہے، منصوبہ بنالیا کہ استاذ صاحب آئیں گے تو ایک کے بعد ایک سب یہی کہیں گے کہ حضرت کیا بات ہے چہرہ اترا ہوا ہے، نقاہت معلوم ہو رہی ہے، طبیعت خراب ہے کیا؟ استاذ صاحب خوب اچھا ناشتہ کر کے صحیح سالم تندرست گھر سے تشریف لائے۔ درس گاہ میں داخل ہوئے، ابھی مسند نشیں ہوئے ہی تھے کہ حسب پروگرام عیادت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بس اُدھر سے انکار اِدھر سے اصرار کہ نا حضرت کچھ تو ہے ہی بالآخر استاذ صاحب سچ مچ اپنے آپ کو بیمار سمجھ کر گھر ہی روانہ ہو گئے۔ بیوی نے پوچھا کیا ہوا؟ ابھی گئے تھے واپس بھی آ گئے۔ کہنے لگے ارے کچھ مت پوچھو طبیعت ٹھیک نہیں؛ ذرا لیٹوں گا چادر

اڑھادو۔ بیوی نے کہا ارے کہو تو سہی ہوا کیا ہے؟ تو آپ نے طلبہ کی بیمار پرسی کا قصہ سنایا۔ بیوی ہنسی اور کہنے لگی کہ ان کو سبق کی چھٹی کرانی ہوگی؛ تم کو اس حیلہ سے گھر رخصت کر دیا۔ واقعی طلبہ کی تعلیم وتربیت میں ایسے سیدھے سادے لوگوں کا کام نہیں۔

حضرت والا کے دورِ اہتمام کے آپ کی تعلیم وتربیت سے متعلق اس قدر واقعات ہیں جس کے لیے مستقل دفتر درکار ہے۔ ساتھ ہی آپ نے اپنا ستائیس سالہ دور اہتمام کس جواں مردی سے گزارا اور اچھے اچھوں کے قدم اکھاڑ دینے والے ناموافق حالات میں جس پامردی کا ثبوت دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ قلم پر خود ہی آ گیا تو دو لفظ لکھ دیا ورنہ نہ اس وقت ضرورت نہ مصلحت، اشارہ ہی کافی ہے۔

فن معرفت رجال:

معرفت رجال میں آپ اپنی مثال آپ ہیں؛ چناں چہ آپ کے دور اہتمام میں جب مدرسہ کو مدرس کی ضرورت ہوتی تو گھر بیٹھے آدمی کا انتظار نہ فرماتے بل کہ خود ہی پورے ہندوستان کے طول وعرض کا سفر فرماتے۔ مراکز ومدارس کے رجال سے ملتے اور اپنی ضرورت کو پیش کرتے۔ چناں چہ شعبۂ تجوید وقراءات کے سلسلہ میں آپ کے دل میں قراءاتِ سبعہ وعشرہ کی تعلیم کے جذبات موجزن ہوئے۔ بس کیا تھا دیوبند، سہارن پور، علی گڑھ، لکھنؤ کا مستقل سفر فرمایا۔ جہاں معلوم ہوا اس فن کا آدمی ہے وہاں خود تشریف لے گئے، حتیٰ کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے جوئندہ یابندہ کے اصول پر جناب قاری انیس احمد خان صاحبؒ کی شخصیت مل گئی۔ قاری صاحبؒ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں مدرس تھے اور ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرہ میں قیام رکھتے تھے۔ جب ان

سے درخواست کی تو فرمایا کہ اگر کچھ طلبہ مل جائیں تو آ سکتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ نماز نہیں پڑھاؤں گا، خطبۂ جمعہ نہیں دوں گا، جلسہ میں نہیں پڑھوں گا۔ غرض ایک قاری کی شناخت جن چیزوں سے ہوتی ہے ہر ایک سے آپ نے انکار کر دیا، نہ آپ ترتیلاً قرآن پاک خود پڑھ سکتے تھے؛ لیکن حضرت والا کی جوہر شناس شخصیت نے تاڑ لیا کہ آدمی میرے من کا اور اپنے فن کا ہے، چناں چہ ساری شرائط منظور فرمالیں، یہاں آنے کے بعد بھی ان کو مکمل آزادی کے ساتھ ان کی اپنی طبیعت کے موافق پڑھانے کا موقع دیا۔ قاری صاحب مرحوم کا مزاج بہت نازک ولطیف تھا، اپنی مرضی سے پڑھاتے، جس کو چاہتے پڑھاتے؛ مگر حضرت والا نے اس سلسلہ میں ان کو بالکل پابند نہیں کیا؛ نہ یہ کہ ہر سال کوئی جماعت سبعہ وعشرہ کی تکمیل کر کے فارغ ہو۔ اس وقت اس ذہن کا مہتمم عنقاء ہے مگر آپ کی دیدۂ بینا دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص کام کر کے دے گا؛ چناں چہ قلیل مدت میں آپ نے ایک کھیپ تیار کر کے اپنی میراث میں چھوڑا جس کے سرخیل صدیق محترم، جناب قاری محمد صدیق صاحب کی شکل میں مدرسہ کو فراہم ہوئے۔ اب حضرت والا اور مرحوم حضرت قاری انیس احمد صاحبؒ کے ملے جلے اخلاص کی برکت سے یہ شجرۂ طوبیٰ **"أصلها ثابت و فرعها في السماء"** کا مصداق بن کر ایک عالم کی تجوید وقراءات کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔

ایک ضروری بات:

مگر اس معاملہ میں نہ ہی کسی کو آپ کی نقل کی دعوت دی جا سکتی ہے نہ ترغیب، ہاں! جس کو اس درجہ کی معرفتِ رجال ہو تو پھر اس کو خواہ مخواہ ایسے لوگوں

سے تعرض نہیں کرنا چاہیے، ان کو میدان فراہم کرنا چاہیے کہ ''مزدور خوش دل کند کار بیش''۔ نیز قاری صاحبؒ اپنی فطری نزاکت وطبیعت کی وجہ سے معذور تھے؛ لہٰذا ہم جماعتِ مدرسین کو بھی قاری صاحب کی نقل نہیں اتارنی چاہیے، **هذا ما عندي و الله أعلم بالصواب!**

تائیدِ خداوندی:

پھر چوں کہ آپ کو مدرس کی تلاش رہتی، فکر رہتا تو تائیدِ خداوندی بھی شاملِ حال رہتی۔ اس سلسلہ کا ایک قصہ حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحبؒ کے تقرر کا خود انہی کی زبانی سنتے چلیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ۱۹۶۶ء میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تعلیم جاری رکھنے کا اشتیاق دوبارہ دیوبند لے گیا، ابھی کچھ روز ہوئے تھے کہ ایک رات خواب دیکھا کوئی کہہ رہا تھا کہ ذو الفقار گجرات میں ایک مدرسہ ہے جسے ایک شخص چلاتا ہے، وہ بلائیں تو چلے جاؤ اور وہیں کے ہو کر رہ جاؤ۔ دوسرے روز ''دار العلوم فلاح دارین'' کے جوہر شناس مہتمم حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم دیوبند پہنچے اور مولانا ارشد مدنی دامت برکاتہم کی وساطت سے حضرت مولانا سید ذو الفقار احمدؒ کا تقرر عمل میں آیا اور اپنے مقام جہاں ان کو فٹ کر دیا ایسے فٹ ہوئے اور سیٹ ہوئے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ خود حضرت والا کے لیے بھی انتظام و اہتمام کے امور میں بڑے معاون ثابت ہوئے۔ دونوں حضرات ایسے مدبر و دور اندیش تھے کہ ہم طلبہ میں مشہور تھا کہ اگر ان کو ملک کا وزیر اعظم بنا دیا جائے تو پورے ملک کا نظام بھی سنبھال لیں گے۔

تخصص فی الاہتمام قائم فرمادیتے:

حضرت والا کو انتظامی امور میں وہ درک حاصل تھا کہ دیگر تخصصات کے شعبوں کی طرح اگر حضرت تخصص فی الاہتمام کا شعبہ بھی کھول دیتے تو لوگوں کو اہتمام کسے کہتے ہیں معلوم ہو جاتا اور اس وقت اس منصب کی راہ سے جو فتنے مدرسوں میں وجود پا رہے ہیں بہت حد تک اس کا سد باب ہو جاتا؛ مگر کوئی میری اس رائے کو جذباتی اور اعتقاد ومحبت کی راہ میں کہی جانے والی بات سمجھے گا تو میں اس کا دستاویزی ثبوت پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی تشریف آوری مدرسہ میں ۲۴ر جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۰ر مارچ ۱۹۸۳ء بروز پنج شنبہ ہوئی۔ مدرسہ کا معائنہ فرما کر آپ نے جو تاثرات پیش فرمائے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم

> آج بتاریخ ۲۴ر جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ بروز پنج شنبہ مدرسہ 'فلاح دارین' ترکیسر میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مدرسہ میں بہت سی ایسی باتیں دیکھنے میں آئیں، جن کا آج کل دینی مدارس میں فقدان ہے، دینی مدارس کے ذمے دار حضرات اور مدرسین کو چاہیے کہ آکر اور کچھ دن رہ کر کام کرنے کا سلیقہ سیکھیں۔ الخ۔"

واقعتاً حضرت والا اپنے تجربات کی روشنی میں اس موضوع پر مستقل کتاب لکھ سکتے ہیں، ہم شاگردوں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ حضرت اس قسم کے واقعات ہی قلم بند فرما دیں؛ مگر اس راہ میں قلم اٹھانا اور قدم بڑھانا مقدر نہ ہوا۔ ورنہ ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آتا جو آنے والوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوتا۔

ملک کی عالمگیر شخصیات کو دعوت یا آئینۂ معائنات:

آپ نے اپنے دور اہتمام میں خاص طور سے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ طلبہ میں خود اعتمادی پیدا کریں، ان کے دلوں سے مرعوبیت ختم ہو، بلند حوصلگی اور ہمت مردانہ سے دنیا کے کسی بھی خطے میں دین کا کام کریں، اپنی اصلاح وتربیت کی فکر کریں اور علم کے ساتھ عمل کی راہ میں بھی پیش قدمی کریں۔ اس جذبہ کی تکمیل کے لیے آپ وقتاً فوقتاً ہند وبیرون ہند کے مشائخ کو مدعو فرماتے۔ طلبہ جہاں ان عبقری شخصیات کی زیارت سے مشرف ہوتے وہیں بطور ویزٹ ومعائنہ عمارتوں سے زیادہ ان آنے والے مہمانوں کو طلبہ کی درس گاہوں میں لے جا کر حرکت علمیہ کا معائنہ کراتے، آنے والے مہمان طلبہ سے سوالات کرتے، طلبہ جوابات دیتے۔ اس طرح طلبہ کے قلوب سے مرعوبیت ختم فرماتے۔ پھر ان کے مفید مشوروں سے مستفیض ہوکر اپنے نظام تعلیم وتربیت میں اس کا اجرا فرماتے، نیز ان شخصیات کے بیانات و محاضرات کے ذریعہ طلبہ کو ان کے علوم سے استفادے کے مواقع فراہم فرماتے۔

ظاہر بات ہے کہ ملک وبیرون ملک کی اہم شخصیات سے ملنے سننے کے بعد حوصلوں کو کس قدر بلندی ملتی ہے اور لکھنے بولنے اور ملنے جلنے کے طور وطریق کی کس قدر راہیں کھلتی ہیں وہ تجربہ ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہی حضرات کی آمد ورفت کے نتیجہ میں طالب علم اپنی پسندیدہ شخصیت کا انتخاب کرتا ہے۔ آنے والی شخصیات جن اداروں سے آتی ہیں ان اداروں کا انتخاب کرتا ہے اور فراغت کے بعد اپنے علمی سفر کو جاری رکھنے کی اس کو راہ ملتی ہے۔ مشائخِ طریقت میں سے جن سے مناسبت معلوم ہو

ان سے اپنا اصلاحی وتربیتی تعلق قائم کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند دستاویزات پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں جن میں آنے والے ان اہل علم وفن کے تاثرات کے ذریعہ حضرت والا کے نظم ونسق اور ذوق تعلیم وتربیت پر روشنی پڑتی ہے۔

ابتدا اس ذاتِ بابرکت کے کلمات طیبہ سے جن کے مبارک ہاتھوں اور مستجاب دعاؤں کے ساتھ مدرسہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جس کی برکات آج بھی محسوس ہورہی ہیں اور رہتی دنیا تک جاری وساری رہے گی؛ **انشاء اللہ تعالیٰ!**

"**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

آج ۱۰/ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ کو مدرسہ ''فلاح دارین'' ترکیسر میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، اس مدرسہ سے قدیمی اور عزیزانہ تعلق ہے اور کئی بار یہاں آنے کی مسرت وعزت حاصل ہوئی ہے لیکن اس مرتبہ حاضری پر اس کی ترقی وتوسیع کا بھی اندازہ ہوا اور اس سے بے اندازہ مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے بانیوں، معاونوں، خادموں، اساتذہ وطلبہ کو برکت عطا فرمائے اور اس چمنستان علم کو پھلتا پھولتا رکھے کہ یہ صحیح معنی میں علم کا چمن ہے۔ معنوی طور پر بھی، ظاہری طور پر بھی مختلف درجات کے طلبہ کو بھی دیکھا، اسباق سنے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے اطمینان اور مسرت ہوئی اور اساتذہ بالخصوص اس کے لائق ومخلص مہتمم مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی مساعی اور محنت کا اندازہ ہوا، اللہ نظر بد سے بچائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔ میرے ساتھ نائب ناظم ''ندوۃ العلما'' مولانا معین اللہ صاحب بھی رفیق اور اس تاثرات میں شریک ہیں۔''

(حضرت مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی-رحمۃ اللہ علیہ-ناظم: ندوۃ العلما؛ لکھنؤ)

اسی طرح حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ کے بھی مدرسہ سے دیرینہ تعلقات تھے جو آخر تک قائم رہے، چناں چہ حضرت مفتی صاحب کی تشریف آوری بھی مدرسہ میں بار بار ہوتی رہی، حضرت والا قبلہ مفتی صاحب سے اپنے تعلیمی نظام کے معائنہ کی درخواست کرتے، حضرت مفتی صاحب شوق ورغبت سے معائنہ فرماتے، آپ کی مجالس طلبہ اور اساتذہ کے درمیان قائم ہوتیں اور سب کو مفتی صاحب کے علوم ومعارف سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا، آپ کے تاثرات درج ذیل ہیں:

> ''آج مولانا عبداللہ صاحب نے مدرسہ کے عام شعبوں کا معائنہ کرایا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کے دینی نصاب میں وقت کے تقاضوں کا بھی پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ دینی کتابوں کے ساتھ انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے اور ابتدائی تعلیم کے بچے دینی کورس کے ساتھ حساب، جغرافیہ اور ضروری تاریخ، عام معلومات وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کر لیتے ہیں۔''

دوبارہ حضرت مفتی صاحب کی ۹؍ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۰؍اپریل ۱۹۷۶ء کو تشریف آوری ہوئی، جس کے معائنہ میں آپ رقم طراز ہیں:

> ''طلبہ اور اساتذۂ کرام سے مل کر مدرسہ کی ترقی پذیر کارگزاریوں کا اندازہ ہوا، ماشاء اللہ ہر کام صاف ستھرا، سلیقہ اور شعور کے ساتھ طلبہ کی استعداد قابل اعتماد اور اساتذۂ کرام کی محنت قابل داد، اخلاص وعمل، حسن انتظام اور جذبۂ خدمت ہر پہلو قابل تعریف اور مستحق تحسین ہے۔''

دینی مدارس ہی کی شخصیات نہیں بل کہ عصری درس گاہوں کے پروفیسر صاحبان کو بھی مدعو فرماتے اور شعبۂ انگریزی کا معائنہ کراتے۔ اس سلسلہ کا ایک معائنہ ملاحظہ فرمائیے:

''جناب مہتمم صاحب نے مدرسہ کے ٹرسٹی صاحبان کی ہمت افزائی پر دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اور زمانۂ حاضرہ کی ضرورت کے مطابق دینی علم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی، حساب، تاریخ اور جغرافیہ پڑھانے کا بھی انتظام کیا ہے۔ بچوں کو میں نے جانچا تو انہیں انگریزی میں کافی مستعد پایا، مہتمم صاحب نے لائبریری میں کتابیں بھی بڑی اچھی جمع کی ہیں۔ مدرسہ کی عمارات، صفائی اور انتظام دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی''۔

(پروفیسر مرتاض حسین قریشی۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۶۸ء)

شعبۂ ادب عربی کے سلسلہ میں حضرت والا کے مولانا وحید الزماں کیرانویؒ سے گہرے روابط رہے۔ حضرت مرحوم ہی کے ارشد تلامذہ میں سے حضرت الاستاذ مولانا نور محمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمات مدرسہ کو حاصل رہیں، جن کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ وشجرۂ پُر بہار حضرت مولانا محمد اقبال صاحب دیولوی کی شکل میں مدرسہ کو فراہم ہوئے جو اس وقت سرگرم عمل ہیں۔ اس نسبت سے حضرت مولانا وحید الزماں کو حضرت والا مدعو فرماتے اور اس شعبہ کی ترقیات کے لیے مشورہ فرماتے۔ اس سلسلہ کا ایک معائنہ ملاحظہ فرمایئے:

''دار العلوم فلاح دارین'' واقع ترکیسر (گجرات) ان چیدہ معاہد اسلامیہ میں ہے جنہوں نے بہت ہی مختصر عرصہ میں اپنے معیار تعلیم اور نظام تربیت میں خصوصی مقام حاصل کیا ہے۔ احقر کو پہلی بار اس باعظمت علمی ادارہ میں ۲۰ر جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۱۹۷۴ء حاضری کا موقع ملا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ سے مختلف مجلسوں میں مختصر اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ درس گاہوں میں جانے اور طلبہ سے مختلف موضوعات پر سوالات کا بھی اتفاق ہوا۔ بفضل اللہ میں نے یہاں وہ سب کچھ پایا جو میرے دل کی آواز

تھی۔ درس گاہوں کا نظم، اساتذہ کی تعلیمی دلچسپی اور طلبہ پر غیر معمولی محنت، چھوٹے بچوں کی تعلیم کا معقول انتظام اور ان کی خصوصی تربیت، صفائی، ستھرائی، پابندی اوقات، مدرسین واساتذہ کا باہم ربط وتعلق یہ سب خصوصیات ہیں جو عام طور پر کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ (حضرت مولانا) وحید الزماں کیرانویؒ"

مدارس کے نصاب تعلیم پر حضرت والا کی برابر نظر رہی۔ مختلف مدارس اسلامیۂ ہند و بیرونِ ہند کے نصاب طلب فرماتے اور حالات حاضرہ سے اپنے نصابِ تعلیم کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش فرماتے۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ جن کو اس پر بڑی بصیرت تھی (اور دار العلوم دیوبند کے رکن شوریٰ بھی تھے) کو مدعو فرمایا اور تقریباً گجرات کے سبھی مدارس کے مہتممین وشیوخ الحدیث کو طلب فرمایا اور اس سلسلہ میں عمومی وخصوصی مجالس کا انعقاد فرمایا۔ اس وقت حضرت مولانا مرحوم کے تاثرات حسب ذیل رہے:

''اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بڑا دخل حضرات اساتذہ کا ہے جو اپنے اپنے فن میں کامل دست گاہ رکھنے کے باوصف، نہایت مخلص، محنتی اور متدین وبا اخلاق ہیں۔ ان میں مہتمم جناب مولانا عبداللہ صاحب بھی بلند پایہ اور وسیع النظر عالم ہونے کے ساتھ بڑے مخلص، روشن خیال اور محنتی منتظم ہیں۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ ''دار العلوم فلاح دارین'' ظاہراً وباطناً ایک مثالی دینی درس گاہ ہے۔''

(حضرت مولانا) سعید احمد (صاحب) اکبرآبادی، ۱۰-۱۱/۱۹۷۵ء)

عامۃً اہل علم کی آمد ورفت میں ہوتی ہے جس سے برکت تو حاصل ہوجاتی ہے باقی ان کے مستقل قیام سے جو فائدہ ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا، اس جذبہ کے پیش نظر حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (ندوۃ العلما لکھنؤ) سے دو روز قیام کی

درخواست کی گئی تا کہ یہاں قیام فرما کر مدرسہ کے ہر شعبے کو اطمینان سے دیکھیں، سب سے ملیں، سب کے ساتھ بیٹھیں اور تعلیم و تربیت کے باب میں کسی نتیجہ کو پہنچیں۔ اس سلسلہ کے تأثرات پیش خدمت ہیں:

''احقر کو مؤرخہ: ۱۸؍رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۳؍مئی ۱۹۸۱ء ''دار العلوم فلاح دارین''، ترکیسر ضلع سورت، گجرات حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دار العلوم میں دو روز قیام کے دوران جس طرح یہاں کے اساتذۂ کرام وطلبۂ عزیز خاص طور پر عالی قدر مہتمم جناب مولانا عبد اللہ صاحب زید مجدہم کا کریمانہ برتاؤ دیکھا اس کے جذبۂ تشکر سے کمترین کے دل کا گوشہ گوشہ مملو ہے۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء!**

مدرسہ کے اس تفوق وامتیاز میں اس کے چلانے والوں اور اس کے مہتمم صاحب زید مجدہم کی مساعیٔ جمیلہ کا اعتراف نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی کہ مدرسہ کا ہر ہر پہلو انہی کی ان تھک محنتوں اور مخلصانہ مساعی کا رہینِ منت ہے''۔

(حضرت مولانا) برہان الدین (صاحب) (سنبھلی)''

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کی فقاہت وظرافت و حاضر جوابی مثالی تھی، حضرت والا موقع کے متلاشی تھے کہ اہلِ مدرسہ حضرت مفتی صاحب کی آمد سے سرفراز ہوں، اساتذہ وطلبہ کو مفتی صاحب کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کا موقع ملے؛ چناں چہ حضرت مفتی صاحب کی تشریف آوری ہوئی، لیجیے اس وقت کے مختصر تاثرات:

''احقر مدرسہ ''فلاح دارین'' میں حاضر ہوا، ماشاء اللہ مدرسہ کے حالات سے مسرت ہوئی۔ طلبہ میں عموماً محنت کا شوق ہے، معاشرہ میں شائستگی ہے۔ بعض طلبہ سے کچھ علمی سوالات بھی کیے؛ جوابات بہت بہتر دیے۔

(حضرت مفتی) محمود الحسن (صاحب) ۲۸، ۵، ۱۴۰۱ھ)''

صدر شعبۂ قراءت وتجوید جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل جناب قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کے استاذ مکرم مرحوم جناب قاری کامل صاحبؒ ڈابھیل تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت والا کو تو اربابِ فن کی تلاش رہتی تھی، آپ نے موقع غنیمت جان کر حضرت قاری صاحب مرحوم کو مدعو فرمایا اور شعبۂ قراءت کے ساتھ دیگر امور مدرسہ کا معائنہ کرایا۔ آپ کے تاثرات حسب ذیل ہیں:

> ''جناب مولانا عبداللہ صاحب زید مجدہم، مہتمم ''دار العلوم فلاح دارین'' کی دعوت پر جامعہ ہٰذا میں حاضری ہوئی۔ جامعہ کے نظم ونسق کو دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ طلبا اور اساتذہ کو بہت خلیق پایا۔ جناب محترم مولانا عبداللہ صاحب کا بہت ہی عمدہ علمی ذوق معلوم ہوتا ہے۔ موصوف کی محنت قابل تحسین ہے کہ اتنے قلیل عرصہ میں جامعہ نے اس قدر ترقی کی''۔
>
> (قاری محمد کامل صاحب۔ ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)''

علم النفس التربوی ایک مستقل فن ہے جس کے ذریعہ طلبہ کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے طرق تعلیم وتدریس اختیار کئے جاتے ہیں، جس سے طرفین کو بڑی سہولت رہتی ہے، جہاں مدرس میدان تدریس میں مفید ثابت ہوتا ہے وہیں طالب علم تحصیل علم میں بڑی سہولت محسوس کرتا ہے۔ حضرت والا کی اس پر پوری نظر تھی اور اس فن کی جہاں آپ نے کتابیں جمع فرمائیں؛ اس فن کی شخصیات سے بھی آپ واقف تھے۔ چناں چہ آپ نے مدرسہ میں ایک تعلیمی سیمینار منعقد فرمایا اور اس فن کے ماہر و متخصص استاذ حضرت مولانا نذر الحفیظ صاحب مدظلہ العالی کو ندوۃ العلما سے مدعو فرمایا۔ آپ کے تاثرات درج ذیل ہیں:

''مدرسہ فلاح دارین کے متعلق جب سے وہ قائم ہوا ہمیشہ تعریف سنی، اس لیے تمنا تھی کہ اس چمن زارِ علم کی دید سے مشام جان کو معطر کروں، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع فراہم کردیا۔ وہ اس طرح کہ 'دارالعلوم فلاح دارین' کے بالغ النظر، روشن ضمیر اور مخلص مربی و مہتمم جناب مولانا عبداللہ صاحب نے تعلیمی سیمینار کے موقع پر علم النفس التربوی اور فن تدریس کے موضوع پر یہاں کے اساتذہ وطلبہ کے سامنے کچھ کہنے کے بہانے مدعو کیا۔ الخ

داتا رکھے آباداں ساقی تیری محفل کو

(حضرت مولانا) نذرالحفیظ ندوی: ۱۰/رجب ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۱/اپریل ۱۹۸۴ء)''

حضرت والا کی بہترین تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں اللہ پاک نے مدرسہ کی جگہ لوگوں کے دل میں پیدا فرمادی، خصوصًا شعبۂ عربی کے نصاب تعلیم سے جو بالکل ندوۃ العلما کے قدم بقدم تھا، اس اطراف میں مدرسہ کو اچھی قبولیت حاصل ہوئی۔ چناں چہ اسکولوں میں حکومت نے عربی زبان داخل نصاب کرنے کا فیصلہ کیا تو نصاب تعلیم کے لیے کتابیں مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی تو مولانا محمد صاحب سورتی (جو اس وقت وزیر گجرات تھے) نے ''فلاح دارین'' ہی کا مشورہ دیا اور چند پروفیسر صاحبان پر مشتمل ایک جماعت مدرسہ روانہ کی۔ مہتمم صاحب نے اس کا پُرجوش استقبال کیا اور مفید مشوروں سے نوازا، ان کا مدرسہ میں ۳/روز قیام رہا اور بہت دل جمعی سے انہوں نے کام کیا؛ لیجیے ان حضرات کے تاثرات:

''آج جہاں علما احساس برتری کے شکار ہیں اور عوام یا غیر شرعی طرز فکر کے لوگوں کو بدلی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں اس کے برعکس اس مدرسہ کے اساتذہ اسلامی تہذیب کا انکساری پہلو اپنے دامن میں بھرے ہوئے ہیں۔

ناظم اعلیٰ ومہتمم عالی جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب قبلہ سے شروع کر کے یہاں کے مکتب کا ایک غیر معروف استاذ سب کے سب افراد منکسر المزاجی کی تصویر ہیں۔ علمائے کرام نے ہر طرح ہم سے تعاون کیا اور ہمارے کام میں ہمیشہ لگے رہے۔ ہر ہر قدم پر ہماری رہ نمائی فرمائی ہے۔

(ڈاکٹر محمد صبور عباسی صاحب ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء)''

''ڈاکٹر جعفر حسین لالی والا صاحب، ڈاکٹر محمد صبور عباسی صاحب اور پروفیسر فرید شیخ کے ہمراہ بارہویں عربی کی نصابی کتابوں کے سلسلہ میں تین دن تک فاضل علما اور طلبا کے ساتھ قیام کرنے کا موقع ملا؛ قابل احترام معزز ومحترم قبلہ مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے تعاون سے جو ہمیں نئی روشنی ملی، ہمارے کام کو جو تقویت ملی وہ آپ کی علمی قابلیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہم تمام آپ کے خلوص ومحبت اور اخلاق حسنہ سے بے حد متأثر ہوئے ہیں، ایسا خلوص، ایسی انکساری، ایسا جوش، ایسا ولولہ ایسی خود غرض دنیا میں کہاں؟

آپ کی نظر دین ودنیا کی بہبودی پر برابر لگی رہتی ہے۔ اچھائی جہاں سے ملے، جیسے ملے اسے قبول کر کے ادارہ کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے ہمیشہ کوشاں ہیں۔ اس دار العلوم کو دیکھنے کے بعد ہمارا تصور دینی دار العلوم کے متعلق جو تھا یکسر ہمارے دل ودماغ سے نکل گیا۔ آپ کا ادارہ دین ودنیا کی دوئی مٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور یہاں کے فاضل علما اس فاصلہ کو مٹانے کے لیے آپ کی رہبری میں ہمیشہ کوشاں ہیں۔

(پروفیسر) اللہ بخش شیخ ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء)''

فقہ اکیڈمی کے بانی مبانی ودلِ دردمند کے مالک جناب قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا ایک بہت ہی وقیع معائنہ پیشِ خدمت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ قاضی صاحب

کے انطباعات اٹھارتی کی حیثیت رکھتے ہیں:

’’دار العلوم فلاح دارین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ کی عمارتیں، درس گاہیں، رہائش گاہیں اور کتب خانہ دیکھا، سالانہ امتحان کے پرچے دیکھے، طلبہ کا زبانی امتحان لیا، اساتذہ کی مجلس میں بیٹھا اور مستفید ہوا اور اب میں پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دے سکتا ہوں کہ تعلیم وتربیت دینی کے اعتبار سے یہ ادارہ نہایت معیاری مرکز ہے، جسے دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ انشاء اللہ ہندوستان میں علوم دینیہ زندہ رہیں گے۔ مدرسہ کی خوش نصیبی ہے کہ اسے جید الاستعداد اور فاضل اساتذہ کی اور ایک وسیع النظر عالم دین کی بحیثیت مہتمم خدمات حاصل ہیں، ورنہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں اکثر قدیم مدارس بھی زوال وانحطاط کا شکار ہیں اس لیے کہ ان کو باصلاحیت رجال کار حاصل نہیں، خدا نظر بد سے بچائیں، یہ مدرسہ حقیقت ہے کہ میرے لیے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ثابت ہوا۔ (حضرت مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی (رحمۃ اللہ علیہ)

۲، شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ مطابق ۵، اپریل ۱۹۸۴ء کو خوش قسمتی سے محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کی تشریف آوری سے مدرسہ مشرف ہوا۔ حضرت والا اس قسم کے موقع کے متلاشی رہتے؛ چناں چہ انہی کے ہاتھوں بخاری شریف کا ختم بھی کرایا اور آپ نے اپنے قیمتی تاثرات سے تحریری شکل میں نوازا جو حسب ذیل ہیں:

’’میں ۱۴ ؍رجب ۱۴۰۶ھ کو ترکیسر پہنچا اور مجھ کو ’جامعہ فلاح دارین‘ دیکھنے کی سعادت ملی۔ میں نے ختم بخاری شریف میں شرکت کی، میں اس کو بھی اپنی سعادت سمجھتا ہوں کہ صحیح بخاری کا آخری باب پڑھ کر اس سال کے درس

بخاری کو انتہا تک پہنچایا۔ مدرسہ کی عمارتوں اور ان کی نظامت سے مسرت حاصل ہوئی۔ انتظام میں بھی خوش اسلوبی نظر آئی۔ یہاں کے مدرسین وطلبہ میں طلبِ علم کا ولولہ پایا۔ منتظمین اور مدرسین وطلبہ اگر اسی طرح اپنے اپنے فرض کے ساتھ کام کرتے رہے تو انشاء اللہ مدرسہ کو ترقی اور مزید مقبولیت حاصل ہوگی اور امت کے لیے ایک بہت مفید ادارہ ثابت ہوگا۔

(حضرت مولانا) حبیب الرحمن (صاحب) اعظمی (رحمۃ اللہ علیہ)''

حضرت مولانا سید عبدالغفار ندوی معروف نہ سہی مگر غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ بانی جماعت تبلیغ کے شانہ بہ شانہ جماعت کا کام کئے ہوئے تھے، مولانا سید ابوالحسن صاحب کے ساتھی اور فن نحو وصرف میں کامل بصیرت رکھتے تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے اس سلسلہ میں ان کو ندوہ طلب فرمالیا تھا۔ خوش قسمتی سے ان کا پروگرام مدرسہ میں تشریف آوری کا بن گیا، ان کے مکمل مگر مختصر تاثرات پیش خدمت ہیں:

''آج ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ کو مجھے ''دار العلوم فلاح دارین'' میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ تمام درجات دیکھے، اساتذۂ کرام نے بھی مشرف فرمایا۔ چھوٹے بڑے تمام طلبہ نے مصافحہ سے نوازا، جن کے پیروں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے ہیں، ان کے مصافحہ سے کفارۂ سیئات متوقع ہے۔ **ذالک فضل اللہ!** حسن انتظام، خوش سلیقگی اور تعلیم وتربیت کا بہترین نظم مستحق تحسین ہے۔ ایک طالب علم نے میرے نحوی سوال کا برجستہ جواب دے کر مجھے بہت مطمئن اور خوش کیا۔ حضرت مولانا عبداللہ کی مساعیٔ جمیلہ بے شبہ عنداللہ مقبول و مشکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس ادارہ کو اور اس کے متعلقین کو

مزید توفیقاتِ خیر وبرکت سے نوازے۔ آمین!

(حضرت مولانا) عبدالغفار (صاحب) ندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۸ جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۰ رجنوری ۱۹۸۷ء)''

حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند مدرسہ اشرفیہ ہی کے زمانے سے سالانہ امتحانات کے موقع پر مدعو ہوتے۔ خوب محنت سے امتحان لیتے۔ عربی اول کا امتحان میرا بھی حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوا ہے۔ حضرت والا سے بے تکلف و دوستانہ تعلق رکھتے ہیں، جواب بھی اسی طرح برقرار ہے۔ غالباً آپ سالانہ جلسے کی مناسبت سے تشریف لائے تھے، اس وقت کے تأثرات ملاحظہ فرمائیں:

''عرصہ پہلے یہاں آیا تھا اس درمیان ادارہ ترقی کر کے صد گام آگے نکل گیا ہے جس پر شکر الٰہی بجالایا۔ رئیس جامعہ حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم و معالیہم کی مساعیٔ جمیلہ و افکار عالیہ، جذبات سامیہ اور ہمت بلند کا یہ کرشمہ ہے اور توفیق ایزدی کا یہ گلستاں خطۂ گجرات کے لیے بجا طور پر قابل فخر ہے۔

(حضرت مولانا مفتی) سعید احمد (صاحب) پالن پوری)

(۵ رشعبان ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۱ رفروری ۱۹۹۱ء)''

صفائی ستھرائی:

مولانا خود فطرتاً ایسے نظیف الطبع واقع ہوئے ہیں کہ لباس گو سادہ مگر صاف ستھرا، کبھی آپ کا کپڑا میلا، کہیں ڈھبہ، داغ نہیں دیکھا گیا۔ حسین سیرت، حسین

صورت، سفید براق لباس اور سفید رومال بس ایسے نظر آتے جیسے کوئی فرشتہ چلا آرہا ہے۔ آپ کو یہ سب گوفطرۃ ملا ہوا تھا؛ مگر آپ نظافت وطہارت اپنے ماحول میں طلبا اور اساتذہ پر دیکھنا چاہتے تھے۔ تہذیب اسلامی کے رنگ میں سب کو رنگنا چاہتے تھے، وضع قطع شرعی چاہتے تھے، اس لیے طلبا کے بالوں کی کٹنگ پر کڑی نظر رہتی، میلا کپڑا پہنے کوئی مدرسہ نہیں آسکتا تھا، فوراً کپڑا بدلنے واپس کردیتے، طلبا پر آپ کی تربیت کا اثر تھا۔ ہفتہ میں دو مرتبہ کپڑا بدلنا تو عام تھا۔ پیر-منگل کے روز جمعہ کا سا ماحول نظر آتا، بچے غسل کرتے، کپڑے دھوتے بدلتے اور حتی الامکان صاف ستھرے رہنے کی کوشش کرتے۔ اساتذہ بھی آپ کی تربیت کے نتیجہ میں اپنی کلاس کے طلبا کے ناخن، بال اور کپڑوں کا برابر جائزہ لیتے۔

ہر جمعہ کو گدے، بستر دھوپ میں سکھانا، بستر اور کمروں میں جراثیم کش دوائی ڈالنا سب کے ذمہ لازم تھا۔ ہر جمعہ کو بچوں کے کمروں کی صفائی کے بعد خود کمرہ کمرہ گھوم کر معائنہ فرماتے۔ ہم لوگوں میں مشہور تھا جہاں حضرت کمرہ میں داخل ہوئے نہیں کہ کہیں کسی کونے سے کوئی کیڑا، کھٹمل زیارت کے لیے ضرور نکل آتا ہے۔ اس پر حضرت کی تنبیہ شروع ہوجاتی کہ کیا صفائی ہوئی؟ یہ کھٹمل گھوم رہے ہیں۔ آپ کے ان فکروں کے نتیجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ کبھی پورے ہاسٹل میں کھٹمل نہیں ہوئے جیسے عامۃً ایسی عام رہائش گاہوں میں ہوجاتے ہیں۔ طلبہ کے کمروں کے سامنے ثیاب مغسولہ، لنگی وغیرہ سکھانے پر بہت ناراض ہوتے، کپڑے سکھانے کی مستقل جگہیں بنی ہوئی تھیں؛ وہیں کپڑے دھو کر پھیلانے پر زور دیتے۔

تعلیم وتربیت:

جہاں ملک بھر کے اہلِ علم ودانش وروں کو مدرسہ کی زیارت کی دعوت دیتے تاکہ طلبا میں تعلیم وتربیت کا ذوق وشوق پروان چڑھے وہیں وقتاً فوقتاً خود بھی مجلسِ دعوت وارشاد منعقد فرماتے۔ بچوں کو علم وعمل کی لائن سے آگے بڑھنے کی دعوت دیتے اور انداز ایسا موثر ہوتا کہ سب کی بیٹری چارج فرمادیتے۔ آپ کے بیانات کے بعد طلبا کو ایک نیا حوصلہ ملتا، جس سے سرگرم عمل رہتے۔ وقت کی پابندی کی تلقین فرماتے، نمازوں میں وقت سے پہلے خود تشریف لاتے اور طلبا آپ کی ایک آواز پر بستر چھوڑ کر مسجد کی راہ لیتے۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں پر آپ کی کڑی نظر رہتی جو نمازوں میں سست تھے، ان کا فرداً فرداً جائزہ لیتے۔

ایک لطیفہ:

ایسے ہی ایک موقع سے آپ نے ایک طالب علم کے متعلق دریافت کیا، معلوم ہوا کہ مسجد میں نہیں ہے۔ سپروائزر صاحب کو کمرہ بھیجا، دیکھا تو کمرہ بند ہے باہر سے تالا لگا ہوا ہے، آپ خود تشریف لے گئے؛ تالا کھلوایا تو پلنگ سب خالی بس ایک پلنگ کی چادر ذرا زیادہ لٹک رہی تھی۔ آپ نے سپروائزر صاحب سے فرمایا کہ یہ چادر اٹھاؤ، کیا دیکھتے ہیں کہ پلنگ کے نیچے باقاعدہ ایک بستر لگا ہوا ہے اور وہ صاحب زیر پلنگ محو خواب ہیں۔ بس پھر جو ہونا تھا ہوا؛ مگر بتلانا یہ ہے کہ آپ کس قدر فکر فرماتے تھے اور طلبہ کی ان چالاکیوں سے کس قدر واقفیت رکھتے تھے، سبحان اللہ! طلبہ کی اس قوم سے نمٹنا ہر کس وناکس کا کام نہیں۔

مدرسہ بھی وقت سے پہلے تشریف لے آتے، چوراہے پر کھڑے ہو جاتے اور تاخیر سے آنے والے طلبہ کو تنبیہ فرماتے، کبھی درس گاہوں کا چکر لگاتے، اساتذہ بھی تاخیر سے آتے تو ان کو بھی لطیف پیرائے میں تنبیہ فرماتے۔ یوں فرماتے کہ میں گزر رہا تھا تو دیکھا ابھی آپ تشریف نہیں لائے ہیں، میں نے سوچا لاؤ دو چار منٹ ان بچوں کا سبق سن لوں، واقعی سبق سننا شروع فرما دیتے۔ بس مدرس صاحب کی اب ہمت نہیں ہوتی تھی کہ تاخیر سے درس گاہ میں جائیں۔ اگر باقاعدہ استاذ صاحب رخصت پر ہوتے تو ان طلبہ کو دفتر میں طلب فرماتے اور کتاب سنتے، اس دوران اس کتاب سے متعلق مصنف کے حالات، کتاب کے شروح وحواشی اور اس فن سے متعلق اتنی معلومات مہیا فرماتے کہ معلوم ہوتا اس فن کے آپ متخصص ہیں۔ ہر فن کی کتابوں پر نظر؛ حدیث ہو یا تفسیر، فقہ ہو یا صرف ونحو یا تجوید ہر فن کی کتابوں پر نظر رکھتے۔ قدیم کیا چھپ چکی ہیں، جدید کیا چھپ رہی ہیں، کہاں چھپ رہی ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ جس کی شہادت آپ کا اپنا ذاتی کتب خانہ دے رہا ہے، جس میں ہر فن کی ایسی نادر و نایاب کتابیں جمع فرما دی ہیں جو کسی بڑے مدرسہ کے کتب خانہ میں مشکل سے ملیں گی۔

مجمع الشيخ عبد الله الكافودروي:

حضرت والا کو ان کتابوں کی حفاظت کا بڑا فکر تھا جیسا کہ آپ نے جامعہ قاسمیہ کھروڈ کے اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہم نے اپنی نگاہوں سے کتابوں کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ بعد کے لوگوں نے اس قیمتی خزانے کی قیمت نہ سمجھی

اور کتابیں مدت دراز تک صندوقوں میں محبوس رہیں، بالآخر دیمک کی نذر ہو گئیں اور صندوق کے صندوق اٹھا کر دریا کی نذر کر دیے گئے۔ آپ بار بار اس کا اظہار فرماتے، بالآخر حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ کھروڈ کے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا۔ آپ نے حضرت والا کو اطمینان دلایا اور دار العلوم کھروڈ ہی کے احاطہ میں اراکین مدرسہ نے ایک قطعۂ اراضی عنایت کیا۔ ارباب خیر حضرات کو محترم شیخ الحدیث مدظلہ نے اس کار خیر کی طرف متوجہ فرمایا؛ چناں چہ بہت ہی مختصر مدت میں ایک شان دار عمارت ''**مجمع الشيخ عبد الله الكافودروي**'' کے نام سے وجود پذیر ہوئی اور حضرت والا کی ساری کتابیں کاپودرا سے کھروڈ منتقل کر دی گئیں۔ ابھی مورخہ ۲۵/نومبر ۲۰۱۷ء مطابق ۵/ربیع الاول ۱۴۳۹ھ بروز سنیچر اس کا افتتاح عمل میں آیا جس میں گجرات بھر کے علما، واپی سے چھاپی تک کے اہل مدارس و ارباب دانش نے شرکت کی۔ حضرت والا باوجود ضعف شدید بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ اپنے مؤثر مواعظ حسنہ سے حاضرین کو مستفیض فرمایا؛ انشاء اللہ یہ خطاب بھی ''صدائے دل'' جلد پنجم میں شامل کر لیا جائے گا۔ جناب شیخ الحدیث صاحب مدظلہ بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے حضرت والا کو اس وقت ایک بڑی فکر سے نجات دلائی اور آپ کے اس علمی خزانہ کی حفاظت کے مضبوط اسباب مہیا فرمائے۔ **فجزاهم الله عنا وعن جميع المتعلقين خيرا!**

اس موقع کی مناسبت سے مجھ عاجز نے کچھ اشعار کہے تھے، جو وقت کی تنگ دامنی کا شکار ہو گئے اور اجلاس میں پیش ہونے سے رہ گئے، یہاں اس کا پیش کر

دیناشاید بے موقع نہ ہوگا؛ وہ درج ذیل ہیں:

مکتبہ شیخ عبد اللہ کاپودروی	پُر شکوہ اس کی عمارت ہے کھڑی
کس قدر ذوقِ کتب بینی ملا	دیکھ لو بس مکتبہ ہی دو گھڑی
جمع (کیں) ہر فن کی کتابیں کس قدر	الماریاں الماریاں سب ہیں بھری
ہیں کتابیں جان سے زیادہ عزیز	اور مطالعہ کی تجھے بس دھن لگی
او رئیسِ جامعہ! عالی وقار	تجھ سے اس خطے میں ہے علمی بہار
درد امت کا تیرے دل پر سوار	فکرِ امت میں سدا تو بے قرار
مجلسِ علمی تیری یہ جامعہ ترکیشور	رہتی دنیا تک ہے تیری یادگار
خَلق میں اور خُلق میں تو بے نظیر	دانا ہے بینا ہے تو روشن ضمیر
گھٹی میں تیری پڑا ہے اہتمام	ہر عمل تصویرِ حسنِ انتظام
مستحقِ شکر ہیں محمد حنیف	جن کی فکروں کی یہ تصویر عجیب
قدردانی کی ہے تونے شیخ کی	فکر تھی ان کو کتابوں کی بڑی
مکتبہ تعمیر کرکے جلد ہی	کر دیا بے فکر تونے جلد ہی
مکتبہ یہ پھولتا پھلتا رہے	تا قیامت فیض بس جاری رہے
شیخ عبد اللہ کو ہو صحت نصیب	عافیت کے ساتھ ہو سایہ مدید
اے زہے عز و شرف گر ہوں قبول	ان کے دامن کے لیے یہ چند پھول
(ورنہ) تجھ کو یوسف آتا جاتا کچھ نہیں	بے جا جرأت کے سوا یہ کچھ نہیں
کہنے لکھنے کا سلیقہ کچھ نہیں	جو کہا تُک بندی ہے اور کچھ نہیں

راوت برادران کی مدرسہ میں آمد:

بانیانِ مدرسہ جناب الحاج یوسف صاحب، جناب الحاج غلام محمد صاحب، الحاج جناب موسیٰ راوت صاحب بیش تر مدرسہ کی تعمیر ودیگر نظم ونسق کے سلسلہ میں سال میں کئی مرتبہ تشریف لاتے، بڑی جاں فشانی سے یہاں طویل طویل قیام کرتے اور مدرسہ کے تعمیری اور تعلیمی نظام کے سلسلہ میں حضرت والا سے مشورہ کرتے۔ حضرت بحیثیت مہتمم ان کی صحیح رہ نمائی فرماتے اور مدرسہ کی تعمیری اور تعلیمی میدان کی ترقی کی راہیں ہموار فرماتے اور خاص طور پر ہمارے مراکز دینیہ دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، ندوۃ العلما لکھنؤ، مرکز نظام الدین دہلی کا ایک دورہ کراتے۔ ان مدارس کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان مراکز کی شخصیات سے ملاقات کراتے۔ اُن کا تعارف اِن کو اور اِن کا تعارف اُن کو کراتے اور غرض اس کی یہ بیان فرماتے کہ ان حضرات کا ان مراکز دینیہ اور ان کی شخصیات سے تعارف بے حد ضروری ہے؛ تاکہ یہ ان اداروں سے اور اہل علم سے وابستہ رہیں تاکہ ان کے دلوں میں علم اور اہل علم کی عظمت پیدا ہو اور خدمت دین کا یہ جذبہ جو ان کو عطا ہوا ہے تر وتازہ رہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک ان کی نسلوں تک میں یہ جذبہ کارفرما ہے۔ پھر مولانا خلیل جیسا مربی ان کو دے دیا جو حضرت والا کی فکروں کو خوب پیئے ہوئے ہیں، وہ اپنے برادران کی اسی انداز سے تربیت فرماتے ہیں۔ اللہ پاک تادم قیامت اس گلستانِ علم وعمل کو سرسبز وشاداب رکھے اور ان حضرات کی مدرسہ کے ساتھ اس دل چسپی کو باقی رکھے اور اس ادارے کو حضرت والا کے لیے اور اس خاندان کے افراد کے لیے بطور صدقۂ جاریہ رہتی دنیا تک جاری وساری رکھے۔ آمین!

عہدۂ اہتمام سے عہدۂ رئیس الجامعہ تک:

ایک مدت کے بعد اپنے کچھ اعذار کی وجہ سے حضرت والا نے اہتمام سے علاحدگی اختیار کرنے کا ارادہ فرمایا، اہل مدرسہ نے بہت چاہا کہ ایسا نہ ہو مگر جو ہونا تھا ہوا۔ مدرسہ نے قدردانی کرتے ہوئے حضرت والا کے لیے رئیس الجامعہ کے نام سے ایک الگ عہدہ تجویز کیا اور یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ اب اس علاقہ میں آپ رئیس الجامعہ ہی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں؛ چناں چہ اس کے بعد بھی ایک لمبی مدت آپ مدرسہ ہی میں قیام پذیر رہے اور آپ کے بعد مقرر شدہ نو آموز مہتمم کی تربیت فرماتے رہے۔ میں کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ایسے موقعوں پر جب کوئی مدرس یا منتظم ادارے سے دل برداشتہ ہو کر مدرسہ چھوڑ دینا چاہتا ہے اور آپ سے مشورہ کرتا ہے تو آپ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے حوالہ سے ایک بات ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک ایسے ہی موقع پر میں نے خود آپ سے سنا ہے کہ ''بھائی حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے اگر تمہیں کوئی عذر ہے اور معقول عذر ہے تو مدرسہ سے علاحدگی اختیار کرنے سے پہلے اپنا جانشین تیار کرو، جب تمہیں اطمینان ہو جائے کہ یہ میری جگہ کام کر لے گا تب مدرسہ چھوڑو ورنہ مدرسہ کا تعلیمی وتربیتی نقصان ہو جائے گا، جس کے ذمے دار تم ہو گے اور مفتی صاحب فرماتے تھے کہ بھائی اللہ تعالیٰ ہمیں ان مدارس کا آباد کرنے والا بنائے برباد کرنے والا نہیں''۔ کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ میں نے مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

الغرض! حضرت والا کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب کا یہ خلوص اور مدارس کی ہمدردی سے بھرا ہوا ارشاد عالی موجود تھا؛ چناں چہ آپ نے خود اس پر عمل کر کے دکھلا دیا اور راوت برادران ہی کی فیملی سے ایک فرد کی ابتدا ہی سے اس نوعیت کی تربیت فرمائی اور ان کو زیور علم وعمل سے آراستہ فرما کر مدرسہ کے اہتمام کے قابل بنا دیا۔ پھر یہاں مولانا خلیل لمبی مدت تک نہیں رہ سکتے تھے تو ان کے نائب کی حیثیت سے مقرر کئے جانے والے جانشینوں کی برابر تربیت فرماتے رہے اور فرما رہے ہیں، یہ آپ کے خلوص ہی کا نتیجہ تھا کہ آج تک ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر ہر آنے والا گامزن ہے اور آج تک انہی کے مشورہ ونصائح عالیہ سے مستفید ہونے اور عمل کرنے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں اور یہ عرض کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ جب تک ان کی پلاننگ کے مطابق چلتے رہیں گے کامیابی رہے گی اور جتنا ہٹتے جائیں گے اتنا ہی ناکامی کا منھ دیکھنا پڑے گا، اللہ پاک حفاظت فرمائیں۔ **آمین!**

ورنہ آج کل ایک معمولی مدرس ادارہ سے الگ ہوتا ہے تو اس کے سیاسی کھیل شروع ہو جاتے ہیں، وہ مدرسہ کے نظام کو درہم برہم کر دینا چاہتا ہے، سیاسی لوگوں کی طرح اس کا جوڑ توڑ شروع ہو جاتا ہے اور سب کو پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔

مگر ہمارے حضرت الحمد للہ! ان چیزوں سے کوسوں دور، ان کی فطرت میں یہ بات قدرت نے رکھی ہی نہیں۔ گو وہ باقاعدہ طویل مدت کسی شیخ کی خانقاہ میں نہیں رہے مگر مشائخ کی خانقاہوں میں بہت سے تربیت یافتہ لوگوں کے مقابلہ میں آپ کئی درجہ بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یکے بعد دیگرے نو مشائخِ طریقت نے آپ کو اجازتِ بیعت وخلافت دی، اسی کو پیدائشی ولایت کہتے ہیں۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفا کا پیغام:

ابھی چند سال پیش تر آپ کا کینیڈا میں ایک آپریشن ہوا تھا۔ ہندوستان واپس آئے تو پھر درد شروع ہوا، پیشاب کی تکلیف ہوگئی تو ڈاکٹر اجمیری صاحب کے یہاں دوبارہ آپریشان ہونا طے پایا اور آپریشن ہوگیا۔ اس دوران حافظ صاحب پیرامن والے (عرف باجی) عمرہ کے لیے گئے تھے، جب عمرہ سے واپس آئے تو گھر سامان رکھتے ہی رکشا لے کر حضرت والا کے گھر کاپودرا پہنچے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صحت کی بشارت دینے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور مولوی عبداللہ سے جا کر کہہ دو کہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ (یاد رہے کہ حافظ صاحب کو کشف القبور بہت صحیح ہوتا تھا جس کے عجیب عجیب واقعات ہیں مگر اس وقت یہاں موقع نہیں۔) بتلایئے اتنا گہرا ربط بارگاہ رسالت سے یوں ہی حاصل ہو جائے گا؟ الحمدللہ! حضرت والا علمی وعملی، ظاہری وباطنی ایسی خوبیوں کے حامل ہیں جو بیک وقت کسی آدمی میں کم جمع ہوتی ہیں۔

اساتذہ کی عظمت:

ایک عادت شریفہ آپ کی جو اس وقت نایاب نہ سہی تو کمیاب ضرور ہے، وہ طلبہ کرام کے دل میں اساتذہ کی عظمت بٹھانا۔ جب کبھی کسی استاذ کی غیر حاضری پر طلبہ کو دفتر میں طلب فرماتے اور ان کو کتاب سے متعلق معلومات فراہم فرماتے، وہیں استاذ سے متعلق ان کا علمی مقام بیان فرماتے اور اس انداز سے بیان فرماتے کہ طلبہ کے قلوب میں ان کی عظمت بٹھاتے، ان سے استفادہ کا شوق پیدا فرماتے۔ ساتھ ہی

ملکی، ریاستی وعلاقائی تعصب کو ختم فرما کر طلبہ واساتذہ میں شیر وشکر بن کر رہنے کا ذہن تیار فرماتے، گو آپ کے دور اہتمام میں مختلف المشرب اساتذہ موجود تھے اور ان کی طرف سے کبھی کچھ نہ کچھ ناگوار باتیں پیش آجایا کرتی تھیں؛ مگر ہر وقت ادارہ، طلبہ و علم وفن سے متعلق ہونے والے فائدے کو مقدم رکھتے ہوئے ان چیزوں سے متعلق **فاعفوا و اصفحوا** ہی ہمیشہ مدنظر رکھتے۔ نہ کسی صاحب فن استاذ کے انتخاب میں اس کو حائل ہونے دیا۔ دریا دلی اور وسعت ظرفی کا یہ عالم کہ اپنے اساتذہ کی قبولیت ومقبولیت سے آپ کو بے حد خوشی ہوتی، اس کو لوگوں میں بیان فرماتے اور خود بھی عند الناس اساتذہ کی قبولیت میں اضافہ فرماتے۔

؎ ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہوں جسے

اساتذہ تو اساتذہ تھے طلبہ میں سے جن کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ محنت کرتا ہے، شوقین ہے بل کہ آپ کی دیدۂ بینا اس بچے میں کوئی خوابیدہ جوہر وصلاحیت دیکھ لیتی تو اس کو پھر کسی قیمت پر مدرسہ میں رکھ چھوڑتے، خارج نہ فرماتے اور وہ فراغت کے بعد دین کے کسی نہ کسی میدان میں واقعی کام کا نکلتا البتہ اگر کوئی تمرد، سرکشی، کبر وغرور دکھاتا تو اس کو برداشت نہیں فرماتے تھے۔ کتنا ہی عالی صلاحیت رکھتا ہو، کہیں کا رہنے والا ہو اس کو مدرسہ سے ایک طرف کر دینے میں کوئی تامل نہ فرماتے، اسی طرح ایسے بچے جن کا ضرر متعدی ہوتا ان کو بھی کسی طرح روانہ فرما دیتے، اس طرح کے کئی واقعات ہیں جن کو بیان کرنے سے قلم ہچکچاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی طالب علم اجازت طلب کرتا کہ حضرت میں فلاں مدرسہ

میں جا کر پڑھنا چاہتا ہوں اس کو فوراً اجازت نامہ عنایت فرماتے اور فرماتے بھائی! سب اپنے ہی مدرسے ہیں جہاں چاہو جاؤ مگر محنت سے پڑھنا۔ یہ آپ کی عادت و اطوار اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ یہ سب ایک کامیاب ترین مہتمم اور طلبہ و اساتذہ، مدارس کے مخلص، محسن، مربی کے حالات ہیں جو ہم سب کے لیے اس وقت مشعل راہ ہیں، جس کی روشنی میں چل کر ہم طلب علم، تدریس اور انتظام و اہتمام کی منزل مقصود سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔ **وباللہ التوفیق!**

ذوقِ خطابت اور تصنیف وتالیف:

یہ دونوں جوہر کسی فرد واحد میں کم ہی جمع ہوتے ہیں، باقی ہمارے اسلاف میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ہمارے آخری دور میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند نام ذکر کر دیے، ہمارے حضرت والا اسی جماعت کے ایک فرد ہیں جن کو اللہ پاک نے دونوں میدانوں کی شہسواری عطا فرمائی ہے۔ موقع کے مناسب گفتگو کرنے میں آپ کو قدرت نے ملکہ عطا فرمایا ہے۔ انتہائی صاف ستھری زبان، دل کش اندازِ بیان اور دلوں میں اتر جانے والا طریق استدلال، موقع کے مناسب لطایف وظرائف ومواعظ سے لبریز آپ کا خطاب ہوا کرتا ہے۔ بقول شخصے:

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والوں پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

کا مصداق سوتوں کو جگانے کا اور خوابِ غفلت میں پڑے ہوؤں کو بیدار کرنے کا ہی نہیں بل کہ جھنجھوڑنے کا فن آپ کو حاصل ہے، جو ہم سب کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔ بات شروع کرتے ہی چند ہی منٹوں میں مجمع پر چھا جاتے ہیں، کبھی آپ کے خطاب کے دوران اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی، لوگ تا دمِ آخر برابر متوجہ ہو کر سنتے رہتے ہیں، حالاتِ حاضرہ پر آپ کی برابر نظر رہتی ہے، اس کے ساتھ امت کے درد وفکر میں گھلنے والا دلِ بے قرار آپ نے پایا ہے، لہٰذا آپ کے مواعظ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق ہوا کرتے ہیں، دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، بسا اوقات خود بھی روتے ہیں اور حاضرین کو رلاتے ہیں، گھر پر ہونے والی مجلس ہو یا خطاب عام سب کا یہی حال رہتا ہے۔

ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا ذوق بھی قدرت نے آپ کی طبیعت میں ودیعت فرمایا ہے، گجراتی، اردو، عربی تینوں زبانوں میں آپ بے تکلف لکھ سکتے ہیں اور بول سکتے ہیں جس پر آپ کی شائع شدہ متعدد تصانیف شاہدِ عدل ہیں۔

آپ کی مصنفات:

(۱) عربی زبان میں مؤلفہ علامہ حارث محاسبی کا **''رسالة المسترشدين''** اور اس پر حاشیہ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مفسرِ قرآن رہبرِ شریعت و طریقت المرشد الامین حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہ العالی کو دلی طور پر مسترشدین کی رہبری کا خیال دامن گیر رہتا ہے؛ چناں چہ اس رسالہ کی نافعیت کے پیشِ نظر آپ نے اس کا اردو میں ترجمہ فرمایا مگر حاشیہ اس کا اصل کتاب سے بھی بڑھ

گیا؛ چناں چہ اس کے ترجمہ کے لیے آپ نے حضرت والا ہی سے ذکر فرمایا۔ آپ نے کمر ہمت باندھی اور اپنی خداداد صلاحیت سے ایسا عمدہ ترجمہ فرمایا کہ کہیں نظر نہیں آتا کہ یہ عربی کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے، مستقل بزبان اردو ہی تالیف شدہ حاشیہ معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اسی طرح شیخ صالح یوسف معتوق کی کتاب **"بدر الدين العيني وأثره في علم الحديث"** کا ترجمہ حضرت والا نے ''علامہ عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام'' کے نام سے کیا ہے، جو ہم طلبۂ علم حدیث کے لیے بصیرت افروز ہے اور علامہ عینیؒ پر جن لوگوں نے اِدھر اُدھر کیا ہے اس کا یہ منہ توڑ جواب ہے۔

(۳) نیز نثر ونظم عربی سے آپ کو یکساں دل چسپی رہی ہے؛ چناں چہ عربی نظم سے ''دیوان امام شافعی'' کا بہترین ترجمہ فرمایا۔

(۴) نیز علامہ ابوالفتح البستی علیہ الرحمہ کے قصیدہ ''عنوان الحکم'' کا ترجمہ فرمایا اور اس کا نام ''مکارم الشیم'' رکھا جو قابل دید بل کہ مختصر ہونے کی وجہ سے قابل حفظ بھی ہے۔ ترجمہ ایسا مطلب خیز ہے کہ طلبہ میں شعر فہمی پیدا کرانی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۵) ''صدائے دل'' آپ کے مواعظ مبارکہ کا مجموعہ ہے جو واقعی

''نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے''

کا مصداق ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس کی تین جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکیں ہیں، جلد رابع بس شائع ہوا چاہتی ہے، انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔

(۶) اپنے اساتذہ کی خدمت میں جذباتِ تشکر وامتنان پیش کرنے کی غرض سے حضرات اساتذہ کے حالات پر مشتمل ایک مستقل کتاب ”رشد ہدایت کے منار جن سے میں کسب فیض کیا“ کے نام سے تصنیف فرمائی، جس میں آپ نے اپنے اساتذۂ کرام کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ اس سے آپ کی طالب علمانہ زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں کہ آپ نے اپنے اساتذہ کی کس طرح خدمت فرمائی، ان سے کس طرح علم و فن کے مختلف میدانوں میں استفادہ فرمایا۔ ایک طالب علم کے لیے جس طرح یہ کتاب مینارۂ نور ہے وہیں اساتذہ کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ یہ کتاب ہمیں سکھاتی ہے کہ اپنے طلبہ کی تربیت کیسے کی جاتی ہے، ان کے قلوب میں مطالعہ کا شوق و ذوق کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے؟ اور ذہین طلبہ اساتذۂ کرام کے چھوٹے چھوٹے سلوک و عمل سے کس طرح سبق حاصل کرتے ہیں اس سلسلہ میں اساتذہ کو کس قدر چوکنا اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

(۷) افکار پریشاں: دو جلدوں میں ہے جو مختلف مناسبات سے لکھے گئے آپ کے مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے، جو مختلف موضوعات سے متعلق معلومات سے پُر ہے۔ جہاں اس کتاب سے پڑھنے والے کو معلومات حاصل ہوتی ہے وہیں موقع کے مناسب لکھنے بولنے کا ذوق سلیم بھی عطا ہوتا ہے اور راہ ملتی ہے کہ کس موقع پر لکھنے کے لیے کن کن پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

(۸) آپ کی ایک تازہ ترین تصنیف جو منصۂ شہود پر آئی وہ ”مقدمات کا پودروی“ ہے۔ اس کتاب کے لیے بجائے خود کچھ لکھنے کے **”صاحب البیت**

أدری بمافیہ" کے اصول پر مرتب کتاب مولانا اسماعیل کوثر کوساڑی زیدمجدہ کے قلم سے لکھا ہوا تعارفی فقرہ پیش کرتا ہوں:

''زیرِ نظر کتاب حضرت موصوف کی نگارشاتِ قلم کا مرقع جمیل ہے جس میں تقریباچودہ فنون پر مشتمل ۱۰۹ ر کتابوں کا خوبصورت انداز میں تعارف وتبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

ان کے مصنفین کی بہت بڑی تعداد ان اہلِ قلم حضرات کی ہے جو آپ کے خوانِ علم کے زلّہ ربا ہیں۔ ان کتابوں میں بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کے پس پشت آپ کی تحریک وتحریض اور ایماومشورے کارفرما ہیں۔ جس کے نتیجہ میں کاروانِ علم وادب میں ایک قیمتی مجموعہ شامل ہوا جو آج گجرات کے ماتھے کا جھومر بنا ہوا ہے۔ امید ہے کہ شائقین علم وادب اس سے لطف اندوز ہوں گے اور طلبۂ عزیز کے دامن میں کتب شناسی کا انمول جوہر ہاتھ آئے گا۔''

(۹) ''علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور خدمات حدیث'' پر تقریباً ۴۵ رصفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے جس میں علامہ بنوریؒ کے مختصر حالات زندگی، تحصیل علم، اس کے بعد کے احوال، درس وتدریس اور بحث وتحقیق اور خاص طور سے آپ کی شرح ترمذی، معارف السنن کا تعارف، فرق باطلہ کا ردوغیرہ امور پر مشتمل ایک معلومات افزا مقالہ ہے جو دو روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی بعنوان عام ''ہندوستان اور علم حدیث تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں'' میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ مذاکرہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی میں بتاریخ ۲۹، ۳۰ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱-۲۲ رمارچ ۲۰۰۷ء منعقد ہوا تھا۔

(۱۰) علامہ قطب الدین نہروالی الگجراتی ثم المکی (۹۱۷ھ تا ۹۹۰ھ) کے مختصر حالات وخدمات یہ بھی بظاہر کسی مناسبت سے لکھا گیا مقالہ معلوم ہوتا ہے جو علامہ موصوف کے معلومات افزا حالات پر مشتمل ہے جو تقریباً ۲۷ رصفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) بزبانِ عربی آپ کی شاہکار تصنیف جس نے سیکڑوں علما اور دسیوں معاہد ومراکز دینیہ کے حالات کو محفوظ کرلیا اوران کے ذکر کو زندۂ جاوید بنادیا **"أضواء على تاريخ الحركة العلمية و المعاهد الإسلامية و العربية في غجرات الهند"** ہے، اس کتاب کے متعلق علامہ السید محمد رابع الحسنی الندوی ''تقدیم الکتاب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> **"و لما عقدت ندوة العلماء مؤتمرا للأدب الإسلامي و وجهت الدعوة إلى كثير من أهل الأدب و العلم إلى إعداد بحوث في موضوعات لها صلة بالأدب الإسلامي، اختار الشيخ عبد الله إسماعيل السورتي موضوع المدارس الإسلامية في ولاية غجرات، و قدم موجزا من بحثه في إحدى جلسات المؤتمر، ثم عكف على بحثه هذا ليزيد فيه و ينقحه حتى جعله مادة كتاب بعينه واضح من اللائق به أن يطبع و ينشر بصورة منفردة، إن جهد المؤلف في هذا البحث يستحق كل تقدير، فقد بذل في إعداده من جهده و وقته شيئا كثيرا، و أمد المكتبة الإسلامية الأدبية التاريخية مرجعا نافعا الخ۔"**

حضرت والا اپنے مقدمۂ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"و أيضا لوحظت في الأعوام الأخيرة تقدم ملموس في هذه الحركة العلمية في الولاية"، إلى أن قال:" و قد أسست في الفترة الأخيرة

مدارس و الجامعات الإسلامية عديدة جديدة على أرض غجرات تجاوز عددها خمسين معهدا، و بدأت تصدر مجلات إسلامية جديدة و طرأت تطورات كثيرة، فكان كل هذا يدفعني إلى إعادة طبع هذا الكتاب الخ۔۔۔"

یہ کلمات طیبہ جہاں کتاب کے موضوع ومضامین پر روشنی ڈالتے ہیں وہیں حضرت والا کے علم واہل علم کے جذبۂ احسان مندی کے بھی آئینہ دار ہیں۔آپ کے ان فکروں کے نتیجہ میں خطۂ گجرات کی حرکت علمیہ سے عرب بھی روشناس ہوئے اور اس خطہ کی قدیم زمانہ سے بل کہ دوراول ہی سے علم دین سے وابستگی اورخدمات کا علم ہوا اور ان اہل علم کے ذکرخیر کا قرض جوصدیوں سے اہل گجرات کی گردنوں پر چلا آرہا تھا،حتی المقدور آپ نے اس خطہ کے لوگوں کواس سے سبک دوش فرمایا۔ **جزاه الله خيرا عن جميع أهل هذه المنطقة!**

(۱۲)عامتاً گجرات میں علما کی درس وتدریس کی زبان اردو ہوتی ہے لہٰذا مادری زبان میں خال خال علما ہی اچھا لکھ سکتے ہیں، منجملہ ان کے حضرت والا بھی ہیں،آپ نے اپنی مادری زبان گجراتی میں بھی لکھنے بولنے کا بہت عمدہ ذوق پایا ہے چناں چہ اس سلسلہ میں آپ کے دورسالے دستیاب ہوئے ہیں:

(૧) હાજી ઇમ્દાદુલ્લાહ મુહાજીર મક્કિ અને તેમના નામાંકિત ખલીફાઓ:

આ કિતાબનો પરીચય પણ આપનાજ શબ્દોમાં વાંચીયે..

આ પુસ્તિકામાં હાજી સા. ના ૬૮ ખલીફાઓ માંથી ૩૧ ના

જીવનચરીત્રો સંક્ષિપ્તપણે લખવામાં આવ્યા છે.બાકી ખુલફાના નામનો ઉલ્લેખ કરવામાં આવ્યો છે.

આજે ભારતમાંજ નહી દુનિયાના ખુણે ખુણે ઉક્ત બુઝુર્ગોનો ફૈઝ ફેલાય ગયો છે, ફેલાતો જાય છે અને ઇન્શાઅલ્લાહ કિયામત સુધી ફેલાતો રહેશે.

આપણે આપણા આ મોહસિનો અને ઇસ્લામના મુહાફિઝોના જીવન અંગે કંઇને કંઇક જાણવુજ જોઇએ. કારણકે જે કોમ પોતાના પુર્વજોનો ઇતિહાસ ભુલાવી દે છે તે કોમ પૃથ્વી ઉપર સ્વમાનભેર જીવી શકતી નથી. આ બુઝુર્ગોનુ જીવન આપણા માટે દિવાદાંડી સમાન છે. એટલે એને વારંવાર વાંચો અને જીવનમાં આગળ આવવાનો માર્ગ શોધો.

તાઝા ખ્વાહી દાશ્તન ગર દાગહાએ સિના રા

ગાહે ગાહે બાઝ ખ્વાં ઇં કિસ્સએ પારીના રા

જો તમે તમારા દિલ ના ડાઘોને તાજા રાખવા ચાહતા હોયતો આ જુના કિસ્સાઓને વારંવાર વાંચતા રહો; અલ્લાહ તૌફિક આપનાર છે.

લિ.: (મૌલાના) અબ્દુલ્લાહ કાપોદ્રવી

૧૫, જુન ૧૯૯૭ ઇ.; ટોરેન્ટો-કેનેડા

(۱۳) حضرت والا دنیا بھر کے اہل علم کے قدرداں ہیں، جن کے تذکروں سے حضرت والا کی مجالس ومصنفات معمور رہتی ہیں۔ بہت بعید تھا کہ مادر وطن کے اہل علم کو آپ نظر انداز فرمادیتے؛ چناں چہ آپ نے مادر وطن کاپودرا کے اہل کمال کا ذکر خیر ''کاپودرا پھول واڑی'' (કાપોદરા ફુલવાડી) کے نام سے مرتب فرمایا جن کو

تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اول حصہ ۳۰/علماو حفاظ کے ذکر خیر پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ جس میں ڈاکٹر، وکلا، انجینئر، معاملتدار وگریجویٹ جیسی دنیوی ڈگری رکھنے والے ۲۰/افراد کا تذکرہ ہے اور تیسرے حصہ میں رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینے والے ۱۱/افراد کا ذکر ہے۔ اس طرح کل ۶۱/افراد کے مختصر حالات اس کتاب میں محفوظ فرمادیے ہیں۔ اس کتاب کے پیش لفظ سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

આપણા ગુજરાતી મુસ્લિમોમાં ઇતિહાસ પ્રત્યે ઘણો ઓછો રસ છે. ગુજરાતમાં અનેક આલિમો, રાજકીય કાર્યકર્તાઓ, સમાજસેવકો, શિક્ષણ શાસ્ત્રીઓ પેદા થયા છે.પરંતુ આજે એમના જીવન તથા કાર્યો અંગે ઘણુ ઓછુ સાહિત્ય મળે છે,

આ નાનકડાં પુસ્તકમાં કાપોદરા ગામનાં આલિમો, હાફિઝો તથા દુન્યવી તાલીમમાં આગળ વધેલા વિદ્વાનો નો ટુંકો પરિચય આપવાનો આશય પણ એજ છે કે આપણી આવતી પેઢી એમના જીવનથી બોધપાઠ મેળવી જીવનનાં દરેક મેદાનમાં આગળ વધવાની કોશીશ કરે.આપણુ ફર્ઝ છે કે કોમના આવા સેવકોના જીવનને યાદ રાખી પ્રેરણા મેળવીએ. ગુજરાતના મુસ્લિામોમાં જુદા જુદા ગામોનાં કાર્યકર્તાઓ, આલિમોનાં આવા ટુંકા જીવન ચરિત્રો લખવામાં આવે તો ગુર્જર મુસ્લિામોનો ઉજ્જવળ ઇતિહાસ સામે આવશે.

ફકત વસ્સલામ

(હઝરત મૌલાના) અબ્દુલ્લાહ કાપોદરવી સા.

૧૯૯૪–૧૧– :૨૦,હાલ ટોરેન્ટો- કેનેડા, તા

سبحان اللہ! کس قدر صاف ستھری گجراتی زبان ہے جسے گجراتی زبان کا ادبی شہ پارہ کہا جاسکتا ہے اور کس قدر فکر مندی کا اظہار اور پڑھنے والوں کو اس مضمون پر قلم اٹھانے کی ترغیب کس قدر موثر انداز میں دی گئی ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء!

پیکر تسلیم ورضا:

تقریباً عمر عزیز ۸۵ رسال کو پہنچ گئی۔ متعدد امراض کے شکار، ضعف پیری کے ساتھ امراض کی وجہ سے کمزوری روز افزوں، نیند اچاٹ، کھانا پینا نہ کے درجہ میں؛ مگر طبیعت باغ و بہار، مرضیٔ مولی از ہمہ اولی کے پیکر مجسم، واردین وصادرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ شوق دیدار وزیارت میں لوگ من فج عمیق حاضر ہو رہے ہیں۔ سب سے ملاقات، سب سے حسب مراتب خیر خیریت کی دریافت، آنے والوں کے مسائل کا حل، تیمار دار پریشان لیکن حضرت والا سراپا شفقت ورحمت ہیں، سب سے گفتگو فرماتے ہیں۔ تیمار دار خاص طور پر صاحب زادۂ مکرم حضرت مولانا اسماعیل صاحب کی ناراضگی بالکل بجا کہ پھر اس گفتگو اور بات چیت کا نتیجہ ان کے سامنے ہے، حضرت والا ہی پھر خود انتہائی نقاہت محسوس کرتے ہیں اور خاص طور پر رات کے وقت درد شدید میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان حضرات کی بھی نیند حرام ہو جاتی ہے، مگر حضرت والا پر آنے والوں کی دلداری کا اس قدر غلبہ رہتا ہے کہ اپنی ہر قسم کی راحت ان کے واسطے قربان کر دیتے ہیں اور کبھی حرف شکایت تو بہت دور کی بات ہے اپنے درد والم کا تذکرہ بھی نہیں فرماتے۔ سراپا تسلیم ورضا بنے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ اللہ

پاک کی کس کس نعمت کا شکر ادا کروں، کون سی نعمت ہے جو اللہ پاک نے عطا نہیں فرمائی، پھر نعمتیں شمار کرنا شروع فرماتے ہیں۔ میراث کی تقسیم سے مدتوں پہلے فارغ ہو چکے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ ابھی سے تقسیم نہیں کرنا چاہیے، کہنے والے کا منشا یہ تھا کہ اولاد کا کیا اعتبار؟ حضرت نے جواب دیا کہ مجھے اپنی اولاد پر اعتماد ہے اور بالفرض کچھ ہوا تو میری اولاد دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔

الحمد للہ! ساری اولاد خصوصیت سے مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ برطانیہ سے صرف اور صرف حضرت والا ہی کی خدمت کی نیت سے مع الاہل مدت سے تشریف لا چکے ہیں اور سایہ کی طرح ساتھ لگے رہتے ہیں۔ چیک اپ کرانا، دوائیں کھلانا، ڈاکٹر، حکیم بلانا، سفر کا نظام بنانا سارے امور میں ید طولی رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے جہاں حضرت والا کو کافی آرام ملتا ہے وہیں دیگر برادران و متعلقین بھی بے فکر رہتے ہیں۔ انڈیا کا قیام ہو یا کینیڈا کا، برطانیہ کا سفر ہو یا کسی اور ملک کا یا انڈیا میں داخلی اسفار ہوں، حضرت کے ساتھ جہاں کراماً کاتبین اور ملائکۂ حفظہ ہوتے ہیں وہیں اس دستۂ حفظہ کا ایک فرشتہ انسانی شکل میں مولانا اسماعیل صاحب آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جس پر آپ اپنے برادران واہل خاندان کی طرف سے نیز حضرت والا کے جمیع متعلقین کی طرف سے بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ **جزاھم اللہ عنا و عن جمیع المتعلقین خیرا۔** باقی سارے برادران اور ان کی اولاد برابر حضرت والا کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں اور آنے والے مہمانوں کی پوری خدمت حضرت والا کے مزاج کے موافق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، اللہ پاک سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین!

ختامِ مسک:

بالآخر آپ کی خصوصی عنایات جو مجھ ناچیز کے ساتھ رہیں عرض کرکے مضمون ختم کرتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانے میں ہدایہ یعنی عربی پنجم کے سال پتہ نہیں کیا بھوت سوار ہوا جو ششماہی کے بعد مدرسہ سے راہ فرار اختیار کی اس نیت سے کہ دیوبند یا سہارن پور کسی مدرسہ میں جا کر پڑھیں گے، یہ بھی شعور نہیں تھا کہ درمیان سال وہاں داخلہ نہیں ہوسکتا۔ **و کان أمر اللہ قدرا مقدورًا** کے تحت سفر ہو ہی گیا، رات کے وقت سہارن پور پہنچا۔ وہاں مولانا ابراہیم کھروڈوی ومولانا ابراہیم صاحب خان پوری زیر تعلیم تھے، ان حضرات سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے رات اپنے پاس رکھا اور بتلایا کہ اس وقت کہیں بھی داخلہ نہیں ہوسکتا، بالآخر جلال آباد جانے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے کہ حضرت مسیح الامتؒ سے اصلاحی تعلق دوسال پہلے سے قائم کرلیا تھا، نیز وہاں مولانا محمد عمر واڑی فلاحی، مولانا اسلم صاحب موسالی فلاحی، مولانا عبدالحی درمہوری فلاحی موجود تھے تو اس ارادے سے کہ وہیں حضرت والا کی خانقاہ میں رہوں گا، اگلے سال پھر دیکھا جائے گا۔ داستان واقعی لمبی ہے؛ المختصر چلا تو گیا لیکن پھر بہت صدمہ ہوا، ''فلاح دارین'' اور اس کے اساتذہ اور مہتمم صاحب کی پدرانہ شفقتیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں۔ معافی تلافی کے خطوط لکھے اور دوسرے سال ''فلاح دارین'' ہی واپسی کی ٹھان لی۔ چھوٹے ہوئے اسباق کی تلافی کے لیے کچھ کتابیں مدرسہ سے لے آیا، مطالعہ کرتا رہا کہ آیندہ سال تقریری امتحان دے کر داخلہ کرالوں گا۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس قیام کے دوران حضرت مسیح الامتؒ کی

تربیت بابرکت میں رہنے کا موقع ملا اور تا ختم رمضان خانقاہ ہی میں مقیم رہا۔ حضرت والا نے نہ کچھ پوچھا نہ کچھ کہا، بخوشی رہنے کی اجازت دے دی۔ کیا پتہ آیندہ سال حدیث وتفسیر کی ابتدا تھی، اللہ پاک نے دل کی صفائی کے لیے حضرت کے قدموں میں پہنچا دیا ہو۔ قصہ کوتاہ اگلے سال مدرسہ کھلنے پر حاضر ہوا، حضرت والا دفتر اہتمام سے باہر تشریف لا رہے تھے، دروازے پر ملاقات ہوئی؛ ہنسنے لگے، میں نے عرض کیا حضرت دوبارہ ہدایہ پڑھوں گا۔ فرمایا بس جاؤ مشکاۃ شریف یعنی عربی ششم کی کتابیں لے لو۔ بس کیا تھا دل باغ باغ ہوگیا **"واللہ ما ضربني ولا شتمني ولم یسألني ولو کلمۃ"** یہ تک نہ پوچھا کہ کیا ہوا تھا؟ کیوں؟ کہاں؟ کب؟ کچھ نہ پوچھا اور پھر وہی شفقتیں عنایتیں تادم فراغت رہیں۔

فراغت کے بعد سہارن پور محدث عصر مولانا محمد یونس صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس پڑھنے کا اشتیاق تھا اس لیے گو یہاں مدرسہ میں دورۂ تفسیر کھل رہا تھا مگر سہارن پور ہی چلا گیا، جہاں دو سال رہ کر دورہ دوبار اور افتا کیا، پھر مادر وطن واپس ہوا۔ جب واپس ہو رہا تھا تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے دریافت فرمایا کہ یوسف تجھے کوئی جانتا بھی ہے یا نہیں؟ حضرت کو فکر تھا اب یہ کیا کرے گا؟ میں نے عرض کیا حضرت ایسا کوئی تعارف تو کسی سے نہیں ہے بس آپ دعا فرما دیجیے۔ بس حضرت کی دعائیں لے کر واپس ہوا۔ گھر پہنچنے کے بعد والد صاحب کی ملاقات کے لیے بھروچ گیا اور بیمار ہوگیا۔ دوائی لینے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا اس نے دوائی لکھ دی، دوائی خریدنے بازار جا رہا تھا، بازار ہی میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رکشا تھوڑا آگے جا کر

رکا۔ رکشے سے کوئی آواز دے رہا ہے؛ قریب جا کر دیکھا تو حضرت والا رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کو مع اہل وعیال تشریف فرما پایا، علیک سلیک کے بعد انتہائی شفقت کے ساتھ خیریت معلوم کر کے فرمایا فلاں تاریخ کو مدرسہ کھل رہا ہے تم آجانا۔ بس آپ تو روانہ ہو گئے؛ میں دوائی لے کر واپس ہوا اور مدرسہ کھلنے پر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ داخلہ کی کارروائی جاری تھی، حضرت والا نے بٹھایا اور دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھاؤ گے۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ جو فرمائیں گے میں پڑھاؤں گا۔ فرمایا اچھا ٹھیک ہے، کچھ دیر بات چیت ہوئی، اٹھتے ہوئے میں نے عرض کیا حضرت بستر لے آؤں، فرمایا تم بستر لے کر نہیں آئے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا اچھا لے آؤ؛ چناں چہ میں بستر لے کر دوسرے روز آگیا۔ دراصل مجھے یہ تصور نہیں تھا کہ حضرت والا مجھے "فلاح دارین" کی مدرسی کا شرف عطا فرمائیں گے، سوچا یہ تھا کہ کہیں جگہ ہوگی وہاں بھیج دیں گے، اس لیے بستر نہیں لایا تھا۔ بہر حال پھر حضرت والا نے اپنے مخصوص خداداد مربیانہ انداز سے اس تدریسی میدان کی تربیت شروع فرمائی۔ ابتداءً ہدایۃ النحو سے نیچے فارسی تک کی کتابیں رکھیں، پھر ہر سال دو سال میں ایک نئی کتاب کا اضافہ فرماتے اور اوپر درجے کی کوئی کتاب عطا فرماتے، نیچے درجے کی حذف فرماتے، رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے بخاری شریف تک پہنچا دیا۔ اسی درمیان قاری انیس احمد خان صاحبؒ کے یہاں سبعہ عشرہ کی جماعتیں بن رہی تھیں۔ حضرت والا کو معلوم تھا اس کی آواز اچھی ہے، جلسوں میں نظمیں نعتیں پڑھواتے تھے جس سے اندازہ تھا کہ اچھا پڑھتا ہے۔ آپ نے ایک

دن مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا دیکھو قاری انیس احمد صاحب کے یہاں بچے سبعہ عشرہ پڑھ رہے ہیں تم بھی پڑھ لو، تمہاری ایک گھنٹی خالی ہے، اسی کے ساتھ میں ایک اور گھنٹی خالی کر دیتا ہوں، تم پڑھ لو۔ میں نے بصد شوق و رغبت قبول کیا، اس طرح حضرت والا ہی نے مجھ کو قراءات سبعہ کی تحصیل کا موقع عنایت فرمایا۔

یہ ہے ملکۂ افراد سازی جو ہر کس و ناکس کا کام نہیں اور یہ ملکہ آپ کو فطرتاً ملا ہوا تھا، جس بچے میں جو صلاحیت دیکھ لیتے اس کو اس میدان میں آگے بڑھاتے۔ آج کل حال یہ ہے کہ مفتی سب کو مفتی بنانا چاہتا ہے، ادیب سب کو ادیب بنانا چاہتا ہے، حدیث والا سب کو حدیث پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے، قاری سب کو قاری بنانا چاہتا ہے، اسی فکری بے اعتدالی کی وجہ سے خاطر خواہ افراد تیار نہیں ہوتے۔

درازتر گفتم:

ارادہ ضرور تھا کہ لکھوں گا، لیکن نہ سوچا تھا نہ اندازہ تھا کہ اتنا لکھ سکوں گا۔ بس کیا قلم وقرطاس سنبھالا کہ پرانی اور میٹھی یادوں کا دفتر کھل گیا، میں نے بھی میدانِ قرطاس پر اشہبِ قلم کو آزاد چھوڑ دیا، وہ میدان کی ہر سمت دوڑتا بھاگتا اپنی جولانیاں دکھاتا رہا، رکنے کا نام نہ لیتا تھا، بالآخر بہت سمجھا بجھا کر اس کو ٹھنڈا کیا اور اس کے نقش قدم سے بنے نقوش کو جمع کر لیا، اور یہ جو کچھ لکھا وہ ''فلاح دارین'' کی چہار دیواری میں محصور ومحدود صرف آپ کے انداز اہتمام اور تعلیم وتربیت سے متعلق کچھ احوال ہیں، ورنہ

''سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے''

آپ کی آفاقی شخصیت کے لیے کما حقہ لکھنے سے اپنے آپ کو واقعی عاجز پاتا ہوں ؎

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ شرفِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

دعا:

اللہ پاک حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائیں ہم جماعت فضلائے فلاح دارین کی طرف سے؛ خصوصاً جن کو آپ کی آغوش میں تربیت پا کر کچھ پڑھنے لکھنے کا ذوق ملا، سلیقہ آیا، حیوانیت کی دلدل سے نکل کر دائرۂ انسانیت میں داخلہ عطا ہوا، صحیح و سقیم کے سمجھنے کا فہم عطا ہوا؛ غرض جو ملا، جو آیا وہ سب آپ کی محبت بھری تعلیم و تربیت کا صدقہ و طفیل ہے اور اپنے مخلص اساتذۂ کرام کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ پاک سبھی محسنین کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں، جو دنیا سے رخصت ہو چکے ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اور جو بقید حیات ہیں خصوصاً حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کو شفائے کاملہ، عاجلہ، دائمہ، مستمرہ نصیب فرما کر برکت والی، عافیت والی عمر نوح نصیب فرمائیں اور ہم متعلقین بل کہ پوری امت کو آپ کی قدردانی کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز!**

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمدنِ المصطفی وعلی اٰلہ و أصحابہ وتابعیھم بإحسان إلی یوم الدین!

جامع الکمالات شخصیت

بقلم
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب مدظلہ
بانی و شیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی، لیسٹر، برطانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی ملاقات:

مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم سے پہلی ملاقات ۱۹۸۶ء میں ''دار العلوم بری'' میں ہوئی، میرے والد صاحب اور حضرت مولانا کا گجرات کے مشہور ادارے ''مجلس خدام الدین'' کے حوالے سے قدیم تعلّق تھا اور آپ کی اس سلسلے میں ہمارے گاؤں 'بھوریا' تشریف آوری بھی رہتی تھی، اس لیے والد صاحبؒ سے آپ کا نام بچپن ہی میں سن چکا تھا، پھر گجرات کے مشہور تعلیمی ادارے ''دار العلوم فلاح دارین'' کے حوالے سے ذکرِ خیر کانوں میں پڑتا رہا، اس لیے دل میں حضرت مولانا کی عظمت اور محبت کا بیج بہت پہلے سے پڑ چکا تھا، بندے کے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک پُرجلال 'ہٹو بچو' اور رعب و دبدبہ والی شخصیت کا تصوّر تھا، لیکن جب ملاقات ہوئی تو آپ کو اس کے بالکل برعکس پایا، عظیم ہونے کے باوجود بالکل سادہ طبیعت، مرنجاں مرنج اور تکلّف سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر ملاقات کی، بہت خوش ہوئے اور بغیر کسی تکلّف کے گجراتی میں گفتگو کی، اس پہلی ملاقات ہی نے دل کو موہ لیا اور عظمت و محبت میں اضافہ ہوا اور پھر تیس سال پر محیط دسیوں ملاقاتوں اور صحبتوں میں محبت بڑھتے بڑھتے عشق میں اور عظمت عقیدت میں تبدیل ہوگئی، دوسری طرف حضرت مولانا کی بلند خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی دین کے خدّام بل کہ ادنیٰ

کارکن کی بھی قدردانی اور ہمت افزائی ہے، اس لیے ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں ''اسلامک دعوہ اکیڈمی'' کے قیام کے بعد حضرت مولانا کی توجہ، محبت اور شفقت میں بھی اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور برطانیہ تشریف آوری کے موقع پر اپنے دو حقیقی بیٹوں کے یہاں لندن اور بولٹن آمد کے ساتھ اپنے اس مجازی بیٹے کے یہاں لیسٹر بھی تشریف آوری کا پروگرام ضرور بنتا، اللہ تعالیٰ شانہٗ بندے کو ''**اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ**'' کا مصداق بنا کر آخرت میں بھی آپ کی معیّت میں انبیا علیہم السلام، صدّیقین، شہدا اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین!

جامع الکمالات:

حضرت مولانا بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، اس قحط الرجال کے دور میں کسی ایک فرد میں ایسی خوبیوں کا ایک جا پایا جانا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اللہ تعالیٰ کی عام سنّت یہ ہے کہ وہ فردِ واحد کو گنی چنی چند خوبیوں سے نوازتے ہیں اور خاص سنت یہ ہے کہ اپنے بعض مخصوص اور منتخب بندوں کو بہت ساری خوبیوں اور خصلتوں سے آراستہ فرما کر جامع الکمالات بناتے ہیں، آپ بھی اسی منتخب طبقے کے ایک فرد ہیں، آپ کی ذات ایک انجمن ہے، آپ بیک وقت مفکّر بھی ہیں اور مصلح بھی، مدرّس بھی ہیں اور مربّی بھی، مہتمم بھی ہیں اور ناظم بھی، خطیب بھی ہیں اور صاحبِ قلم بھی، حق گو بھی ہیں اور اُمّت کے خیر خواہ، غم گسار اور ہمدرد بھی، اسی وجہ سے آپ عوام وخواص، اصاغر و اکابر، اپنے اور پرائے، الغرض سب ہی کے لیے محبوبیت ومقبولیت کا مرکز ہیں۔

ادب اور احترام:

حضرت مولانا کی زندگی میں ادب، احترام اور وقار بہت اعلیٰ درجے کا ہے، چاہے بیماری ہو یا تھکاوٹ، سفر ہو یا حضر، بندے نے کبھی بھی حاضرین کے ساتھ کیف ماا تفق بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا، ہمیشہ مناسب لباس، سر پر ٹوپی، (کبھی اس کے ساتھ رومال) زیب تن کر کے ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے، پوری توجہ سے آنے والوں کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں، چاہے آنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، واردین و حاضرین کو کبھی اشارۃً وکنایۃً بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ اب مجلس برخواست ہونی چاہیے، یہ بات کہنے میں تو بہت آسان ہے مگر عمل کر کے دکھانا بڑی ہمّت کا کام ہے، ابھی چند مہینوں پہلے کینیڈا کے سفر کے دوران دیکھا کہ ملاقات کے اوقات سے پہلے صاف ستھرے نفیس کپڑوں میں ملبوس ہوکر اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیماری کے باوجود پورے وقار کے ساتھ اخیر تک وہی نشست رہتی ہے۔

نظافت ونفاست:

صفائی ستھرائی اور نفاست آپ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، آپ خود بھی نفیس، آپ کی گفتگو بھی نفیس، آپ کا لباس بھی نفیس، آپ کی تقریر بھی نفیس، آپ کی تحریر بھی نفیس، آپ سراپا نفاست ہیں، آپ کو دیکھ کر "**اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ**" کا نہ صرف جملہ یاد آجاتا ہے، بل کہ اس کی عملی تشریح بھی سمجھ میں آتی ہے، پھر اس کے ساتھ سادگی اتنی اور تکلف وتصنع سے اس قدر دوری کہ آپ "**اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ**" کا مظہر بھی نظر آتے ہیں۔

علمی پختگی:

آپ کی علمی استعداد بہت مضبوط اور پختہ ہے، میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ جاہل رہنا ہو تو وہ مدرسے کا اہتمام سنبھالے، مگر حضرت والا نے جہاں اہتمام کی ذمے داری کو کما حقہٗ نبھایا وہاں اپنے علمی ذوق کو بھی باقی رکھا بل کہ اسے پروان چڑھایا، اس کی جھلک آپ کی تقاریر میں بھی پائی جاتی ہے، موضوع کوئی بھی ہو، بہترین تقریر کرتے ہیں، اس موضوع کے متعلق نئی معلومات کا ایک دفتر کھول دیتے ہیں اور علما و طلبہ عش عش کرتے رہ جاتے ہیں۔

اکیڈمی میں جب دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تو حسن اتفاق سے جس دن بخاری شریف کی حدیث کی بسم اللہ تھی اسی دن حضرت والا کی تشریف آوری ہوئی، ہمارے لیے یہ تشریف آوری نعمتِ غیر مترقبہ تھی، ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا، موقع کو غنیمت جان کر حضرت والا سے بسم اللہ کرنے کی درخواست کی، عذر فرمایا مگر ہماری طرف سے اصرار کے بعد ہمیشہ کی طرح شفقت فرما کر ہماری درخواست کو شرفِ قبول نصیب کیا، آپ نے بہترین درس دیا، فلاح دارین کے شیخ الحدیث اور حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ، حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب دامت برکاتہم بھی مجلس میں موجود تھے، درس کے بعد آپ نے فرمایا کہ آج کے درس سے مجھے بھی بہت فائدہ ہوا۔ آپ کو عربی، فارسی، اردو اور گجراتی چاروں زبانوں پر یکساں عبور ہے۔

عملی زندگی:

علمی پختگی کے ساتھ آپ کی عملی زندگی بھی اعلیٰ ہے، آپ کے ظاہری اخلاق آپ کے باطنی فضائل کے ترجمان ہیں، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقِ حسنہ کا اہتمام بھی آپ کی زندگی کا حصہ ہے، آپ کی روزمرہ کی زندگی میں سنّتِ نبوی کی جھلک بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے، آپ ہر چھوٹے بڑے کو پوری توجہ کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، آنے والوں کے لیے اکراماً کھڑے ہو جاتے ہیں، سلام اور مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو اس کی حیثیت کے مطابق مناسب جگہ بٹھاتے ہیں، لب پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی ہے، ہر ایک کے ساتھ نظریں ملا کر بات کرتے ہیں، ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے ہیں اور مناسب جواب بھی دیتے ہیں، کبھی کسی کے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کرتے نہیں دیکھا، ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ اس کی استعداد کے مطابق بات کرتے ہیں اور ہر ایک کے مزاج کو سامنے رکھ کر اسے اللہ اور دین سے قریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپ کی مجلس اور صحبت سے علما و مدرّسین، مرشدین و مصلحین، دین کے خدّام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ، عوام، بوڑھے اور جوان سب مستفید ہو کر اٹھتے ہیں۔

مہمان نوازی:

آپ کی طبیعت میں مہمان نوازی بھی کوٹ کوٹ کر ودیعت کی گئی ہے، اپنے وطن انڈیا میں ہوں یا کینیڈا میں یا پھر برطانیہ میں اپنے صاحب زادوں کے یہاں، **فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ** کا مظہرِ اتم ہوتے ہیں، درجنوں آدمی ملنے کے لیے آتے جاتے ہیں،

مشروبات اور ناشتے سے سب کی خاطر ہوتی ہے، اگر کھانے کا وقت ہوتو پُر تکلّف کھانوں کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور بہت زیادہ مسرور نظر آتے ہیں، دستر خوان پر ہر ایک کا خیال رکھتے ہیں اور مہمان زیادہ ہوں تو ہر ایک کا نام لے کر خدام کو خاطر تواضع کرنے کی تاکید فرماتے ہیں، ذوقعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق اگست ۲۰۱۶ء میں حضرت مولانا کی زیارت اور ملاقات کی غرض سے کینیڈا حاضر ہوا تو کھانے پر کئی لوگ مدعو تھے اور قسما قسم کے کھانے چنے گئے تھے، بندے کے کچھ عرض کرنے پر فرمایا کہ آج تمہارے آنے کی وجہ سے میرے لیے عید ہے۔

آداب المعاشرت:

آداب المعاشرت کا بھی آپ کی زندگی میں اہتمام ہے، ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ کسی کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے، آپ **"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ"** کے رنگ میں ایسے رنگے ہوئے ہیں کہ کسی اور کے عمل سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے اس سے بھی آپ کو رنج ہوتا ہے، کبھی وعظ کے پروگرام کے دوران اعلان ہوتا ہے کہ کسی کی گاڑی غلط جگہ پر کھڑی ہے تو چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور دردِ دل کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح فرماتے ہیں، ایسے موقع پر آپ اس خیال سے بے چین ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کی حرکتوں کی وجہ سے غیر مسلم بدظن ہو کر اسلام اور مسلمانوں سے دور ہو جاتے ہیں۔

۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء میں سفرِ ہندوستان کے دوران حضرت کے پاس آپ کے وطن کاپودرا میں ایک رات قیام رہا، سونے سے پہلے مکان کی بالائی منزل

پر تشریف لائے اور جس کمرے میں ہمیں سونا تھا وہاں سے بیت الخلا تک خود لے جا کر بیت الخلا کی جگہ بتلائی، بستر کے قریب ٹیبل پر پانی سے بھرا ہوا جگ (Jug) اور اس کے ساتھ گلاس رکھوایا اور ایک ٹورچ (Torch) بھی تا کہ ہم مہمانوں کو تکلیف نہ ہو، صبح حضرت مولانا کی معیت میں فلاحِ دارین ترکیسر حاضری ہوئی، وہاں سے فارغ ہوکر میرے والد صاحب کے ہم عصر حضرت مولانا آدم پٹیل صاحبؒ کی ملاقات کر کے کیم کے مدرسے میں پہنچنا تھا اور پھر آگے دار العلوم کٹھور، کچھ تاخیر بھی ہوگئی تھی، فلاحِ دارین کی مسجد سے حضرت کے ساتھ نکل رہے تھے کہ کسی نے حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ کا پیغام پہنچایا کہ میں سورت پہنچ چکا ہوں اور تھوڑی دیر میں فلاحِ دارین پہنچ رہا ہوں اور ملاقات کا متمنّی ہوں۔ حضرت مولاناؒ بندے کے محسن بزرگوں میں سے تھے اس لیے بندے کی بھی بہت چاہت تھی کہ زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہو، مگر حضرت والا نے یہ کہہ کر مجھے روانہ کر دیا کہ میں مولانا سے بات کرلوں گا، آپ چلے جائیں ورنہ آگے کے تمام پروگراموں میں گڑبڑ رہے گی اور میزبان منتظمین کو تکلیف ہوگی۔

وقت کی حفاظت:

آپ وقت کی پابندی کا بہت اہتمام کرتے ہیں، آپ کا ہر کام نظم وضبط کے ساتھ وقت پر ہوتا ہے، چاہے ذاتی ہو یا کسی اور کے متعلق، کہیں جانا ہوتا ہے تو ہمیشہ وقت سے پہلے تیار ہوجاتے ہیں اور وقت سے پہلے پہنچ جاتے ہیں، اس سلسلے میں کوتاہی سے آپ بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں، نماز کے لیے بھی وضو وغیرہ کر کے

نماز کے وقت سے بہت پہلے تیار ہو جاتے ہیں اور جماعت سے پہلے مسجد میں پہنچ کر نماز، تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں، تلاوت ہمیشہ تدبّر کے ساتھ کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہوئے چہرے پر کبھی سرور تو کبھی حزن کے آثار نظر آتے ہیں، کبھی کبھی خوف کی وجہ سے جسم پر شکستگی بھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی محوِ سرور ہو کر خوشی میں جھومتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں، جاہ، مال، دنیا اور دنیا داروں سے مستغنی رہنے میں **"الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا وَالرَّاغِبُ فِي الْاٰخِرَةِ"** کے مصداق ہیں۔

اربابِ علم و فضل سے تعلق و محبت:

اہلِ علم، مدارس اور خدّامِ دین کی بہت قدر فرماتے ہیں، حسبِ مراتب اربابِ علم و فضل کی تشریف آوری پر اپنی جگہ سے اٹھ کر کبھی دروازے تک، کبھی گاڑی تک اور کبھی اسٹیشن یا ائیر پورٹ تک بھی چلے جاتے ہیں، جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں کے مقتدر علما اور دین کے خدّام کی ملاقات کرتے ہیں، چاہے وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، صاحبِ کمال کے کمال اور صاحبِ فضیلت کی فضیلت کا برملا اعتراف اور اظہار میں کبھی بخل نہیں کرتے، بل کہ عوام و خواص کو ان کی طرف متوجہ کر کے استفادہ کی تلقین کرتے ہیں، ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کے علما اور خدامِ دین سے ملاقات کا بہت اہتمام کرتے ہیں، ملنے کے لیے خود سعی فرماتے ہیں اور بہت ادب و احترام سے ملاقات کرتے ہیں۔

دین سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا احترام:

آپ کے دل میں دین اور دین سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا بہت زیادہ احترام ہے، ۲۰۰۱ء میں یہ روسیاہ بارباڈوس اور پناما جاتے ہوئے حضرت والا کی خواہش پر کینیڈا پہنچا، آپ علیل چل رہے تھے، بندہ واقف تھا اس لیے حضرت والا کی خدمت میں فون سے عرض کیا کہ آپ ہرگز ائیر پورٹ تشریف نہ لائیں، برادرِ مکرّم مولانا اسماعیل صاحب کو بھی اس سلسلے میں بہت تاکید کی، مگر امیگریشن (Immigration) سے نکلا تو حیران ہوگیا کہ حضرت والا انتظار میں سب سے آگے کھڑے ہیں، میرے کچھ عرض کرنے پر فرمایا کہ آپ ہزاروں میل کا سفر کرکے دین کی باتیں کرنے کے لیے آئے اور ہم دین کی نسبت پر آنے والے ایک خادمِ دین کے استقبال کے لیے آدھے گھنٹے کا سفر بھی نہ کریں؟ اس کے بعد اس سفر کے ہر بیان میں شرکت کی اور بیان سے پہلے اس بے حیثیت طالبِ علم کا بلند الفاظ سے تعارف کرواکے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہے، جب تک صحت اچھی تھی اس وقت تک علما میں سے کسی کا بھی ٹورنٹو ورود ہوتا، داعی چاہے کوئی بھی ہو، حضرت استقبال کے لیے ائیر پورٹ تشریف لے جاتے اور پروگراموں میں شریک رہتے، چاہے وہ اصاغر میں سے ہی کیوں نہ ہو۔

اسلاف سے والہانہ محبت اور عقیدت:

آپ کو اسلاف بالخصوص اکابرِ دیوبند سے والہانہ محبت اور لگاؤ ہے، عمومی وعظ ہو یا خصوصی مجلس، ہر موقع پر ان بزرگوں کا بڑی محبت سے وقیع تذکرہ فرماتے

ہیں، آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے لے کر مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ اور قاری صدیق احمد باندوی صاحبؒ تک کئی اکابر سے استفادہ کیا اور ان کی توجہات سے فیض یاب ہوئے، اکابر کی رحلت کے بعد بھی مشائخ کی ملاقات اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا، کئی بزرگوں نے اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اجازتِ بیعت سے بھی نوازا ہے، علما کو نصیحت کرتے ہوئے اسلاف واکابر سے وابستگی اور تزکیہ واصلاح کے اہتمام کی تاکید فرماتے ہیں اور اسی کو فتن سے محفوظ رہنے کا طریقہ بتاتے ہیں، خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور تبلیغِ اسلام کے لیے طریقۂ کار میں تجدّد اور تنوّع کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے افکار ونظریات میں تسلسل وتوارث کو ضروری قرار دیتے ہیں اور **"عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ"** کی تاکید فرماتے ہیں۔

اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے:

اکیڈمی کا ابتدائی زمانہ تھا، حضرت کی تشریف آوری ہوئی، ہم نے مکاتب کے اساتذہ کے لیے ایک سیمینار رکھا، حضرت والا کے خطاب کے بعد باہمی مذاکرہ ہوا، جس میں بندے نے عرض کیا کہ مکتب کا تعلیمی نصاب اب انگریزی میں ہونا چاہیے، اس لیے کہ بچے اردو سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں اور دین کی بنیادی تعلیم "عقائد، فقہ اور اخلاق" کمزور ہوجائے گی، لیکن ہر مکتب میں اردو کو بحیثیتِ زبان ضرور سکھانا چاہیے تاکہ ہمارے بچے اکابر اور ان کی تعلیمات سے وابستہ رہیں۔ ایک نوعمر فاضل نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم سے مقصود اکابر سے جوڑنا ہے یا

دین سے؟ ابھی میں کچھ عرض کرسکوں اس سے پہلے حضرت والا نے فرمایا کہ اس کا جواب میں دوں گا اور فرمایا کہ دین سے جوڑنے ہی کے لیے اسلاف و اکابر سے جوڑ ناضروری ہے، اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے۔

اصاغر پروری:

اصاغر پروری بھی آپ کی ایک بڑی خصوصیت ہے، دین کے کسی خادم کو آپ سے ملنے کے لیے جانے سے پہلے اپنا جو کام معمولی نظر آتا ہے وہ آپ کی ملاقات کے بعد غیر معمولی محسوس ہوتا ہے، حضرت مولانا کی مجلس سے دین کا ہر خادم خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار ہوکر اٹھتا ہے، حال ہی میں بندے کے دو رسالے 'علما کا آپس میں احترام اور دین کی خدمت اور دعوت وتبلیغ کے مختلف طریقے' خوب اہتمام کے ساتھ گجرات کے تمام مدارس میں تقسیم کرائے، ملاقات کے لیے آنے والے علما کو بھی دیتے رہے اور بندے پر بقلمِ خود خط لکھ کر اس کی خبر بھی دی، آپ کی اصاغر نوازی سے فیض یاب ہونے والا دل ہی دل میں کہتا ہوگا **بَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي**۔

رجال سازی:

آپ اس اعتبار سے بھی بہت ممتاز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے رجال سازی کا کام لیا، آپ صرف مدرّس یا مہتمم ہی نہیں، بل کہ صاحبِ نظر مزاج شناس مربی بھی ہیں، سنگ ریزوں میں گوہر کو پہچان لینے کا ملکہ رکھتے ہیں اور خاک آلود ہیروں کو پرکھنے، تراشنے اور چمکانے کا ہنر جانتے ہیں، اسی لیے آپ کے تربیت یافتہ

فضلا پوری دنیا میں پھیل کر مختلف میدانوں میں دین کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

تعصب وتحزب سے دوری:

آپ تعصب، تحزب، گروہ بندی اور حلقہ بازی سے بہت دور ہیں، تمام اہلِ حق کو اپنا سمجھتے ہیں، بندے کو تعلّقِ خاطر کی وجہ سے مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازنے کا معمول رہا، لیکن تیس سال میں بندے کا کبھی کسی کے خلاف ذہن بنانا تو بہت دور کی بات ہے، کبھی اشارہ بھی نہیں کیا، حضرت کے سامنے حضرت سے اختلاف کرنے والوں کی اچھائی بیان کرتے ہوئے کبھی جھجک محسوس نہیں ہوتی، اس لیے کہ خوبی اور فضیلت کسی کی بھی بیان کی جائے ہمیشہ خوش ہوتے ہیں۔

مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ:

جس طرح آپ کو دین اور اُمّت کی ترقی سے بے حد خوشی ہوتی ہے، اسی طرح آپ دین اور اُمّت کے نقصان سے درد بھی بہت محسوس کرتے ہیں اور بے چین ہوجاتے ہیں، آپ **"مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ دَائِمُ الْفِکْرَۃِ"** نبی کے سچے وارث ہیں، آپ کی فکر ونظر جس طرح آفاقی ہے اسی طرح آپ کے قلب وجگر کا درد بھی آفاقی ہے، دنیا کے ہر خطّے کے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی، چھوٹی یا بڑی، ہر تکلیف کا درد محسوس کرتے ہیں اور آپ کی خصوصی اور عمومی مجلسوں میں اسی کا تذکرہ رہتا ہے، عوام اور خواص دونوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق اُمّت کے مسائل کی طرف متوجّہ فرماتے ہیں اور حل کرنے کا طریقۂ کار بھی بتلاتے ہیں۔

فراست ودانائی:

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اعلیٰ درجے کی فراست سے بھی نوازا ہے، بڑے بڑے مشکل مسائل کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں، میرے حاجی فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے حضرت مسیح الامتؒ کا یہ ملفوظ سنا تھا کہ دو اوصاف بہت اہم ہیں، موقع شناسی اور مردم شناسی، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ان دونوں اوصاف کا وافر حصہ نصیب فرمایا ہے اور ''دار العلوم فلاح دارین'' میں آپ کا دورِ اہتمام اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

أَيَنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ:

اپنے متعلقین اور دین کے دیگر خدّام کو خطوط لکھ لکھ کر دین کی ضروری خدمتوں کی طرف متوجّہ کرتے ہیں، اسی طرح جو جس میدان میں سرگرمِ عمل ہے اس کے لیے جو چیز کارآمد ہوتی ہے، مثلاً کوئی مشورہ، کتاب یا مضمون، وہ اس پر روانہ کرتے ہیں، جماعتوں، جمعیتوں، تحریکوں، مدارس اور دینی کاموں کے ذمے داران کو بھی موقع اور مناسبت سے خطوط لکھ کر رہ نمائی فرماتے ہیں اور کمزوریوں کی نشان دہی کرتے ہیں، ساتھ ساتھ اچھائی اور خوبیوں کی تعریف کر کے ہمّت افزائی بھی کرتے ہیں، آپ خوش اخلاق ہونے کے ساتھ حق بات کے برملا اظہار میں **"لَا يَخَافُوْنَ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ"** کے مظہر ہیں، آپ کی زندگی جہدِ مسلسل سے تعبیر ہے، آپ ہر وقت قوم وملّت کی فلاح و بہبودی کے لیے فکرمند اور کوشاں رہتے ہیں، امراض وعوارض کے باوجود اس پیرانہ سالی میں بھی آپ **"أَيَنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ"** کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

ذوقِ مطالعہ:

جمعِ کتب اور کتب بینی دونوں کا خوب ذوق وشوق ہے، کون سی کتاب کس مصنف کی کس کی تحقیق کے ساتھ کہاں چھپ رہی ہے، اس کی معلومات رکھتے ہیں اور پھر اپنے متعلقین کو بھی آگاہ کرتے ہیں اور ہوسکتا ہے تو حاصل کر کے بھیجتے بھی ہیں، بندے پر بھی ہر آنے والے کے ساتھ کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ارسال کرتے ہیں، آپ کے ذاتی کتب خانے میں بھی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جن میں کئی نایاب کتابیں ہیں، آپ نے یہ تمام کتب ''جامعہ قاسمیہ کھروڈ'' کو وقف کردی ہیں اور وہاں ایک شان دار کتب خانہ ''مجمع الشیخ عبداللہ الکافودروی'' کے نام سے شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف لوہاروی صاحب مدظلہم کی نگرانی میں تیار ہوگیا ہے۔

تِلۡکَ آثَارُنَا:

ان شاءاللہ تعالیٰ یہ کتب خانہ اور آپ کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والے سیکڑوں ادارے (بالخصوص دارالعلوم فلاحِ دارین جس کو آپ نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے) اسی طرح پوری دنیا میں پھیلے ہوئے آپ کے تربیت یافتہ درجنوں علماوفضلا آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوں گے اور ان سب کا اجر وثواب آپ کی میزانِ حسنات میں ہوگا ؎

تِلۡکَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيۡنَا

فَانۡظُرُوۡا بَعۡدَنَا إِلَى الآثَارِ

اعترافِ تقصیر:

حضرت کی ذاتِ ستودہ صفات کے بارے میں میرے جیسا بے بضاعت آدمی کیا لکھ سکتا ہے؟ مشہور مقولہ ہے **"لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ"**، حضرت والا کو دیکھتا ہوں تو **"رَجُلٌ لِکُلِّ فَنٍّ"** نظر آتے ہیں، ان کو پہچاننے کے لیے علم و فضل والی آنکھیں چاہییے، **اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ**، لعل و گوہر کی صحیح تعریف ایک اچھا جوہری ہی کر سکتا ہے اور اس کا کماحقہٗ تعارف بھی اسی کا حق ہے، یہ ناکارہ نہ جوہری ہے نہ اس کے پاس اور کوئی صلاحیت ہے، پھر وہ گجرات کے اس ہمہ گیر انمول ہیرے کے بارے میں کیا تبصرہ کر سکتا ہے؟ برادرِ مکرّم، صاحبِ علم و فضل، شیخ الحدیث مولانا ادریس صاحب مدظلہم کے اصرار پر بڑی شرمندگی اور اعترافِ تقصیر کے ساتھ چند بے ربط سطور سپردِ قرطاس کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ کمی کوتاہی کو معاف فرمائے اور حضرت والا کے سایۂ عاطفت کو کامل عافیت کے ساتھ مدّتِ دراز تک اُمّت پر قائم رکھ کر سب کو مستفیض فرمائیں۔ آمین!

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ!

عصر حاضر کی ایک عبقری شخصیت

بقلم

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رویدروی مدظلہ

امام مسجد ہدایہ، مانچسٹر، برطانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصر حاضر کی ایک عبقری شخصیت، مفکر دوراں، مفکر ملت، محبوبی حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم، سابق رئیس الجامعہ فلاح دارین، ترکیسر کے بارے میں اللہ تعالیٰ قلم کی امانت قرطاس کے حوالے کرنے کی مطلوبہ صلاحیتیں عطا فرمائے۔

سفر برطانیہ کے موقع پر حضرت دامت برکاتہم کی دو اہم نصیحتیں:

حضرت دامت برکاتہم کا اپریل ۲۰۱۴ء میں جو برطانیہ کا سفر ہوا تھا اس میں آپ تلامذہ، متعلقین کو مقاصد شریعت پر عبور حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرماتے رہے، مقاصد شریعت پر عبور دور حاضر کے خادم دین کے لیے نہایت ہی لابدی اور ناگزیر ضرورت ہے، اس لیے کہ اقوام عالم کو دین متین سے برگشتہ اور متنفر کرنے کے لیے عقل وقیاس اور حسی مشاہدات ہی کو موضوع بنا کر پوری قوت ابلاغ کو استعمال کیا جارہا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی نئی نسلوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لیے بھی عقل ونقل میں تصادم ثابت کرنے کی گھناؤنی حرکتیں اور سازشیں فضاؤں کو متعفن کر چکی ہیں، مقاصد شریعت پر مہارت دونوں محاذوں پر ناقابل شکست رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔

عقل سے ماورا ہونا عقل کے مخالف ہونے کے بالکل مترادف نہیں ہے، عقل ونقل کی مناسبت ہی کا دوسرا نام مقاصد شریعت پر عبور ہے، حضرت دامت

برکاتہم دو بنیادی چیزوں کی طرف متوجہ فرماتے رہے: (۱) اول یہ کہ مقاصد شریعت پر عبور حاصل کرو (۲) دوسرا یہ کہ مقامی زبان پر اعلی مہارت پیدا کرو، حضرت کی یہ درد بھری اپیل رہی کہ بین الاقوامی حیثیت رکھنے والے مقامی اخبارات، جرائد و رسائل کے ایڈیٹوریل پڑھتے رہو، مقامی اور بین الاقوامی چیلنج کا اس سے صحیح اندازہ ہوگا اور ان کا پڑھنا مقامی اعلی زبان اور اس کی عمدگی کے لیے معین ثابت ہوگا، ملک میں کیا کیا رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں ان کا ادراک بھی ہوگا (حضرت دامت برکاتہم کے جو بیانات برطانیہ کے دار العلوم میں ہوئے ان میں حضرت دار العلوم کی انتظامیہ کو اس طرف بھی توجہ دلاتے رہے ہیں کہ تمہارے ادارے میں سے جو ذہین طلبا دورۂ حدیث مکمل کرتے ہیں ان کے لیے جیسے تخصص فی الحدیث اور تخصص فی التفسیر کے کورس کروائے جاتے ہیں اور اس کا بعض جگہوں پر انتظام ہے، اسی طرح کا انتظام تم اپنے یہاں انگریزی زبان سے متعلق شروع کرو اور ذہین طلبا کو اعلیٰ درجہ کی انگلش سکھاؤ تا کہ وہ اسلام مخالف جو مضمون اخبار میں لکھے جاتے ہیں ان کا جواب اسی طرز کی زبان و اسلوب میں دے سکیں)

حضرت دامت برکاتہم کی سیاسی بصیرت:

خلیجی جنگ کے بالکل ابتدائی ایام میں حضرت نے فرمایا تھا کہ یہ سربراہ مملکت اور اس کی حرکتیں پورے عالم عرب کو خطرات سے دوچار کردیں گی ایسا اندیشہ ہے اور اندیشہ اور اندازہ سالوں کے بعد آج حقیقت بن چکا ہے۔

یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقعوں سے جڑی ہوئی کچھ یادیں:

یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقعوں پر حضرت دامت برکاتہم کا دارالعلوم کی مسجد میں خطاب ہوتا، شیخ الہندؒ اور ان کا فلسفہ اور نظریہ خلافت اور ان کی ہمہ جہت شخصیت پر ان کا مفصل تعارف مختلف پہلوؤں سے یا تو حضرت دامت برکاتہم کے ان خطابات میں سنا ہوگا یا حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم سے سننے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے، ان خطابات کے یہ جملے حضرت دامت برکاتہم کے آج بھی گویا کہ سنائی دے رہے ہیں کہ جن کا پوری دنیا میں طوطی بولتا تھا اس برٹش امپائر کا یہ اعتراف شیخ الہندؒ کے متعلق کہ اس فرد نے تنہا پورے برٹش امپائر کو متزلزل کر دیا ہے اور پورے برٹش امپائر کے ناک میں دم کر دیا ہے۔

اسلام پسندوں کی حضرت دامت برکاتہم کی نگاہ میں قدر:

ماضی کے ایک صدر مملکتؒ کی زندگی کے مختلف گوشے ان کی زندگی ہی میں حضرت دامت برکاتہم سے سنے اور ان کی شہادت پر حضرت دامت برکاتہم نے **"اذکروا محاسن موتاکم"** کے ذیل میں اس مرحوم صدر مملکتؒ کے لیے مجلس کا اہتمام فرمایا تھا۔

اسلام بیزاری اسلام کے نام پر بنائے گئے ملک میں:

حضرت دامت برکاتہم فلاح دارین کے کتب خانے کی کتابوں کے سلسلہ میں پاکستان تشریف لے گئے تھے، ایک نئی حکومت کا پاکستان میں آغاز ہو رہا تھا،

کامیابی اور فتح کے اظہار کے لیے اس کامیاب پارٹی کے نمائندوں نے مسجد میں نعوذ باللہ شامپین ڈالا تھا، حضرت دامت برکاتہم نے بڑے بلیغ الفاظ میں اس واقعہ کو اپنے سفر پاکستان کے تاثرات میں بیان فرمایا تھا کہ یہ حرکت اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام بیزاری کی مثال فراہم کررہی تھی۔

یہ ایک سیاسی تدبیر تھی:

مذکورہ ملک کے سربراہِ مملکت دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والے ون ڈے کرکٹ میچ دیکھنے پہنچے تھے، حضرت دامت برکاتہم نے فرمایا تھا کہ ''کرکٹ میچ کا عنوان درحقیقت دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ کو ختم کرنے کی سیاسی تدبیر تھی''۔

امریکی سفارت خانے کے عملے کی فلاح دارین میں آمد:

اپنے دورِ اہتمام میں حضرت دامت برکاتہم نے امریکی سفارت خانے کے عملے کو فلاح دارین میں مدعو فرمایا تھا، عملہ نے فلاح دارین کا معائنہ تفصیل سے کیا تھا اور اپنے تاثرات کا بلند الفاظ میں اظہار کیا تھا۔

تعلیمی وتربیتی گہرے نقوش:

اللہ تعالیٰ مبالغہ سے بچائے، ایسا لگتا ہے کہ افراد سازی کی صلاحیتوں سے اللہ تعالیٰ نے جن کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا آئے دن ان کے دیدار کے لیے آنکھیں ترستی ہی رہیں گی، حضرت دامت برکاتہم انہی شخصیات کی بلند نمائندگی فرماتے رہے ہیں۔

میں یہ جملے حضرت دامت برکاتہم کے لیے مستعار لیتا ہوں:

علامہ یوسف قرضاوی دامت برکاتہم کا جملہ جو انہوں نے ''مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ مفکر اسلامؒ افراد کار اور رجال دین کی ایک ٹیم دنیا میں اتار چکے ہیں'' کو حضرت دامت برکاتہم کے لیے مستعار لینا بیجا نہ ہوگا، مقارنۃ الادیان، الغزو الفکری اور قرآن وسنت کے علوم کو انطباقی اور تطبیقی نسبتوں سے مربوط رکھنے کی بھرپور کوشش حضرت دامت برکاتہم کے سنہری دور کے تعلیمی ڈھانچہ کی غمازی اور تصویر ضرور پیش کرے گی، اردو اور عربی ادب اور ان کے متعلقات کی طرف توجہ موڑنا حضرت دامت برکاتہم کی طرف سے مسلسل ہوتا رہتا ہے۔

آہ! مقام بلند پر ہونے کے باوجود اعتراف ورجوع کی مثال:

دار العلوم فلاح دارین میں حفظ کی تکمیل کا اجلاس ہو رہا تھا، پہلے طالب علم نے آخری سورتوں کی تلاوت کا آغاز ہی کیا تھا کہ حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ نے مداخلت فرمائی، مائیکروفون پر حضرتؒ غالباً اول مرتبہ تشریف لائے ہوں گے، جبال العلم علما مجلس میں موجود تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ تقریب سعید منعقد ہو رہی ہے تکمیل حفظ کی اور اہلِ علم کے درمیان، اور ابتدا بالیمین کی سنت کا اہتمام کیوں نہیں کیا جا رہا ہے؟ حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے جواباً فرمایا کہ طالب علم کے اعتبار سے ابتدا بالیمین کی سنت کا اہتمام ہو ہی رہا ہے، حضرت مولانا شیر علیؒ نے اس روایت کو بطور دلیل پیش فرمایا کہ مشروب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا، غالباً حضرت عبداللہ بن عباسؓ علی الیمین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اجازت لے کر

حضرت ابوبکرؓ کو پیش فرمانا چاہتے تھے؛ مگر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اپنے حق یمین پر تبرک کے حرص میں حضرت ابوبکرؓ کو ترجیح نہیں دی، اس روایت کو پیش فرما کر حضرت مولانا شیر علیؒ اسٹیج پر تشریف فرما ہونے کے اعتبار سے یمین کا استحقاق ثابت فرما رہے تھے، حضرت مفکر دوراں و مفکر ملت نے علی رؤس الاشہاد اپنی رائے کو مرجوح اور حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ کی رائے کو راجح قرار دے کر اسی اعتبار سے ابتدا بالیمین کی سنت کا اتباع کروایا، آہ! مقام بلند پر ہونے کے باوجود اعتراف و رجوع کی مثال پیش کرنے والوں کو آنکھیں ترسیں گی۔

امت کے زوال کا ایک سبب:

اس امت کے زوال کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ افراد کا تیار ہونا ختم ہوگیا۔

اکابر کی اس دور کی مثال ہے حضرت دامت برکاتہم کا وجود:

وقت پر اعتراف، صلاحیتوں کی پہچان اور ان کے استعمال کا حرص، حق کی بلندی کے لیے حق کے جذبات سے معمور اکابر کی اس دور کی مثال ہے حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کا وجود۔

طبائع و ذوق کے لحاظ سے مشورہ:

مختلف خدام کو مختلف کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دینا حضرت دامت برکاتہم کا معمول رہا ہے، جس میں متنوع طبائع کے ذوق و صلاحیت کی حضرت بھرپور رعایت فرماتے رہے ہیں۔

دینی اور دنیوی تقسیم کو مٹانے کی کوشش:

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کائنات اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور قرآن اور کائنات دونوں آیات اللہ سے عبارت ہیں، دینی اور دنیوی کی تقسیم کو مٹانا حضرت دامت برکاتہم کا مشن رہا ہے، علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر سید حامد صاحب کی فلاح دارین آمد اسی سلسلہ کی حسین کڑی ہے، مختلف جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد اس کی گواہی دیتے رہے ہیں۔

حضرت دامت برکاتہم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر:

تعلیمی و تربیتی گہرے نقوش کے اس عنوان کا معنون مزید تفصیلات کا متقاضی ہے، اختصار کی غرض سے اتنے پر اکتفا کرنے پر مجبور ہوں، اسی طرح حضرت دامت برکاتہم کی قوت فیصلہ، اخلاق کی بلندی، اعتدال اور مہمان نوازی وغیرہ عنوانات کے گہرے نقوش حضرت سے وابستگی کی حسین یادگاریں ہیں، تطویل کے خوف سے اسی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

مفکر ملت ،فخر گجرات حضرت مولانا

عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ العالی

رئیس جامعہ فلاح دارین ،ترکیسر، گجرات، الہند

بقلم

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی مدظلہ

مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ

وشیخ الحدیث دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

پہلی زیارت:

اس عاجز فقیر کو حضرت مولانا مدظلہٗ کی پہلی زیارت اس وقت ہوئی جب آپ مدرسہ مفتاح العلوم تراج کے سالانہ امتحان کے لیے تشریف لائے۔ اس مدرسہ کی یہ روایت رہی کہ اس کے سالانہ امتحانات کے لیے جامعہ ڈابھیل کے اساتذہ تشریف لاتے ہیں اور پھر یہاں کے طلبہ پڑھ کر جامعہ ڈابھیل میں داخل ہوں تو ان کا امتحان داخلہ نہیں ہوتا، بل کہ اسی سابق امتحان کے مطابق اس سے اگلے درجہ میں داخلہ ہو جاتا ہے، احقر کی طالب علمی کا پہلا سال درجہ فارسی اول کا تھا اور اس کا سالانہ امتحان (شعبان ۱۳۸۳ھ) حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے سپرد ہوا، اس وقت احقر کی عمر دس سال بھی نہیں تھی اس لیے امتحان کے مشمولات تو محفوظ نہیں رہے، مگر اس وقت کا مولانا کا حلیہ اور شکل وصورت اب تک ذہن میں محفوظ ہے، یہ دور حضرت مولانا کی جواں عمری کا تھا۔ پھر وقت گزرتا گیا اور احقر تعلیمی مدارج طے کرتے ہوئے فارغ ہوا۔

اکرام:

یاد ہے کہ فراغت کے بعد رمضان ۱۳۹۲ھ میں دارالعلوم فلاح دارین حاضری ہوئی، اپنی نوخیزی کی عمر تھی، خیال تھا کہ کہیں پڑھانے کی جگہ ابتدائی درجات میں مل جائے، اسی نیت سے ترکیسر حاضری تھی، مولانا نے اس نو وارد کا بڑا اکرام کیا۔ مدرسہ کی تعطیل کے باوجود مدرسہ اور خاص طور سے کتب خانہ کا معاینہ کرایا اور اچھا وقت دیا، جس کا قلب پر گہرا اثر پڑا۔

تقرر:

یہ حقیر گھر سے دور دیگر مدارس میں کئی برس مدرس رہا، ایک عرصہ گزرنے کے بعد سفرِ طویل کی دشواریوں کا شدید احساس ہونے لگا، جس پر ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ میں دارالعلوم چھاپی شمالی گجرات کو چھوڑ کر گھر پر آ گیا اور نیت تھی کہ قریب کے کسی مدرسہ میں جگہ مل جائے تو وہیں پڑھاؤں گا۔ انہی عید الاضحیٰ کی تعطیلات میں فلاح دارین ترکیسر حاضر ہوا، یہ سوچ کر کہ مہتمم صاحب سے ملاقات کی جائے اور ان سے ذکر کیا جائے، شاید وہاں یا ان کی وساطت سے کسی جگہ پر تقرر ہو جائے۔ ترکیسر پہنچا، ملاقات کی اور عرض مدعا کیا، حضرت مہتمم صاحب بڑی بشاشت سے ملے اور فرمایا کہ یہاں ایک مدرس دو ماہ کی رخصت لے کر انگلینڈ گئے ہوئے ہیں ان کی طرف سے ابھی کوئی اطلاع نہیں کہ وہ آتے ہیں یا سال بھر وہاں قیام کریں گے، (ہم نے دو ماہ کے لیے وقتی طور پر ایک مدرس کا ادب کے لیے تقرر کیا ہے) اگر وہ نہیں آتے ہیں تو جگہ بن سکتی ہے، احقر ان سے مل کر گھر آ گیا۔ چند روز بعد ہی یو کے سے ان مدرس صاحب کا خط آیا اور مہتمم صاحب سے پورے سال قیام کی اطلاع اور رخصت کی درخواست کی، مہتمم صاحب نے اسے منظور فرمایا اور پھر ایک طالب علم کو احقر کے گھر تراج بھیجا، (کہ والد صاحب ان دنوں تراج میں مدرس تھے) اور وہ اپنے ساتھ ترکیسر لے آئے، مہتمم صاحب نے فرمایا ہم نے عارضی طور پر ایک مدرس کو جو مدینہ منورہ پڑھ رہے ہیں اور دو ماہ کی رخصت پر آئے ہوئے ہیں مدرس رکھا ہے، ان کی مناسبت سے ان کو ادب کی کتابیں دی ہیں، وہی کتابیں آپ پڑھائیں تو موجود ہیں،

درمیانِ سال میں تبدیلی دشوار ہوتی ہے، احقر نے ان کتابوں کی تدریس کی حامی بھر لی اور اس طرح تقرر ہو گیا۔ الحمد للہ! پورا سال اطمینان سے گزرا، طلبہ بھی مطمئن رہے اور پھر یہ عارضی تقرر استقلال میں تبدیل ہو گیا۔

سنہری دور:

پانچ سال حضرت مہتمم صاحب کی قیادت علمی میں گزرے۔ یقیناً میں اس دور کو اپنی علمی ترقی کا شان دار دور کہتا ہوں، اس لیے کہ مہتمم صاحب کا ذوق علمی، فکری اور انتظامی تھا **"والناس علی دین ملوکھم"** اور پھر حضرت نے اپنے دور اہتمام میں قابل و فاضل اساتذہ کو چن چن کر رکھا، احقر کو بھی وہ معیار باقی رکھنا تھا، اس کے لیے محنت بھی کافی کرنی پڑی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حسن قبول نصیب ہوا۔

چند عالی اوصاف:

اس دوران احقر نے جو مہتمم صاحب کو دیکھا اور جانچا تو یقیناً ان میں اس دور کا مدبر، مبصر، مکارم اخلاق سے متصف، عفو و درگزر کی شان رکھنے والا اور اعلیٰ ذوق کی قدر کرنے والا پایا۔ انہیں لکھنے پڑھنے کا اچھا شعور اور عربی ادب سے خاص شغف ہے، ان کی زندگی متحرک زندگی ہے، بیدار مغز اور ہر کام میں چوکس، طلبہ کی تربیت اور ان کی علمی اور فکری نشوونما کی طرف خاص توجہ، مار پٹائی سے زیادہ ذہن سازی کرتے، جس کی وجہ سے طلبہ میں بھی شعور بیدار ہوتا اور سستی اور کوتاہی سے دور رہ کر علمی ترقی میں مشغول ہوتے، کبھی اساتذہ کسی طالب علم کی شکایت کرتے تو اس پر خاص توجہ کرتے، اسے بار بار سمجھاتے یا مناسب سزا دیتے۔ طلبہ کو فجر سے پہلے جگانا

ملازم اور چوکیدار کی ذمے داری ہوتی ہے، مگر مولانا ہی اس مہم کو انجام دیتے۔ مولانا کی آواز سنتے ہی طلبہ جلد اٹھ کر نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔ خود بھی چند اسباق اپنے ذمہ رکھتے اور جب کوئی استاذ رخصت پر ہوتا تو اس کے گھنٹہ میں جا کر سبق سنتے یا وعظ و نصیحت اور ادب و اخلاق کا درس دیتے۔

اصلاح کا انوکھا انداز:

ایک مرتبہ ظہر کے بعد کا پہلا گھنٹہ احقر کے ذمہ ''سفینۃ البلغا'' کا تھا، ظہر کے بعد ویسے بھی کچھ کسل کا وقت ہوتا ہے، اس دن مجھے پہنچتے دس پندرہ منٹ دیر ہوگئی، میری درس گاہ مشرقی سیڑھی سے متصل تھی، جیسے ہی سیڑھی چڑھ کر میں درس گاہ کی طرف مڑا تو درس گاہ میں سے مہتمم صاحب کی آواز سنی، میں فوراً خفت اور شرمندگی کے مارے پیچھے پیر مڑ کر گھر چلا گیا۔ عصر کے بعد مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی، پوچھا کیا آپ بیمار تھے؟ عرض کیا بیمار تو نہیں تھا آپ کو درس گاہ میں دیکھ کر واپس چلا گیا۔ فرمایا یہ طلبہ استاذ نہ ہونے کی وجہ سے شرارت کرتے رہتے ہیں، میں بیٹھ جاتا ہوں، کچھ باتیں کہہ دیتا ہوں۔ بہر حال مہتمم صاحب نے ناگواری کا اظہار نہ فرمایا، مگر اپنے عمل سے دیر سے نہ آنے کا سبق دے دیا۔

پابندیٔ وقت:

حضرت مولانا وقت کے انتہائی پابند ہیں اور اس وصف میں انہیں اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کو ممتاز پایا ہے۔ جس جگہ پر پہنچنے کا جو وقت مقرر ہوتا اس کی پہلے سے تیاری کرتے اور مقررہ وقت پر پہنچتے۔ ایک مرتبہ لیسٹر میں احقر نے

انہیں ناشتہ کی دعوت دی، صبح ۸ بجے کا وقت طے ہوا، گرمی کا زمانہ تھا، فجر چار ساڑھے چار بجے پڑھ کر سونا ضروری ہوتا ہے، آنکھ ذرا دیر سے آٹھ سے کچھ ہی قبل کھلی، میں نے گھر میں کہا کہ فکر نہ کرو آتے ہوئے بھی دیر تو ہو ہی جائے گی، اتنے میں ناشتہ تیار ہو جائے گا، پھر احقر نے دروازہ کھولا کہ باہر کا منظر دیکھوں، دیکھا تو یہ دیکھا کہ مولانا برابر اپنے وقت پر تشریف لا رہے ہیں۔ خیر چند احباب اور بھی تھے، تشریف لاتے ہی کسی موضوع پر گفتگو شروع ہوئی ادھر کو کر کا زمانہ ناشتہ بنتے بھی زیادہ دیر نہ لگی۔ مولانا کا یہ معمول ہر پروگرام اور جلسوں وغیرہ میں برابر رہا کہ وقت پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ آج یہ وصف عنقا ہوتا جا رہا ہے، بالخصوص علما میں، وقت بتانا صرف دل بہلانے کے لیے ہوتا ہے، پھر اپنی مرضی ہوتی ہے، جب چاہے پہنچے، بل کہ تاخیر سے آنا اور لوگوں کو انتظار کرانا اور پروگرام ادھر سے ادھر کرنا ہی کمال سمجھا جاتا ہے، افسوس!

اکابر سے استفادہ:

حضرت مولانا کا تمام اکابر سے برابر ربط و تعلق رہا، ان کے ساتھ خادمانہ اسفار کیے، بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ، حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ وغیرہ حضرات۔ ہر ایک کے شمع سلوک و احسان سے برابر استفادہ کیا، بالخصوص حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے غیر معمولی تعلق رہا، ان کے افکار و خیالات سے بھرپور استفادہ کیا، ان کی زبان و ادب سے حظ وافر حاصل کیا، حتیٰ کہ وہی فکر و رنگ حضرت مولانا کے بیانات و مجالس میں خوب نظر آتا ہے۔

ایک نرالی سوچ:

حضرت مولانا تعلیمی نظام میں قدیم صالح اور جدید نافع کے قائل تھے۔ جس نصاب سے طالب علم میں زبان و بیان اور تقریر و تحریر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہو ایسی نئ کتابیں داخل نصاب فرمائیں اور درس نظامی کی بنیادی کتابیں بھی داخل درس رکھیں۔

کڑھن:

بچوں کو مطالعہ کا شوق دلاتے، اکابر سے اور ان کے حالات و سیرت سے واقف کراتے، ان کے حالات پڑھنے پر زور دیتے، ابھی ماضی قریب میں کینیڈا کے ایک بیان میں فرمایا:

> ’’ہمیں اسلاف کے ان کارناموں پر نظر کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے کس طرح مشکل حالات میں کام کیا، ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نام اور ان کے کارناموں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ ایک طالب علم سے پوچھا کہ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند کون تھے؟ تو کہا کہ حضرت مدنی کے والد صاحب تھے، ہمیں اتنا افسوس ہوا کہ یہ اوپر کے درجے کا طالب علم ہے اور اسے شیخ الہند کے بارہ میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کون تھے۔ چالیس سال جس نے دار العلوم دیوبند کی مسند درس پر حدیث پڑھائی اور پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے سلسلہ کی خدمات کیں، مالٹا کی جیل میں گئے اور اپنی ہڈیاں گھلادیں اسلام اور مسلمانوں کے لیے، اس شخص کے بارہ میں ہمارا حلقہ ناواقف ہے تو یہ بڑی کمزوری کی بات ہے، میں ہمارے ان فضلا سے خاص طور سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اکابر کے حالات سے پوری طرح واقف

رہیں کہ کون تھے یہ لوگ، کیسے کام کیے،کون تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ،کون تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ،کون تھے سید احمد شہیدؒ اور کون تھے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جن کی کوششوں سے آج دنیا کے کونہ کونہ میں علم کی باغ و بہار ہے،آج ہم بچے ہوئے ہیں یہ حضرت نانوتویؒ کی دعائیں ہیں،حضرت نانوتویؒ کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔کون تھے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ،کون تھے مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ کس طرح انہوں نے اپنی زندگی گزاری۔محمد علی جوہر کے بارے میں لوگ نہیں جانتے کہ کون تھے۔ ہندوستان میں چار مولانا ایسے ہیں جنہوں نے ملت اسلامیہ ہندیہ کو بیدار کیا، جب لوگ انگریزوں کے ظلم سے دبے ہوئے تھے چار علما پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے قلم اور اپنی تقریروں سے پوری امت کو بیدار کیا۔مولانا ابوالکلام آزادؒ،مولانا محمد علی جوہرؒ،مولانا حسرت موہانیؒ اور شیخ الہندؒ۔مولانا آزاد نے 'الہلال' رسالہ نکالا تو قوم بیدار ہوگئی''۔

میرے علمی محسن:

میں حضرت مولانا کو اپنے علمی محسنین میں شمار کرتا ہوں، وہ گو میرے رسمی استاذ نہیں لیکن استاذ سے بڑھ کر سمجھتا ہوں، دل میں ویسا ہی ادب و لحاظ ہے جیسے اپنے تمام اساتذہ کا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ''دارالعلوم فلاح دارین'' ترکیسر کے زمانۂ تدریس میں 'موطا امام مالک' کے ختم پر اور ایک دو مرتبہ 'مشکاۃ شریف' کے ختم پر میں نے مولانا موصوف کو ہی ختم اور دعا کے لیے دعوت دی جس کو بخوشی قبول فرمایا اور میری درس گاہ میں تشریف لائے۔

روحانی کشش:

ایک مدت گزارنے کے بعد احقر نے اپنے معاشی حالات کی بنا پر مجبوری برطانیہ کا سفر کیا، واقعہ یہ ہے کہ انگلینڈ آ تو گیا لیکن ''فلاح دارین'' کے ماحول سے اس قدر انس ہو گیا تھا کہ یہاں مدتوں جی نہ لگا، اس کا احساس حضرت مہتمم صاحب کو بھی تھا، چھ ماہ کے بعد کسی وقت میرے بہنوئی مولانا عبدالاول صاحب زید مجدہ برطانیہ سے ہندوستان گئے اور ''فلاح دارین'' پہنچ کر مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے فرمایا کہ ایوب سے کہہ دینا کہ اگر وہاں جی نہ لگے تو ''فلاح دارین'' واپس آ جائیں، یہاں ان کی جگہ خالی ہے، یہ حضرت مہتمم صاحب کے وسعت ظرف کی بات ہے کہ مدرس کی علاحدگی کے بعد بھی اسے یاد کیا اور اپنے یہاں دوبارہ تقرر پر راضی رہے، لگتا ہے کہ ان کا یہ حسن تعلق اور حسن ظن ہے کہ ایک طویل مدت گزرنے کے بعد بھی فلاح دارین سے تعلق قائم کرنے پر مجبور ہوا اور مہتمم صاحب کی روحانی کشش نے پھر ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' پہنچا دیا۔

استعفا:

حضرت مہتمم صاحب نے ۲۷ برس دارالعلوم کے منصب اہتمام پر قائم رہ کر بوجوہ و اعذار استعفا دیا، مگر مؤسسین اور ذمے داروں نے اس علاحدگی کو برداشت نہیں کیا اور کسی نہ کسی عنوان سے آپ کو ادارہ کا سرپرست اور مشیر خاص سمجھتے رہے اور پھر حضرت مہتمم صاحب نے بھی اس تعلق کو پوری زندگی برابر نبھایا۔ آپ دنیا کے شمالی مغرب کینیڈا میں بیٹھ کر بھی ''دارالعلوم فلاح دارین'' کی تعمیر و ترقی کی برابر فکر

فرماتے ہیں۔ کوئی عمدہ کتاب یا رسالہ دیکھتے یا مضامین لکھتے ہیں تو ''فلاح دارین'' کے اساتذہ کو بھیجتے ہیں، انہیں مفید مشورے دیتے ہیں اور جب وطن کاپودرا میں مقیم ہوتے ہیں تو وقتاً فوقتاً مدرسہ میں آکر دفتر اہتمام کو زینت بخشتے ہیں۔

دل کی شہادت:

دل شہادت دیتا ہے کہ جس طرح آج سے پچاس برس پہلے گجرات کے افق پر چند قدآور علمی شخصیات سے گجرات روشن تھا اور ان کے علوم و فیوض سے اہل گجرات مستفید ہو رہے تھے، جیسے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ، حضرت شیخ مولانا احمد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا احمد اشرف راندیریؒ، حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ، حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ، حضرت مولانا علی محمد تراجویؒ وغیرہ وغیرہ حضرات، اس دور کے پچاس برس میں جن علمی شخصیات سے اہل گجرات مستفید ہو رہے ہیں ان میں سرفہرست حضرت مولانا کا نام نامی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب (یعنی رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہٗ) کو صحت و عافیت کاملہ کے ساتھ حیات طیبہ عطا فرمائے اور حضرت کے فیوض وافاضات سے عالم کو مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز!

حضرت مفکر ملت دامت برکاتہم
کے متعلق چند طالب علمانہ تاثرات

بقلم

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری مدظلہٗ

مُجاز بیعت مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذ محترم کی چند صفات حمیدہ کا اجمالی ذکر:

استاذ محترم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کی عبقری شخصیت گوناگوں فضائل وکمالات کا مجموعہ ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں، آپ متبحر عالم، عمل صالح کے پابند، عربی زبان پر مکمل عبور، انتظامی صلاحیت، افراد سازی، چھوٹوں پر شفقت ومحبت، اکابرین کا حد درجہ احترام و محبت، اکابرین کا حضرت استاذ سے محبت کا تعلق اور آپ پر اعتماد، زمانہ کے حالات و انقلابات سے باخبر رہنا اور اس کے لیے اخبار ورسائل کا باقاعدہ اہتمام سے دیکھنا اور غور سے ان کو پڑھنا اور پھر اس کی خبر کو سامنے رکھ کر خداداد فراست وتجربات کی روشنی میں حضرت الاستاذ کا ان پر اپنا تجزیہ اور ان سے نمٹنے کے لیے بہترین رہ نمائی، مطالعۂ کتب کا شوق، ہندو بیرون ہند سے نکلنے والے ماہنامے، جرائد ورسائل (اردو، عربی، گجراتی) کا مطالعہ، صبر وتحمل، ذہانت وسادگی، استقلال وتوکل، اتباع حق، عقل و دانش، فہم و فراست، علم و وقار، حسن تدبر اور نظم ونسق وغیرہ کی بے پناہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ودیعت فرمائی ہیں، آپ کی شخصیت گجرات بل کہ ہندوستان کے ان منتخب علما، چنیدہ قائدین اور موٴقر دانش وروں میں سے ہے کہ جن پر بجاطور پر ملک وملت کو فخر ہی نہیں بل کہ مکمل اعتماد ہے، آپ کی علمی، دینی، ملی، فکری، اصلاحی اور دعوتی خدمات بجاطور پر مسلم ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ مدبر، مفکر، عالی ظرف اور سیر چشم، سراپا جہد وعمل اور دوسروں کی ترقی کے خواہش مند رہتے ہیں۔

حضرت مولانا کا ایک خاص وصف:

"الحكمة ضالة المومن أخذها حيث وجدها" کا معنی خیز مفہوم حضرت مولانا دامت برکاتہم العالیہ کی گویا سرشت میں داخل اور گھٹی میں پلایا گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ اتباعِ حق کے پابند نظر آتے ہیں اور تمرد وضد سے آپ کی سرشت وطبیعت عالیہ کو انکار ہے۔

نصیحت آموزی:

حضرت الاستاذ کا ایک وصف ''نصیحت آموزی'' ہے، ایک مرتبہ کسی واقعہ سے سبق حاصل کر لینا اور آیندہ اس کا خیال ولحاظ رکھنا آپ کی عادت ہے۔

آپ کا علمی ذوق:

حضرت الاستاذ کا ایک خاص وصف ''علمی ذوق'' ہے جو کہ آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر غالب رہا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عمر کے اس پڑاؤ پر بھی جب کہ آپ کی عمر اسّی سال سے متجاوز ہو چکی ہے حضرت برابر کتابوں کا مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور صرف مطالعہ ہی نہیں فرماتے بل کہ جو کتاب یا جو مضمون آپ کو پسند آتا ہے اس کو اپنی برادری کے لوگوں تک بھی اپنی بساط اور وسعت کے مطابق پہنچاتے رہتے

ہیں اور سفر میں بھی آپ کی یہ مطالعہ کی عادت نہیں چھوٹتی، اس میں بھی موقع ملنے پر کتابوں کو دیکھتے ہیں؛ بل کہ یہ دیکھا گیا کہ آپ کے بیرون ہند کے سفر میں اگر وقت اجازت دیتا ہے تو جس ملک میں گئے ہیں وہاں کی لائبریری میں جانا اور اس میں خاص کر اسلامیات کا جو شعبہ ہوتا ہے اس میں کتابوں کو دیکھنا یہ گویا کہ لازمی ہوتا ہے، آپ نے اپنا ایک سفر نامہ لکھا ہے ''سفر نامۂ امریکہ'' اس میں حضرت ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مفتی جمیل احمد صاحب کی ملاقات کے بعد جب باہر نکلے تو حافظ حبیب الرحمن نے فرمایا کہ اب ہم ''پرنسٹن یونی ورسٹی'' جائیں گے، ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے ''کتب خانوں'' کا شوق ہے، ہم نے اسلامی لائبریری کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کی عمارت میں داخل ہوئے، یہ صرف شعبۂ اسلامیات کی لائبریری ہے، ساڑھے چار لاکھ کتابیں موجود ہیں، بڑے بڑے وسیع ہال ہیں اور اس کتب خانہ کے ممبر بننے کے لیے ۱۵ رڈالر فیس ادا کرنی ہوتی ہے، اس لائبریری میں مخطوطات کی تعداد ۱۰ ہزار ہے، ہم نے اس کمرہ کا رخ کیا جہاں مخطوطات ہی رکھے ہوئے ہیں، پھر ہم اس کمرہ میں داخل ہوئے جہاں میز پر عربی مخطوطات کی تین جلدیں ہمارے لیے رکھ دی گئیں تھیں، پہلی جلد میں پانچ ہزار دو سو کتابوں کے نام ہیں، دوسری جلد میں تین ہزار تین سو نام ہیں اور تیسری میں بارہ سو ہیں، اس طرح مجموعی ۹۷۰۰ کتابوں کی فہرست ہے۔

ظاہر ہے اتنی ضخیم جلدوں کے مطالعہ کے لیے چند گھنٹے کافی نہیں ہو سکتے، مگر ہم نے ''تین گھنٹوں'' تک ''پہلی جلد'' کا مطالعہ کیا، صرف تفسیر اور حدیث شریف کی بعض کتابوں کے نام دیکھ سکے، بہت ہی اہم اور نادر نسخے موجود ہیں، دل حسرت کر رہا تھا کہ کاش! یہ علمی خزانہ ہمارے ملکوں کی لائبریریوں میں ہوتا، البتہ جس حسن وخوبی کے ساتھ ان مخطوطات کو یہاں رکھا گیا ہے شاید ہمارے

ملکوں میں ان کو اس اہتمام کے ساتھ نہ رکھا جا سکے، اس لیے ایک طرح خوشی بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔ **فللّٰہ الحمد والشکر**" **(بتغییر)**

انصاف پسندی:

ایک بات اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضرت کی طبیعت کی انصاف پسندی دیکھیے کہ جہاں ان کے کمال کو دیکھا ان کی صرف تعریف ہی نہیں کی بل کہ اس پر خوشی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کیا کہ ان مخطوطات اور کتابوں کو جہاں ہونا چاہیے تھا وہ وہیں پر ہیں اور اسی میں عافیت بھی ہے۔

ایک طرف علم دوستی تو دوسری طرف جلسہ جلوس:

ایک اور جگہ ان کی علم دوستی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اس عظیم کتب خانہ کو دیکھ کر مغربی اقوام کی علم دوستی اور علم کے لیے بے دریغ خرچ کا اندازہ ہوتا ہے، ہمارے ملکوں میں جلسہ جلوس، قوالی اور مجالس پر خرچ ہوتا ہے اور یہ قومیں جامعات و مدارس، کتب خانوں اور تحقیقی مراکز (ریسرچ سینٹر) پر لاکھوں ڈالر خرچ کرتی ہیں۔

کاش! ہماری قوم بیدار ہو:

پھر آگے چل کر اپنے دل کی بات لکھتے ہیں کہ ہمارے گجرات کے سب ہی عربی اداروں کو ملا کر بھی دس ہزار مخطوطات نہیں ہوتے اور یہاں صرف ایک یونی ورسٹی کا یہ حال ہے کہ اس یونی ورسٹی میں مختلف قسم کی بڑی بڑی دس لائبریریاں ہیں، کاش کہ ہماری قوم بیدار ہو اور بہترین کتب خانے تعمیر کرائیں۔

طبیعت سلیمہ:

اس واقعہ سے حضرت کی علم دوستی، ذوق مطالعہ، علم اور علمی کتابوں کی قدردانی کرنے والوں کی تعریف یہ سب باتیں معلوم ہوئیں اور یہ سب باتیں حضرت کی طبیعت سلیمہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اکابر سے محبت و تعلق کا اہتمام:

حضرت الاستاذ کا ایک خاص وصف اکابرین سے محبت اور ان سے تعلق رکھنا اور ان کی خدمت میں ان کے مقام پر جا کر ملاقات کرنا اور ان سے استفادہ کرنا اور اسی طرح وقتاً فوقتاً ان کو ادارے میں دعوت دے کر بلانا اور دوسروں سے زیادہ خود ان سے استفادہ کرنا یہ عادت حضرت کی رہی ہے اور عمر کے اس پڑاؤ پر بھی اس میں کمی نہیں آئی ہے، آپ نے کن کن بزرگوں کی خدمت کی، کن کن بزرگوں کو فلاح دارین ترکیسر بلایا اور کن کن بزرگوں کو اپنے گاؤں کا پودر امدعو کیا اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو حضرت دامت برکاتہم کی تصنیف ”رشد وہدایت کے منار“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کام کرنے والوں کی قدر:

اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی یہ بھی عطا فرمائی ہے کہ آپ دین کے کسی بھی شعبہ میں کوئی لگا ہوا اور دین کی خدمت کر رہا ہو اس کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے ہیں اور اس سے ملاقات پر اس کے مناسبِ حال ضرورت محسوس فرمانے پر مشورہ بھی دیتے ہیں۔

حوصلہ افزائی:

اورآپ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں اور ان کے ادنی کام کوبھی اس کی نگاہ میں بڑا بنا کر پیش فرماتے ہیں، تا کہ ان کی ہمت اور حوصلہ مزید بڑھے (لیکن اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہوتی، انداز ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے بڑا علمی کام کیا ہے) اور آپ سے آپ کا کوئی شاگرد یا کوئی ادنی تعلق رکھنے والا اپنی لکھی ہوئی کوئی کتاب یا کتابچہ کو دیکھنے کی فرمائش کرتا ہے تو آپ اس کو حتی الوسع مایوس نہیں فرماتے، اس کی کتاب یا رسالہ یا مضمون پر نظر فرماتے ہیں اور پھر آپ سے اس پر کچھ لکھنے کی بھی فرمائش کی جاتی ہے تو آپ اس پیش کش کو بھی بخوشی قبول فرماتے ہیں، بندہ کی ایک کتاب پر بھی حضرت کی تقریظ موجود ہے۔

میں نے حضرت الاستاذ سے قصص النبیین پڑھی تھی:

میں نے دو سال ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء میں فلاح دارین میں درجۂ عالمیت کی تعلیم حاصل کی ہے، پہلے سال جب داخلہ لیا تو اس وقت فلاح دارین کے مہتمم حضرت مولانا غلام محمد نورگت صاحبؒ تھے اور میری تعلیم کے دوسرے سال حضرت الاستاذ کی مہتمم کی حیثیت سے دار العلوم فلاح دارین میں تشریف آوری ہوئی تھی، اس سال میں نے حضرت الاستاذ دامت برکاتہم سے قصص النبیین پڑھی۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کا سایۂ عاطفت عافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم فرمائے اور آپ کے فیوض و برکات سے ہمیں مزید مستفیض ہونے کا موقع نصیب فرمائے، آمین!

میرے والد میرے مربی

از

حافظ ابراہیم بن مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ
استاذِ حفظ دارالعلوم لندن

جب میں درجۂ حفظ میں تھا اس وقت کی کچھ باتیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں انہیں حوالۂ قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس زمانے میں ہمارا قیام جامع مسجد ترکیسر کے سامنے تھا، تہجد کے وقت والد صاحب کے بیدار ہو جانے کے بعد چار بجے میری والدہ مجھے بیدار فرماتی تھیں، پھر والد صاحب مجھے لے کر دار العلوم کے لیے نکلتے تھے، میں لال ٹین (فانوس) اپنے ہاتھ میں تھام لیتا، کیوں کہ اس وقت بجلی کا نظام اتنا بہتر نہیں تھا، گھر سے نکلنے کے بعد راستہ میں چند اساتذہ کے مکانات پڑتے تھے، سب سے پہلے قاری محمد عباس صاحب دھرمپوریؒ کا مکان آتا تھا، والد صاحب اپنے عصا سے پہلے قاری صاحب کے مکان کی کھڑکی پر دستک دیتے اور ان کو جگاتے ہوئے آگے بڑھتے، پھر غالباً مولانا ایوب صاحب سورتی دامت برکاتہم کا مکان آتا، ان کے مکان کی کھڑکی پر بھی دستک دیتے، اسی طرح حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کے گھر کی کھڑکی پر بھی دستک دیتے تھے۔

نگرانی:

دار العلوم جا کر سب سے پہلے درجۂ حفظ کے طلبا کو بیدار کرتے اور سب کو مسجد میں سبق یاد کرنے کے لیے بٹھاتے تھے اور خود پہلی صف میں بیٹھ جاتے، فجر کی نماز سے پہلے اپنے سارے معمولات سے فارغ ہو جاتے اور تھوڑی تھوڑی دیر میں پیچھے مڑ کر ہم سب کی نگرانی فرماتے رہتے، جب بجلی نہیں ہوتی تو بڑی لال ٹین جلا کر صحن میں خود تمام درجات کے طلبا کو بٹھاتے تھے۔

طلبا کی راحت کا خیال:

طلبا کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ موسم سرما میں جب ہم فجر سے پہلے گھر سے آتے تو سیدھے غسل خانے کی طرف جا کر دیکھتے تھے کہ واچ مین جو رات کی نگرانی پر مقرر ہوتا تھا اس نے سمٰوات - جو گرم پانی کرنے کی ٹنکی ہوتی تھی، لکڑیاں جلا کر اس میں پانی گرم کیا جاتا تھا - سلگائی ہے یا نہیں، اگر سلگائی نہ ہوتی تو واچ مین پر بہت خفا ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی بچے کو غسل کی ضرورت ہو گی تو ٹھنڈے پانی سے کیسے غسل کرے گا؟

مہتمم ہو تو ایسا:

فجر کی اذان سے دس منٹ پہلے درجۂ عالمیت کے طلبا کو جگاتے تھے، حالاں کہ اِس خدمت کے لیے مدرسے کی طرف سے سپر وائزر بھی متعین تھا مگر پھر بھی خود دارالاقامہ میں بچوں کو جگانے تشریف لے جاتے تھے۔

حاضری اور اصلاح:

نماز کے بعد صفوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے دیکھتے تھے کہ کون سا طالب علم نماز میں غیر حاضر ہے، پھر اس طالب علم کو سپر وائزر کے ذریعہ بلاتے اور اس کی اصلاح فرماتے تھے، اس وقت میرے خیال سے تین سو پچاس یا چار سو طلبا مدرسہ میں ہوتے تھے لیکن والد صاحبؒ کو ایک ہی نظر میں پتہ چل جاتا تھا کہ کون سا طالب علم نماز میں غیر حاضر ہے۔

معمولات کی ادائیگی:

والد صاحب قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر واذکار فجر کی نماز سے پہلے ادا فرماتے تھے، فجر کی نماز کے بعد طلبا کو چائے پلا کر گھر تشریف لاتے تھےاور خود چائے نوش فرماتے تھے۔

تیقّظ و بیداری وقت کی اہم ضرورت ہے:

چائے پیتے ہوئے بی بی سی اردو ریڈیو اور گجراتی سماچار (خبریں) سن لیتے تھے، جیسا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرماتے تھے کہ اگر قوم کو پنج وقتہ نمازی نہیں بل کہ سو فی صد تہجد گزار بنا دیا جائے لیکن اس کے سیاسی شعور کو بیدار نہ کیا جائے اور ملکی احوال سے ان کو واقف نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ اس ملک میں آیندہ تہجد تو دور پانچ وقت کی نمازوں پر بھی پابندی عائد ہو جائے۔ (کاروان زندگی: ج۲/ص ۲۷۳)

پابندیٔ وقت اور اس کا طلبا پر اثر:

چائے پی کر جلدی سے دار العلوم پہنچنے کی کوشش فرماتے، درس گاہوں کے سامنے جو چوراہا بنا ہوا ہے وہاں آکر کھڑے ہو جاتے، اس لیے بچے بھی جلدی آکر درس گاہوں میں بیٹھ جاتے تھے، گھنٹی بجنے کے بعد کسی طالب علم کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کے سامنے سے گزرے۔

طلبا ایسی دعا بھی کرتے تھے:

اگر کسی استاذ کی آمد میں تاخیر ہو جاتی تو خود اس درس گاہ میں جا کر بچوں کا

سبق سننا شروع فرمادیتے تھے، اس لیے ہر طالب علم یہ دعا کرتا تھا کہ استاذ جلدی آجائے تو اچھا کیوں کہ والد صاحب صرف سبق ہی نہیں سنتے تھے بل کہ ساتھ میں بال اور کپڑوں کی چیکنگ اور پچھلے اسباق کی جانچ بھی فرمایا کرتے تھے۔

تربیتِ طلبا:

جب مدرسہ کی چھٹی ہوتی تو فوراً گھر نہیں جاتے تھے، بل کہ مدرسہ میں بچوں کو کھانا کھلاتے اور اس دوران نگرانی فرماتے کہ بچے سنت کے مطابق کھانا کھا رہے ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی بچہ بڑے بڑے لقموں سے کھاتا تو اس کی اصلاح فرماتے اور اگر کوئی بچہ اپنی طرف زیادہ گوشت وغیرہ ڈال لیتا تو اس کو بھی سمجھاتے۔

صفائی اور عملی دعوت:

صفائی کا بہت خیال فرماتے تھے، ایک مرتبہ حاجی یوسف صاحب راوتؒ کی طرف سے پورے دار العلوم کو دعوت تھی، میں بھی کھانے کے لیے گیا تھا، کھانے کے بعد احقر، مولانا ایوب جمبوسری اور مولانا محمد حنیف رویدروی اور دوسرے ساتھی ہاتھ دھو رہے تھے، اس دوران والد صاحب وہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ پوری نالی بھر گئی ہے اور پانی رُکا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ بلاک ہوگیا ہے اور کوئی صاف بھی نہیں کرتا، وہ نالی اتنی گندی تھی کہ ہماری بھی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم اس کو صاف کریں، یہ دیکھ کر آپ نے خود صاف کرنا شروع کر دیا، اب ہم کیسے دیکھ سکتے تھے کہ والد صاحب اس کو صاف کریں اور ہم تماشائی بنے رہیں لہٰذا ہم سب بھی صفائی میں لگ گئے۔

صفائی کا خوب خیال فرماتے:

صبح جب گھر سے دارالعلوم تشریف لاتے تھے اس وقت مدرسہ کے سارے راستے صاف ہوجاتے تھے، اگر راستوں کے اوپر کچرا نظر آجاتا تو صفائی والوں کو فوراً بلاکر صفائی کرواتے تھے، اسباق شروع ہونے سے پہلے تمام درس گاہیں صاف ہوجایا کرتی تھیں۔

مجھے فلاح دارین کی یاد آگئی:

ابھی کچھ دن پہلے ہمارے مدرسہ (دارالعلوم لندن) میں ٹریننگ دی جارہی تھی، یہاں حکومت کی طرف سے ہر تعلیمی ادارے کے ٹیچروں کو ضروری طور پر ٹریننگ لینی پڑتی ہے، خیر! ہمیں ٹریننگ دینے والا سمجھا جارہا تھا کہ کلاس شروع ہونے سے پہلے سب کلاسیں صاف ہوجانی چاہئیں، بچوں کے جوتے ادھر ادھر ہوں تو سیدھے رکھنے چاہیے اس وقت مجھے ''فلاحِ دارین'' یاد آرہا تھا۔

اخبار بینی اور قیلولہ:

کھانا کھلانے کے بعد والد صاحب گھر پر آتے تو کھانا کھانے کے بعد گجراتی اخبار دیکھتے پھر تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے۔

نماز کی ادائیگی:

ظہر کی نماز جامع مسجد میں ادا فرماتے، پھر چائے نوش فرما کر مدرسہ پہنچ جاتے تھے، عصر کی نماز دارالعلوم کی مسجد ہی میں ادا فرماتے۔

مسنون دعاؤں کے حلقے:

نماز کے بعد بچوں کو مسنون دعائیں یاد کرانے کے لیے حلقے لگواتے پھر جب بچے کھانا کھالیتے تو گھر تشریف لے جاتے اور خود کھانا تناول فرماتے تھے۔

مغرب بعد کے معمولات:

گھر والوں کے ساتھ مغرب تک گفتگو میں مشغول رہتے، مغرب کی نماز کے بعد ہمیں مکتب اور اسکول کا سبق یاد کرنے کے لیے بٹھاتے، پھر والد صاحب عربی خبریں سماعت فرماتے تھے۔

مطالعہ اور طلبہ کی خصوصی نگرانی:

عشا کے بعد کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور کبھی کبھی رات کو دیر سے مدرسہ میں چکر لگاتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ کون بچہ محنت کر رہا ہے۔

جمعرات اور جمعہ کے دن کی مصروفیت کا ایک خاکہ:

جمعرات کے دن کبھی کبھی اطراف میں بیان کرنے کے لیے تشریف لے جاتے، جس جمعرات کو ترکیسر گھر پر ہوتے کاپودرا والدین کا حال معلوم کرنے کے لیے چلے جاتے، عصر کی نماز کے بعد ٹرک میں بیٹھ کر جاتے تھے، ساتھ میں مجھے بھی لے جاتے، فجر کے بعد کبھی اپنے کھیت دیکھنے کے لیے چلے جاتے تھے اور پھر ٹرک میں بیٹھ کر ترکیسر واپس ہو جاتے تھے، بس اڈے پر مجھے اپنا بیگ دے کر گھر بھیج دیتے تھے اور خود سیدھے دار العلوم چلے جاتے تھے؛ حالاں کہ جمعہ کا دن ہے، چھٹی ہے، لیکن

اس دن بھی بچوں کی تربیت کی فکر رہتی اور دار العلوم جا کر بچوں سے ان کے کمروں کی صفائی کرواتے تھے پھر ساڑھے گیارہ بجے گھر آتے اور کھانا تناول فرماتے تھے۔

اخلاق سے جیا کرتے ہیں، اخلاق سے مارا کرتے ہیں:

والد صاحب سے جو بھی ملتا آپ کے اخلاق کی بلندی کا اعتراف کرتا، آپ کی عادت شریفہ یہ رہی ہے کہ ہر لائن کے آدمی کے ساتھ اسی کے انداز میں بات کرتے ہیں، یعنی اگر کوئی ٹیچر ہے تو اسکول کی لائن سے اس کے ساتھ گفتگو کریں گے، اگر کوئی کاشت کار ہے تو اس کے ساتھ اسی لائن سے بات کریں گے اور سامنے والا یہی سمجھتا ہے کہ مولانا کو میرے ساتھ ہی بہت محبت ہے، پھر چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا غیر عالم، جب صحت اچھی تھی تو جو بھی مہمان آتے ان کو باہر تک رخصت کرنے جاتے تھے اور ساتھ میں بیٹھ کر کھانا کھلایا کرتے تھے، برطانیہ سے ہمارے تعلق رکھنے والے جب والد صاحب کی عیادت کے لیے گئے تو ان کو بہت پیار و محبت سے کھانا کھلایا اور باہر تک رخصت کرنے گئے تو وہ خود مجھ سے فرما رہے تھے کہ یہ دیکھ کر ہم تو پانی پانی ہو گئے کہ اتنا بڑا آدمی اور وہ ہمیں کھڑے ہو کر کھانا کھلاتا ہے اور ہم کو اتنی عزت دیتا ہے کہ ہمیں باہر تک رخصت کرنے بھی آتا ہے۔

استقبال:

اسی طرح جب صحت اچھی تھی اور والد صاحب کینیڈا میں مقیم ہوتے تھے تو اپنے شاگردوں کے استقبال کے لیے ائیر پورٹ چلے جاتے تھے، مثلاً ہمارے استاذ محترم قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی دامت برکاتہم، اسی طرح دوسرے علما جو

کہ والد صاحب کے شاگرد ہیں وہ جب بھی کینیڈا جاتے تو ان کے استقبال کے لیے ائیر پورٹ چلے جاتے، ایک مرتبہ لندن میرے گھر پر قیام فرما تھے اور مولانا اقبال صاحب دیولوی فلاحی دامت برکاتہم کینیڈا سے آنے والے تھے تو ان کو لینے کے لیے بھی خود (Heathrow) ہیتھرو ائیر پورٹ چلے گئے تھے، میں نے اس وقت والد صاحب سے کہا کہ میں مولانا کو ہوائی اڈے سے لانے کے لیے کسی کو بھیج دوں گا، کیوں کہ مجھے مدرسہ پڑھانے جانا ہے تو فرمایا کہ تو جس کو بھیجے گا اس کے ساتھ میں بھی جاؤں گا، میں نے مولانا عبدالمتین صاحب بھوتا سے بات کی تو وہ ائیر پورٹ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے؛ چناں چہ والد صاحب ان کے ساتھ گئے، اسی طرح میرے بھائی قاسم نے بتایا کہ ایک مرتبہ والد صاحب کینیڈا میں تھے اور قاری رشید احمد صاحب اجمیری دامت برکاتہم کینیڈا تشریف لائے، والد صاحب ان کے استقبال کے لیے ائیر پورٹ پر گئے تو وہاں پر کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ حضرت! آپ بھی تشریف لائے، آپ سے تو وہ بہت چھوٹے ہیں، والد صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ چھوٹے بڑے کا سوال نہیں ہے، ان کے ساتھ ایک عظیم نسبت لگی ہوئی ہے اور مولانا خود بھی حدیث شریف کے استاذ ہیں، میں اس نسبت پر آیا ہوں، اسی طرح جب شیخ حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم کو بھی کینیڈا کے ائیر پورٹ پر لینے گئے تو بالکل اسی طرح کسی نے والد صاحب سے کہا تو والد صاحب نے اس کے جواب میں یہی فرمایا کہ بھائی وہ استاذ حدیث ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے مضمون میں ذکر فرمایا ہے۔

نسبت کی قدر:

اسی طرح بولٹن میں ''مسجد الرحمن'' میں ہم نماز پڑھنے کے لیے گئے، نماز پڑھ کر جب ہم نکل رہے تھے تو والد صاحب کی نظر مولانا عبدالرحیم صاحب لمباڈا استاذ حدیث دار العلوم بری پر پڑی، چناں چہ آپ ان سے ملاقات کے لیے باہر کھڑے رہے، ہم نے چلنے کی درخواست کی، اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ ٹھہرو! مولانا عبدالرحیم صاحب سے ملاقات کر کے جاتے ہیں، ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت! یہ تو آپ سے کتنے چھوٹے ہیں اور آپ ان کے لیے کھڑے رہیں گے، اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ استاذ حدیث ہیں، اس لیے ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے، ایسے بہت سے واقعات ہیں، تطویل کے خوف سے اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک نشہ ایسا بھی:

والد صاحب کو کتاب کے مطالعہ کا نشہ ہے جب بھی آپ کو فرصت ملتی ہے آپ فوراً کتاب ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

نئی کتب کی خریداری کا شوق اور ایک انوکھا معمول:

ایک مرتبہ لندن کے سفر میں آپ کے شاگردوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں نے کچھ رقم ہدیہ کے طور پر پیش کی، تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ یہاں عربی کتب خانے کہاں ہیں؟ مجھے وہاں جانا ہے، چناں چہ میں نے اپنے ایک دوست حافظ شعیب دیواوی- جو کہ لندن کے راستوں سے خوب واقف ہیں- سے بات کی،

وہ والد صاحب کو اپنے ساتھ ایک کتاب گھر لے گئے اور وہاں سے بیروت سے چھپی ہوئی چند کتابیں خریدیں جن کا ہندوستان میں ملنا مشکل ہے، غرض وہاں سے قیمتی اور مہنگی کتابیں خرید کر لائے، پہلے آپ نے پڑھیں اور رمضان المبارک کے بعد مولانا احمد صاحب ٹنکاروی جو کہ برطانیہ سے انڈیا جا رہے تھے ان کو کچھ کتابیں دیں اور فرمایا کہ میں نے ان کتب کا مطالعہ کرلیا ہے، آپ ان کا مطالعہ کریں اور جب آپ مطالعہ سے فارغ ہو جائیں تو مولانا اقبال صاحب دیولوی کے پاس بھیج دیں- اس وقت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی ہانسوٹ میں مدرس تھے- اور مولانا اقبال سے کہہ دیں کہ جب وہ پڑھ چکیں تو پھر یہ کتابیں مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی کو دے دیں، یعنی کتابیں خرید کر اور پڑھ کر خود بیٹھ نہیں گئے، ان کتابوں سے دوسرے کیسے فائدہ اٹھائیں یہ فکر رہتی ہے، میں سوچتا ہوں کہ جن لوگوں نے آپ کو ہدیہ دیا اور آپ نے اُن پیسوں سے کتابیں خریدیں تو دینے والوں کے لیے تو بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہوگیا، کیوں کہ والد صاحب نے جو کتابیں دوسرے اساتذہ کو پڑھنے کے لیے دی تھیں وہ دار العلوم میں حدیث شریف کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں، وہ ان کتابوں کو پڑھ کر جو باتیں اپنے طلبا کو بتائیں گے وہ آگے مدرس بنیں گے اور وہ اپنے طلبا کو پڑھائیں گے، اس طرح یہ سب ان کے حق میں صدقۂ جاریہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اسی طرح جب بھی آپ کو کسی نئی کتاب کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو فوراً مجھ پر میسیج آجاتا ہے کہ فلاں کتاب نئی آئی ہے، اگر تجھے ملے تو تو فوراً بھیج دینا۔

ذوقِ مطالعہ:

جب والد صاحب ۲۰۰۶ء میں بہت بیمار ہو گئے تھے تو پہلے ہمارے بڑے بھائی مولانا اسماعیل صاحب خدمت کے لیے کینیڈا گئے، پھر میں اپنے بیٹے مولوی معاذ کے ساتھ گیا، جب میں کینیڈا جا رہا تھا تو اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم کو فون کیا کہ حضرت اس سال آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ تھا، لیکن والد صاحب بہت بیمار ہیں اس لیے مجھے کینیڈا جانا پڑے گا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ خوشی سے جائیے اور والد صاحب کی خوب خدمت کیجیے، نیز فرمایا کہ میں نے آپ کے والد صاحب کو ایک کتاب **"رسالۃ المسترشدین"** کا ترجمہ کرنے کے لیے دیا تھا، جب ان کی صحت کچھ بہتر ہو جائے تو ان کو اس کی یاد دہانی کروادیں، جب میں کینیڈا والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ والد صاحب کو بہت ضعف لاحق ہے، خود اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے ہیں، مگر پھر بھی کتابوں کا مطالعہ جاری ہے اور ساتھ میں قرآن شریف کی تلاوت بھی، ایک دن میں نے تذکرہ کر دیا کہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم سے فون پر بات ہوئی تھی تو انہوں نے **"رسالۃ المسترشدین"** کے ترجمہ کی یاد دہانی کے لیے فرمایا تھا، اس پر مجھے کہا کہ اچھا ہوا تو نے یاد دلایا اور پھر فرمایا یہ الماری کھولو اور اوپر کی جانب جو کتاب رکھی ہے وہ لاؤ اور آپ نے بیماری کی حالت میں ہی کام شروع کر دیا، حالاں کہ ہاتھوں پر سوئیاں لگی ہوئی تھیں، تھوڑی دیر لکھتے پھر تھک جاتے پھر آرام کرتے پھر لکھتے پھر تھوڑی دیر آرام کرتے، اس حالت میں **"رسالۃ المسترشدین"** کا ترجمہ مکمل کیا تھا۔

عزیزم مولوی معاذ رمضان المبارک کے بعد عربی اول شروع کرنے والے تھے تو ہر روز ان کو تھوڑی دیر عربی الفاظ سکھاتے اور تمرین الصرف وتمرین النحو بھی پڑھاتے تھے (جب بھی وہ والد صاحب کی خدمت میں تعطیلات میں حاضر ہوتے والد صاحب ان کو کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھاتے تھے، اس طرح ماشاء اللہ انہوں نے والد صاحب سے ''الطریقۃ العصریۃ حصہ دوم''، ''صفحات من صبر العلماء''، ''مقدمۂ مرقات'' اور ''امثال العرب'' وغیرہ کتابیں پڑھیں) اس بیماری کی حالت میں بھی چین سے نہیں بیٹھتے تھے بل کہ علم حاصل کرنے اور دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں مشغول رہتے تھے، کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

سرورِ علم ہے کیفِ شراب سے بہتر
کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

محنتی طلبا سے بہت محبت فرماتے:

بعض طلبا جو بڑی محنت کرتے تھے والد صاحب ان سے بہت محبت فرماتے تھے اور جب وہ بیمار ہو جاتے تو ان کے لیے کھانا گھر سے بھیجتے تھے۔

اساتذہ سے حسنِ سلوک:

اور بعض اساتذہ جو اکیلے رہتے تھے یعنی ان کی فیملی ترکیسر میں نہیں تھی، جیسے کہ استاذ محترم حضرت قاری انیس احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ ان دو حضرات کے لیے کبھی کبھی گھر سے کھانا بھیجتے تھے، جب بھی میں قاری انیس احمد صاحبؒ کو کھانا دینے جاتا تو وہ اکثر تسبیح پڑھ رہے ہوتے، وہ ہزار دانے کی تسبیح

استعمال فرماتے تھے جو کافی لمبی تھی، خیر! جب میں کمرہ میں داخل ہوتا اور عرض کرتا کہ آپ کے لیے والد صاحب نے کھانا بھیجا ہے تو خوشی کے مارے بیٹھ جاتے تھے اور دو تین مرتبہ مجھ سے پوچھتے کہ کیا مہتمم صاحب نے میرے لیے بھیجا، میرے لیے بھیجا اور پھر مسکراتے تھے، ان کا مسکراہٹ بھرا چہرہ آج بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔

صلاحیت کی قدر:

والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور خصوصیت یہ عطا فرمائی ہے کہ بچوں کی صلاحیت کو بہت جلد بھانپ لیتے ہیں، بعض بچے ایسے تھے جو قرآن شریف بہت بہترین پڑھتے تھے، بعض بچے تقریر اچھی کرتے تھے، لیکن پڑھنے میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے؛ مگر والد صاحب ان کو سمجھا بجھا کر ان کی تعلیم مکمل کرنے کی فکر میں رہتے تھے، کبھی کبھی ان کی شکایتیں آجاتی تھیں تو والد صاحب ان کی رعایت بھی فرما لیتے تھے کہ اگر وہ اپنی تعلیم مکمل کرلیں گے تو کسی کو قرآن کریم صحیح یاد کرادیں گے اور اگر وہ اچھی تقریر کرتے ہیں تو امامت یا وعظ کرکے لوگوں تک دین کی بات پہنچادیں گے، یہ سوچ کر ان کی رعایت فرماتے تھے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ شروع سال میں جب نئے طلبا کے داخلے ہوتے تو کچھ طلبا ایسے بھی ہوتے تھے جن کو صرف اس وجہ سے داخلہ نہیں ملتا تھا کہ بورڈنگ میں رہنے کی جگہ نہیں ہے تو ایسے موقعے پر ایسا بھی ہوا کہ کئی بچوں کی صلاحیت کو بھانپ کر کہ یہ ذہین اور ہوشیار ہیں اور یہ دل لگا کر پڑھیں گے، فرماتے کہ کوئی بات نہیں جب تک بورڈنگ میں جگہ نہ ہوجائے تم میرے گھر پر رہ کر پڑھنا، حالاں کہ اس بچے سے والد صاحب کی کوئی رشتہ داری نہیں

ہوتی تھی اور نہ کوئی گہرا تعلق مگر یہ سلوک صرف اس وجہ سے ہوتا کہ یہ بچہ دین کے پھیلانے کا ذریعہ بنے گا۔

تنخواہ کی کمی بھی کبھی مہمان نوازی کے آڑے نہیں آئی:

میں خود ہر مہینہ دکانوں میں بل ادا کرنے جاتا تھا، پورے مہینہ کی تنخواہ ایک دن میں ختم ہوجاتی تھی اور مرحوم یوسف بھائی ناخدا جن کی جامع مسجد کے نیچے دکان تھی ان کا بل (ادھار) آدھا ادا ہوتا اور آدھا باقی رہتا، اللہ تعالیٰ ان کی بھرپور مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، انہوں نے ہمیں کبھی یہ نہیں کہا کہ پورے پیسے دے کر جاؤ، اس وقت کے حالات کبھی کبھی سوچتا ہوں تو میرا سر چکرانے لگتا ہے کہ ہم بارہ بھائی بہن تھے اور تنخواہ آتے ہی ختم ہوجاتی تھی، پھر پورا مہینہ گزارنا ہوتا ادھر مہمانوں کی کثرت تھی ہمیں کس طرح پالا پوسا اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائی ہوں گی، اللہ تعالیٰ میرے والدین کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی باقی زندگی میں ان کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، جیسی ان کی خدمت کرنی چاہیے میں نہیں کرسکا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ آمین!

تعلیمی ادارے دیکھنے کا شوق:

والد صاحب جب بھی کہیں سفر پر جاتے تھے اور ان کو پتہ چلتا تھا کہ یہاں پر کوئی تعلیمی ادارہ ہے تو ضرور اس کو دیکھنے جاتے تھے، اس سلسلے میں آپ کسی دعوت

نامہ کا انتظار نہیں کرتے تھے اور پھر وہاں جو خوبیاں دیکھتے ان کو اپنے یہاں (فلاح دارین میں) ضرور اپناتے تھے اور ہر جگہ پر وہاں کی خوبیوں کی تعریف کرتے تھے۔

کتب خانے دیکھنے کا شوق:

جب ۱۹۸۶ء میں پہلی مرتبہ انگلینڈ تشریف لائے تو یہاں کی گورنمنٹ اسکول بھی دیکھنے گئے تھے، ایک اسکول کے ہیڈ ٹیچر کے ساتھ تعلیم سے متعلق سوال و جواب بھی ہوئے تھے، ساتھ میں ایک انگریزی داں کو بطور ترجمان لے گئے تھے، نیز یہاں کی بڑی بڑی لائبریاں بھی دیکھیں، آپ آکسفورڈ اور کیمبرج یونی ورسٹی کی لائبریری، برٹش لائبریری، انڈیا آفس لائبریری وغیرہ اکثر لائبریریاں دیکھ چکے ہیں، اسی طرح امریکہ، پیرس، کینیڈا وغیرہ کی لائبریریاں بھی دیکھ چکے ہیں اور وہاں ہمارے بزرگوں کی قیمتی کتابیں آپ کی نظر سے گزریں تو ان کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کی کوشش بھی کی، بعض کتابیں جو ہندوستان میں ڈھونڈنے سے نہ ملیں مگر پیرس اور امریکہ کی لائبریریوں میں ملیں، آپ نے اس کا تذکرہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم سے بھی کیا، پھر جب حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کا امریکہ کا دورہ ہوا اور وہاں کی لائبریری دیکھنے تشریف لے گئے تو والد صاحب سے ملاقات پر فرمایا کہ آپ کی بات بالکل درست ہے کہ بعض ایسی کتب وہاں موجود ہیں جو ہمارے یہاں کے کتب خانوں میں بھی نہیں ہیں، ہم نے تو اب تک صرف ان کا نام ہی سن رکھا تھا۔

بزرگوں سے تعلق:

بزرگوں سے تعلق کے بارے میں آپ نے ''رشد وہدایت کے منار'' میں پڑھا ہی ہوگا لیکن دو تین واقعات جو مجھے یاد ہیں وہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے والد صاحب کو بہت محبت تھی، حضرت جب بھی بمبئی تشریف لاتے آپ کی ملاقات کے لیے والد صاحب گجرات سے بمبئی جاتے اور خوب استفادہ فرماتے تھے۔

گجرات کا ندوہ:

ایک مرتبہ حضرت ترکیسر عربی انجمن کے جلسہ میں تشریف لائے تو بچوں کی عربی تقاریر سن کر فرمایا تھا کہ آج تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ندوہ ہی میں اچھی عربی بولی جاتی ہے، لیکن یہاں بچوں کی عربی تقریریں سن کر محسوس ہوا کہ گجرات میں بھی ندوہ ہے۔

اے گجراتیو! ان کی قدر کرو:

پھر والد صاحب کے بارے میں فرمایا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب بڑے دور اندیش ہیں، اے گجراتیو! ان کی قدر کرو، والد صاحب کے ہر بیان میں آپ کو حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی کوئی نہ کوئی بات ضرور ملے گی۔

مجھے تو مولانا عبداللہ کاپودروی کے گھر جانا ہے:

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کا جو آخری سفر گجرات کا ہوا تھا، اس وقت شاید آپ دار العلوم جمبوسر آئے تھے، ان دنوں میں تو یہاں برطانیہ میں تھا لیکن وہاں موجود علمائے کرام سے سنا تھا کہ اس وقت ہر دار العلوم والا حضرت مفکر اسلام

کو اپنے دار العلوم میں آنے کی دعوت دے رہا تھا، لیکن حضرت انکار فرماتے رہے، والد صاحب کا بھی دل چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے گھر پر لے جائیں، لیکن حضرت کی طبیعت کو دیکھ کر والد صاحب کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، ہمارے لیے یہ بات سیکھنے کی ہے کہ آج کل ہم اپنے شیوخ، اساتذہ اور بزرگوں کو زبردستی گھر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہم برکت حاصل کریں، لیکن ان کے آرام اور صحت کا ہمیں خیال نہیں رہتا، یہ محبت نہیں ہے، اس کی ہمیں اصلاح کی بہت ضرورت ہے، ہاں! تو حضرت سب کو انکار کرتے رہے پھر حضرت نے فرمایا کہ مجھے کہیں نہیں جانا ہے، مجھے تو مولانا عبداللہ کاپودروی کے گھر جانا ہے اور پھر ۷۰ رعلمائے کرام کی معیت میں کاپودرا تشریف لائے تھے۔

۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کا لندن کا سفر ہوا تھا، میرے بھائی مولانا اسماعیل صاحب اس وقت بولٹن میں تھے اور میں اس وقت لندن میں کلیپٹن کے علاقہ میں رہتا تھا، مولانا اسماعیل صاحب لندن میرے گھر آئے، چناں چہ ہم دونوں بھائی مولانا علی میاں صاحبؒ کو ملنے فینس بری پارک گئے؛ مگر صاحب مکان نے پہلے ہمیں منع کر دیا کہ مولانا سے ملاقات نہیں ہوسکتی، ہم نے کہا کہ ہم بہت دور سے ملنے آئے ہیں اور ہم صرف حضرت سے مصافحہ کر کے نکل جائیں گے، اس پر انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، جب ہم اندر گئے اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے بیٹے ہیں تو ہمیں بٹھایا، میں اسی عرصہ میں ہندوستان سے برطانیہ آیا ہوا تھا تو مجھے کافی نصیحتیں کیں، اس

میں جو بات مجھے خاص لکھنی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ہندوستان واپس ہوئے تو وہاں جاکر لکھنؤ سے گجرات والد صاحب پر خط لکھا کہ میں انگلینڈ گیا تھا تو آپ کے صاحب زادے لندن ملاقات کے لیے آئے تھے، ان سے مل کر مجھے خوشی ہوئی اور وہ خیریت سے ہیں، ہمارے بزرگوں کے اخلاق کتنے بلند تھے اور اپنے چھوٹوں سے کیسا محبت کا معاملہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے اخلاق عطا فرمائیں۔ آمین!

ائمۂ حرم کے ساتھ افطار میں شرکت:

والد صاحب ۱۹۹۰ء یا ۱۹۹۱ء میں ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے تھے، دارالعلوم زکریا کی انتظامیہ نے چھ مہینے کے لیے بلایا تھا، اس دوران شیخ حذیفی دامت برکاتہم کا بھی ساؤتھ افریقہ کا دورہ ہوا تو والد صاحب کو ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، والد صاحب ماشاء اللہ عربی اچھی بولتے ہیں اس لیے شیخ حذیفی کو والد صاحب کے ساتھ اچھا لگتا تھا، اس کے بعد والد صاحب ایک مرتبہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، شاید رمضان المبارک کا مہینہ تھا، مسجد نبوی شریف میں پہلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران شیخ حذیفی کی آپ پر نظر پڑ گئی تو شیخ کے ساتھ جو پولیس والے تھے اُن کے ذریعہ والد صاحب کو بلایا اور اپنے ساتھ بٹھا کر افطار کرایا، شیخ حذیفی اور شیخ ایوبؒ جو کہ اس وقت مسجد نبوی میں امام تھے، ان تینوں حضرات نے ساتھ بیٹھ کر افطار کیا، والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں وہاں بیٹھ کر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا آدمی (رہنے والا) ہوں جو گجرات کے نقشے پر بھی نظر نہیں آتا اور ایک غریب گھر کا پروردہ لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر

کتنا فضل فرمایا کہ آج میں حرم کے ائمہ کے ساتھ افطار کر رہا ہوں (ساؤتھ افریقہ کے اس سفر میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ کا بھی ساؤتھ افریقہ کا دورہ ہوا تھا اور والد صاحب کو ان کے ساتھ رہنے کا زریں موقع نصیب ہوا تھا)۔

آپ کو میرے ساتھ ہی رہنا ہے:

اسی طرح حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، حضرت جب بھی گجرات تشریف لاتے والد صاحب سفر میں ان کے ساتھ ہی رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک دار العلوم کی افتتاحی مجلس تھی، اس میں گجرات کے تمام دار العلوم کے اکابر علما کو دعوت تھی مگر والد صاحب کو دعوت نہیں تھی، شاید ان سے کچھ اختلاف رہا ہوگا۔ بہر حال جب اس مدرسہ میں جانے کا وقت ہوا تو والد صاحب نے حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ سے اجازت چاہی کہ میں گھر ہو آؤں؟ میں ان شاء اللہ شام کو آپ کے ساتھ ہو جاؤں گا، معلوم نہیں حضرت کو کسی نے بتا دیا تھا یا کشف ہوا، حضرت نے فرمایا نہیں! آپ کو میرے ساتھ ہی رہنا ہے، جب پروگرام ہوا اور تمام دار العلوم کے شیوخ الحدیث نے اپنی بات پوری کر لی اور حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے نام کا اعلان ہوا تو حضرت اپنی جگہ سے نہیں اٹھے اور فرمایا کہ پہلے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی بات کریں گے، پھر میں بیان کروں گا، پھر والد صاحب کو بیان کے لیے حکم فرمایا، جب والد صاحب کی بات ختم ہوئی تو فرمایا کہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی نے تو میرے دل کی بات کہہ دی ہے، اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، چلو اب دعا کر لو یہ کہہ کر دعا شروع کر دی۔

آپ کی وجہ سے ہمیں پورے سفر میں بہت آرام ملا:

جب حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ برطانیہ تشریف لائے تھے اس وقت بھی والد صاحب ان کے ساتھ سفر میں ساتھ رہے تھے، والد صاحب کینیڈا سے سفر کر کے حضرت کے ساتھ رہنے کے لیے آئے تھے، حضرت جب ہندوستان واپس تشریف لے جا رہے تھے تو ہم بھی ائیر پورٹ پر پہنچانے کے لیے گئے تھے، جب حضرت کا سامان وغیرہ چیک ہو گیا اور سب نے مصافحہ کرلیا تو والد صاحب بھی مصافحہ کر کے ایک جانب کھڑے ہو گئے، حضرت جانے لگے، تھوڑے آگے گئے پھر واپس آئے اور فرمایا کہ مجھے مولانا عبداللہ صاحب سے بات کرنی ہے، والد صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے کہ حضرت کیوں واپس آرہے ہیں، حضرت نے آکر کہا کہ آپ کی وجہ سے ہمیں پورے سفر میں بڑا آرام ملا، کیوں کہ قاری زبیر صاحب بلیشوری نے برطانیہ کے سفر کا پورا انظام والد صاحب کے سپرد کر دیا تھا یعنی اگر کوئی دعوت دینے آتا، کوئی گھر لے جانا چاہتا تو پہلے والد صاحب سے بات کرنی ہوتی تھی، ایسے معاملات میں والد صاحب بڑے سخت رہے تھے، صرف اس وجہ سے کہ حضرت زیادہ تھک نہ جائیں اور حضرت کو آرام ملے، اس کی وجہ سے کافی لوگ والد صاحب سے ناراض بھی ہو گئے تھے۔

آپ کو مستقل طور پر کینیڈا نہیں رہنا ہے:

اور دوسری بات یہ فرمائی کہ آپ کو کینیڈا میں مستقل طور پر نہیں رہنا ہے، ہندوستان کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔

آپ بھی کبھی ہمارے یہاں تشریف لائیے:

ایک مرتبہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ نے والد صاحب سے فرمایا: ہر سال میں گجرات آتا ہوں آپ بھی کبھی ہمارے یہاں تشریف لائیے چناں چہ والد صاحب ایک مرتبہ ہتھوڑا (باندہ) تشریف لے گئے، واپسی پر فرمایا کہ اب ہمیں پتہ چلا کہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ ہر سال سفر میں کیسی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، جب یہاں (گجرات) تشریف لاتے ہیں تو کتنی مشقت ہوتی ہوگی، کیوں کہ وہاں کے اسٹیشنوں پر کوئی پانی والا ملتا ہے اور نہ کوئی چائے والا، کئی سال پہلے یہ بات میں نے والد صاحب سے سنی تھی، سنی ہوئی اس بات کا تجربہ ناچیز کو اس سال الہ آباد جاتے وقت ہوا۔

یہ گجرات کے بہت بڑے عالم ہیں:

جس سال والد صاحب حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے یہاں گئے تھے، اسی سال حضرت والد صاحب نے مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم کو ترکیسر مدعو کیا تھا، شاید حضرت کا گجرات کا یہ پہلا سفر تھا۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی زبانی میں نے یہ سنا کہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے ساتھ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں پہنچے تو صبح کا وقت تھا، حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب نے مجھے فرمایا کہ حضرت قاری صدیق صاحب باندوی نے آپ کے والد صاحب کو ایک کمرے میں آرام کے لیے بھیج دیا اور پھر قاری صدیق صاحب

میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ گجرات کے بہت بڑے عالم ہیں اور یہ گجراتی لوگ صبح میں انڈے کا ناشتہ کرتے ہیں تو آپ کہیں سے انڈے منگوالیں، چناں چہ اس کا انتظام کیا گیا اور صبح انڈے کا ناشتہ کرایا گیا، پھر مجلس ہوئی تو حضرت قاری صدیق احمد صاحب نے حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم سے فرمایا کہ مجلس میں دینی گفتگو آپ فرمائیں، والد صاحب نے ان کی باتیں سنیں، آپ کو ان کی باتیں بہت پسند آئیں تو والد صاحب بہت متاثر ہوئے اور آپ کو گجرات آنے کی دعوت دی، خیر! یہ بات توضمناً آ گئی۔

آبدیدہ ہوکر باہر آئے:

ابھی میں جب لکھنؤ گیا، وہاں مجھے حضرت مولانا زکریا صاحب سنبھلی دامت برکاتہم نے حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ کے حالات پر مشتمل ان کا تحریر فرمودہ ایک کتابچہ دیا، میں نے گھر پہنچ کر وہ رسالہ حضرت والد صاحب کو پیش کیا، اس وقت والد صاحب قیلولہ فرمانے کے لیے جا رہے تھے، والد صاحب نے اسی وقت پڑھنا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں کمرے سے باہر آ گئے تو میں نے والد صاحب سے پوچھا حضرت! نیند نہیں آئی؟ تو آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ مجھے اس کتابچہ نے سونے نہیں دیا، میں اس کو پڑھ کر بہت رویا اور فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور کام کر گئے اور ہم لوگ اتنی راحت میں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکے، پھر مجھے فرمایا کہ میں اس کتابچہ کی ایک ہزار کاپیاں کروانا چاہتا ہوں، ان کو سب دار العلوم میں بھیجوں گا، چناں چہ حضرت والد صاحب نے اس کے لیے حضرت

مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم سے بات کی اور حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب نے صرف چار دنوں کے اندر اس کے ایک ہزار نسخے چھپوا دیے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین!

آپ نے میری راحت رسانی کا خوب خیال فرمایا:

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ سے بھی والد صاحب کو بہت محبت تھی، ان کا جب گجرات کا سفر ہوا تھا تو والد صاحب نے ان کی راحت رسانی کا بہت خیال فرمایا تھا، حضرت نے جلال آباد جا کر والد صاحب کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ نے میری راحت رسانی کی بہت فکر کی، اس کی وجہ سے مجھے بہت آرام پہنچا اور پھر دعائیہ کلمات تحریر فرمائے تھے۔

گجرات کے ایک شخص سے مجھے بہت امیدیں ہیں:

اسی طرح حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم کا جب انگلینڈ کا پہلا سفر ہوا تھا تو شاید حضرت مولانا عیسیٰ منصوری کے مکان پر میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی تھی، حضرت مولانا عیسیٰ صاحب نے میرا تعارف کرایا تو حضرت مولانا سجاد صاحب فرمانے لگے کہ آپ کے والد صاحب کے متعلق تو ہم نے ہمارے والد صاحب اور مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے بہت کچھ سنا ہے اور مولانا علی میاں بار بار یہ فرماتے تھے کہ مجھے گجرات کے ایک شخص سے بہت امیدیں ہیں اور پھر انہوں نے والد صاحب کا نام لیا تھا۔

مسیح الامتؒ کی خصوصی شفقت:

جب ہم جلال آباد حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی خدمت میں جاتے تھے تو والد صاحب کی وجہ سے حضرت ہم سے بہت شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بھی جلال آباد پڑھنے گئے تھے، ان کے ساتھ بھی بہت شفقت کا معاملہ فرمایا، جب میں دوتین مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت کے پاس گیا اور ایک مرتبہ اہلیہ کے ساتھ بھی گیا تو حضرت نے بہت شفقت فرمائی تھی، حضرت نے اپنے گھر کے پڑوس میں مجھے تین دن تک رکھا تھا، اور فرمایا تھا کہ تم ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے اور دوسرے وقت کا کھانا اپنی اہلیہ کے ساتھ کھالینا، تاکہ کچھ بات کرنا چاہو تو بات بھی کرسکو۔ خیر! اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین!

اپنے مقامی علما کی قدر کرو:

والد صاحب کی ایک اور خوبی نوجوان علما کو آگے بڑھانا ہے، والد صاحب کو میں اکثر دیکھتا تھا کہ اگر ڈابھیل، راندیر اور کنتھاریہ کے اطراف سے یا کسی بھی دارالعلوم سے والد صاحب کو بیان کی دعوت دینے کے لیے کوئی آتا تو والد صاحب فوراً فرماتے کہ آپ اپنے قریب کے دارالعلوم کے علما کو چھوڑ کر یہاں تک آئے، آپ انہی سے بیان کراؤ اور انہی سے فائدہ اٹھاؤ۔

آپ بھی بڑے اچھے مقرر ہیں:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈمن کے مدرسہ میں ایک نئی عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی تھی، شاید یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے، اس کے افتتاح کے موقع پر ایک جلسہ ہوا تھا، اس وقت ڈابھیل، راندیر اور ترکیسر کے علما کے بیان اس جلسہ میں ہوئے تھے، اس جلسہ کی صدارت والد صاحب فر مار ہے تھے، والد صاحب نے اس موقع پر حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ سے علی سبیل المزاح فرمایا تھا کہ جلسہ میں جو صدر ہوتا ہے اس کے لیے بڑی مصیبت ہوتی ہے، کیوں کہ وہ جو مضمون سوچتا ہے آگے والا مقرر آکر وہی مضمون بیان کر دیتا ہے، یہ کہہ کر والد صاحب نے سب کو ہنسایا، پھر پروگرام کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم سے فرمایا تھا کہ ماشاء اللہ آپ بھی بڑے اچھے مقرر ہیں، میں نے تو آج ہی آپ کو بیان کرتے ہوئے سنا، اب سے اگر کوئی اس طرف سے بیان کی دعوت دینے کے لیے آئے گا تو میں آپ کا ہی نام پیش کروں گا اور اس کو آپ کے پاس ہی بھیجوں گا (اور رمضان المبارک میں بھی کوئی والد صاحب کے پاس مشورہ لینے کے لیے آتا کہ مجھے اعتکاف میں بیٹھنا ہے یعنی خانقاہ میں جانا ہے تو والد صاحب ڈابھیل کا ہی مشورہ دیتے) اور اگر کوئی کنتھاریہ یا دار العلوم ماٹلی والا کی طرف سے آتا تو اُس کو وہاں کے علما سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیتے، غرض یہ کہ جس جگہ سے وہ دعوت دینے کے لیے آتے تھے، اس کے اطراف میں اگر کوئی دار العلوم ہوتا تو وہاں کے علمائے کرام سے فائدہ

اٹھانے کی ترغیب دیتے، اگر وہ بہت اصرار کرتا تو پھر والد صاحب خود تشریف لے جاتے، ورنہ کوشش یہی رہتی کہ لوگ مقامی علما سے فائدہ اٹھائیں۔

دورۂ تبلیغ:

والد صاحب کی ایک عادت شریفہ یہ رہی ہے کہ جب مدرسہ کی تعطیلات ہوتیں اور والد صاحب ترکیسر یا کاپودرا میں ہوتے تو عصر کی نماز کے بعد تعلیم میں ضرور بیٹھتے تھے اور دوسروں کو بھی بیٹھنے کی ترغیب دیتے تھے؛ نیز نوجوانوں کو تبلیغ میں جانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں، مولانا اسماعیل صاحب گودھروی مدظلہ ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے کہ میرا پہلا چلّہ آپ کے والد صاحب کے ساتھ لگا تھا اور آپ کے والد صاحب ہماری جماعت کے امیر تھے۔

دین کی خاطر آرام دہ سفر کو چھوڑ دیا:

یہ ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۶۸ء کی بات ہے، مولانا ولی صاحب کاوی نے مجھے کہا تھا (موصوف دار العلوم بڑودہ کے مہتمم ہیں) کہ ہماری جماعت عراق جارہی تھی اور آپ کے والد صاحب دار العلوم کے لیے کتابیں خریدنے عراق جارہے تھے، ہمیں ایک اچھے عربی بولنے والے رہبر کی ضرورت تھی تو ہم نے آپ کے والد صاحب سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، آپ کے والد صاحب ہوائی جہاز سے جارہے تھے اور ہم پانی کے جہاز سے جارہے تھے؛ لیکن آپ والد صاحب نے دین کی خدمت کی خاطر ہوائی جہاز کا آرام دہ سفر چھوڑ کر ہمارے ساتھ پانی کے جہاز میں سفر کیا اور ہم لوگوں کو بھی بہت فائدہ ہوا۔

صل من قطعک واعف عمن ظلمک وأحسن إلی من أساء إلیک کی جیتی جاگتی تصویر:

ترکیسر کے زمانہ میں ایک مولوی صاحب نے والد صاحب کو بہت ستایا، بہت تکلیفیں پہنچائیں پھر جب والد صاحب ترکیسر چھوڑ کر کاپودرا آ گئے، اس کے ایک عرصہ بعد وہ مولانا صاحب دوسرے مولانا کے ساتھ کاپودرا آئے؛ مگر وہ کار میں ہی بیٹھے رہے، والد صاحب ان مولوی صاحب کو جو گھر میں آئے تھے چائے کے لیے اصرار کر رہے تھے، لیکن وہ انکار کرتے رہے، آخر انہوں نے یہ کہا کہ فلاں مولانا صاحب میرے ساتھ آئے ہیں؛ مگر وہ آپ کے گھر میں نہیں آ رہے ہیں، اگر والد صاحب کی جگہ ہم ہوتے تو شاید یہی کہتے کہ آپ جلدی تشریف لے جائیے وہ گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے؛ مگر والد صاحب کے اخلاق پر قربان جائیے، آپ خود اٹھ کر گئے اور کار میں سے ان مولوی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر پر لے آئے اور چائے ناشتہ کرا کر رخصت کیا، اسی طرح دوسرے ایک مولانا جو بہت مخالفت کرتے تھے، ان کا بیٹا جب والد صاحب کو کاپودرا ملنے آتا، والد صاحب اس کو ہدیہ کے طور پر کبھی پانچ سو یا ہزار روپے دیتے تھے، یہ مجھے میرے ایک دوست نے بتایا، اسی طرح ہمارے گاؤں کا ایک لڑکا والد صاحب کے خلاف بہت بکواس کرتا رہتا تھا، جب وہ کینیڈا گیا تو اس وقت والد صاحب وہیں کینیڈا میں مقیم تھے، والد صاحب نے اس کی اپنے گھر دعوت کی اور اس سے اس طرح ملے جیسے پہلے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، جب مجھے پتہ چلا تو میں سوچنے لگا کہ آپ کا حوصلہ کتنا بڑا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے اخلاق سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

جوڑ کو پسند فرماتے ہیں اور توڑ کو ناپسند:

والد صاحب کی ایک عادت شریفہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس کو دل میں رکھ کر نہیں چلتے اور یوں فرماتے ہیں کہ چلو بھائی یہ ان کی ایک رائے ہے اور ان کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ سامنے والے کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ان کے ساتھ اختلاف ہوا تھا، اگر علما میں اختلاف ہو تو بہت ہی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور دونوں فریق کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتے ہیں، والد صاحب نے ''رشد و ہدایت کے منار'' میں بھی لکھا ہے کہ ''دار العلوم دیو بند'' کے قضیہ کے وقت قاری محمد طیب صاحبؒ کے پاس گئے تھے اور پھر جب حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتویؒ کے عنوان پر سیمینار ہوا تھا اس وقت والد صاحب نے پیغام بھیجا تھا، جو ''حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی حیات، افکار، خدمات'' کے نام سے جو کتاب چھپی ہے اس میں موجود ہے، لکھا ہے کہ:

> ''ابنائے دار العلوم کا فرض ہے کہ موجودہ خطرناک موڑ پر اختلاف کو ختم کر کے امت اسلامیہ کی صحیح رہ نمائی فرمائیں، ابنائے دار العلوم دیو بند کو تعلیم اور اصلاح معاشرہ کے میدان میں آگے بڑھ کر کام کرنا چاہیے، نیز امت میں اتحاد اور بھائی چارہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے، چھوٹے چھوٹے مسائل کو اہمیت دے کر اختلاف پیدا کرنا شدید نقصان کا باعث ہے، اس لیے ابنائے دار العلوم ایک دوسرے کو قریب کرنے اور پچھلی تلخیوں کو فراموش کرنے کی مخلصانہ جدو جہد فرماویں تو ان شاء اللہ وہ ایک مضبوط قوت ثابت ہوں گے۔''

(حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ حیات، افکار، خدمات ص ۵۳۔۵۲)

اسی طرح جمعیت کے اختلافات کے وقت بھی دونوں حضرات کے پاس خود تشریف لے گئے اور دونوں حضرات سے بات کی تھی اور جب ان کے درمیان صلح کی خبر ملی تو ان کو مبارک بادی کا فون بھی کیا، اسی طرح والد صاحب نے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب کو ترکیسر سالانہ جلسہ میں مدعو کیا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ دار العلوم کا اختلاف زوروں پر تھا، اس وقت جمعیت کے احباب والد صاحب سے بہت ناراض بھی ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ آپ اختلاف کو بڑھانا چاہتے ہیں، اس وقت والد صاحب نے فرمایا تھا کہ میں اختلافات کو بڑھاوا نہیں دے رہا ہوں بل کہ ختم کروانا چاہتا ہوں، یہ جو دراڑیں پڑی ہیں ان کو پُر کرنا چاہتا ہوں، پھر فرمایا کہ بھائی! حضرت مولانا سالم صاحب حضرت نانوتویؒ کی اولاد میں سے ہیں، حضرت نانوتویؒ کا ہمارے اوپر کتنا احسان ہے، ہم ان کی بھی عزت کریں گے اور ہم مولانا سید اسعد مدنیؒ اور مولانا ارشد صاحب کی بھی عزت کریں گے؛ کیوں کہ وہ ہمارے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی اولاد ہیں، ہمیں ان کے اختلاف سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

قاضی مجاہد الاسلامؒ کو گجرات کی دعوت:

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کو سب سے پہلے والد صاحب نے گجرات کی دعوت پیش کی تھی، اس وقت کچھ علما نے آپ کی رائے سے اختلاف بھی کیا تھا؛ لیکن والد صاحب نے ان کو بلایا اور لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔

سید حامد حسن صاحب کی فلاح دارین میں آمد:

اسی طرح سید حامد صاحب جو علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر تھے، ان کو بھی ترکیسر بلایا، ایسے بہت سارے روشن خیال حضرات کو بلاتے تھے۔

اہلِ فن کی قدر:

ترکیسر گاؤں میں پروفیسر مرحوم حنیف بنا صاحب تھے، ان کی گجراتی بہت اچھی تھی، ان کو بلوا کر گجراتی میں لیکچر کرواتے تھے؛ تاکہ طلبا اچھی گجراتی سیکھیں۔

الحکمۃ ضالۃ المومن:

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت ودانائی مومن کی گم شدہ متاع ہے؛ لہٰذا جہاں بھی اس کو پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے، والد صاحب کا مزاج جو میں نے محسوس کیا وہ یہ ہے کہ سامنے والا چاہے کسی اور مسلک کا ہو، اگر اس کی کوئی اچھی بات ہو اور ہمارے عقیدہ کے ساتھ ٹکراتی نہ ہو تو اس کو قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

ایک خواہش کا اظہار:

البتہ والد صاحب کی نظر اس پر بھی خوب رہتی ہے کہ عقیدہ پر زد نہیں آنا چاہیے اور مسلمان بچوں کے عقیدہ سے متعلق آپ بہت فکر مند رہتے ہیں، انگلینڈ کے ۲۰۱۴ء کے سفر میں مفتی ابراہیم صاحب بڑودوی جو کہ برطانیہ میں لیٹن اسٹون مسجد کے امام وخطیب ہیں ان کے گھر پر ناشتہ کی دعوت تھی، وہاں میز پر ”عقیدہ الطحاوی“

دیکھی تو فرمایا کہ اس کتاب کو بار بار پڑھنا چاہیے اور ہمارے بچوں کو عقیدے کے بارے میں سمجھانا چاہیے کہ ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟ پھر مجھ سے فرمانے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی جگہ بیٹھ کر یہ کتاب بچوں کو پڑھاؤں، پھر مفتی ابراہیم صاحب سے وہ کتاب مطالعہ کرنے کے لیے مانگی کہ میں کچھ دن یہاں ٹھہرنے والا ہوں تو ذرا اس کو پھر دیکھ لوں، چناں چہ حضرت مفتی ابراہیم صاحب نے وہ کتاب حضرت والد صاحب کو ہدیہ کے طور پر دے دی۔

علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

اسی طرح ہندوستان میں ۱۹۹۸ء میں ایک مسئلہ گورنمنٹ کی طرف سے اٹھایا گیا تھا کہ جو بچے اسکول میں آئیں گے وہ پہلے سرسوتی دیوی کے سامنے ہاتھ اٹھا کر کھڑے رہیں گے اور اس کی پوجا کریں گے، تاکہ علم میں بڑھوتری ہو، اس وقت گجرات کے اکثر مدارس کے سالانہ جلسے کے موقع پر والد صاحب نے بیان دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو گھر پر تعلیم دیں گے؛ لیکن انہیں اسکول بھیج کر ان سے شرک نہیں کروائیں گے، فارغ ہونے والے طلبہ سے فرمایا کہ ہر ایک طالب علم دس دس گاؤں کا انتخاب کرلے کہ میں ان شاء اللہ دس گاؤں میں جا کر یہ آواز لگاؤں گا کہ اپنی توحید کو برقرار رکھو اور یہ جو طاقتیں کام کر رہی ہیں اس سے چوکنا رہو، ان شاء اللہ گجرات میں کسی بھی گاؤں میں شرک کی محنت کامیاب نہیں ہوگی اور پھر فرمایا کہ حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا اور آپ کا ایک ہی خاندان ہے، میرا جس قریش

قبیلہ سے تعلق ہے آپ کا بھی اسی قریش قبیلہ سے تعلق ہے، لیکن آپ کی زبان اور آپ کی گفتگو سن کر ہم تو حیران رہ جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **"علمني ربي فأحسن تعليمي" "أدبني ربي فأحسن تأديبي"**(۱) مجھے تو میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور بہترین ادب سکھایا ہے، علم کی دیوی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے سامنے علم کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، علم اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

اساتذۂ مکاتب ان باتوں کی طرف خصوصی توجہ دیں:

اسی طرح آج جب میں یہ سطریں لکھ رہا تھا کسی نے مجھے واٹس ایپ کیا کہ آج آپ کے والد صاحب کا بیان جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں ہوا تھا، اس میں پانچ چیزوں پر خاص توجہ دلائی:

......☆ (۱) بچوں کو تجوید کے ساتھ عربی لہجہ میں قرآن پاک سکھایا جائے۔

......☆ (۲) موجودہ حالات میں عقائد کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔

......☆ (۳) سرکاری اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اساتذہ ان کا بھی

---

(۱) لم أجد الطرف الأول من هذا الحديث، والطرف الثاني أخرجه العسكري في الأمثال، ولكن قال ابن تيمية في مجموعة مسائل الكبرى: ۲/۳۳۶: ولا يعرف له إسناد ثابت، وأورده الشوكاني في الفوائد المجموعة، والفتني في تذكرة الموضوعات، وأنكره السخاوي والسيوطي۔ (السلسلة الضعيفة: ۱/۷۴، الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة للسيوطي: ص۱، التذكرة في الأحاديث المشتهرة لبدر الزركشي: ص۱۶۰، المقاصد الحسنة للسخاوي: ص۷۳، كشف الخفا: ص۷۰)

مطالعہ کریں اور اُن میں جو شرکیہ عقائد ہیں ان کے مقابل صحیح عقائد بچوں کو سمجھایا جائے۔

......☆(۴) بہشتی ثمر اور دیگر کتب کے مسائل صرف پڑھنے پڑھانے پر اکتفا نہ کریں بل کہ اس کی عملی مشق کرائیں۔

......☆(۵) بچوں کو اسلامی اخلاق کی طرف توجہ دلائی جائے۔

اسکول جانے والے مسلم بچوں کے ایمان وعقائد کی خصوصی فکر:

والد صاحب کو مدارس کے ساتھ ساتھ جو مسلم بچے اسکولوں میں جاتے ہیں، ان کے ایمان وعقیدے کی بہت فکر رہتی ہے، جب صحت اچھی تھی اسکولوں میں بھی جایا کرتے تھے اور خاص کر اسلامی اسکولوں میں جا کر دیکھتے تھے کہ بچوں کے اخلاق کیسے ہیں، وہ کھڑے کھڑے پیشاب تو نہیں کرتے اور کپڑے وغیرہ دیکھتے تھے کیوں کہ ہندوستان میں اسکولوں میں ہاف پینٹ پہننے کا رواج ہے تو بعض مسلم اسکولوں میں بھی والد صاحب نے ایسے کپڑے پہنتے ہوئے دیکھا تو بہت افسوس ظاہر کیا اور سب ٹیچروں کو جمع کیا اور اسلام کے بارے میں موٹی موٹی باتیں پوچھیں، لیکن کوئی اچھی طرح جواب نہ دے سکا تو والد صاحب کو بہت دکھ ہوا اور کہا کہ ہماری قوم اسلامی اسکولوں کے نام پر پیسہ دیتی ہے اور ٹیچروں کو ہی اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے تو وہ کیا اسلام سکھائیں گے، خیر! اس کے بعد والد صاحب نے ''وہورا ویلفیر سوسائٹی'' کا جو پچاس سالہ اجلاس ہوا تھا، اس میں سولہ صفحات کا ایک چھوٹا سا رسالہ تیار کر کے سب کو تقسیم کیا، اس کا نام تھا مسلم معاشرہ کا تعلیمی نظام (مسلم سماج نی

شکشڑک وییوستھا) تو بعض حضرات کو اچھا نہیں لگا اور کہنے لگے کہ مولانا تو ہماری اسکولوں کو بھی مدرسہ بنا دینا چاہتے ہیں، لیکن پھر والد صاحب نے ہمارے گاؤں کے احباب کے ساتھ مل کر ایک مثالی اسکول قائم کر کے دکھایا اور الحمدللہ! وہ بہت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے اخیر میں دعا گو ہوں کہ وہ والد محترم کا سایۂ عاطفت عافیت کے ساتھ تا دیر ہم پر قائم رکھے اور آپ کی دینی وملی خدمات کو قبول ومنظور فرمائے۔ آمین!

استاذ الاساتذہ، رونق گجرات، یادگار اکابر، نمونۂ اسلاف، مفکر اسلام، دردمندِ قوم وملت، محسنِ امت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کی ایک جھلک

بقلم

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب لاجپوری مدظلہ

امام وخطیب مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن

کسی بھی اہم علمی شخصیت پر قلم اٹھانا آسان نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ اگر وہ شخصیت مختلف الجہات اور متنوع کمالات کی حامل ہو تو معاملہ اور بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے، دوسری طرف میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کیوں کہ ''صالحین'' کا ذکر بھی موجبِ خیر و برکت ہے اور لکھنے کی ایک حرص یہ بھی رہی کہ کیا عجب ہے کہ یہ لکھنا خود میرے لیے ذخیرۂ آخرت بن جائے، چناں چہ اسی حرص کے پیش نظر کچھ کلمات تحریر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

حضرت دامت برکاتہم سے جو باتیں سنیں اور حافظہ کی گرفت میں رہ گئیں سوچا کہ ان میں سے کچھ باتیں ناظرین کے سامنے پیش کر دی جائیں، امید ہے یہ باتیں ان شاء اللہ قارئین کے لیے خالی از فائدہ نہیں ہوں گی، نیز حضرت کی تصنیفات و تالیفات میں سے چند باتیں اخذ کی ہیں اس امید پر کہ قارئین میں سے جو حضرات اب تک ان کتابوں کے براہ راست مطالعہ سے محروم رہے ہیں ان کے شوق مطالعہ کو مہمیز کیا جائے اور کچھ خاص اوصاف جو بندہ نے حضرت دامت برکاتہم کی شخصیت میں نمایاں محسوس کیے، ان کا ذکر کیا ہے۔

سرزمین کاپودرا:

حضرت دامت برکاتہم کا اصل وطن تو ''جیتالی'' ہے اور آپ کی پیدائش ''برما'' کی ہے مگر آپ کی پوری زندگی ''کاپودرا'' میں گزری ہے اور آپ کی وہاں

سکونت سے ’’کاپودرا‘‘ کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بڑے بڑے اکابر کی آمد کاپودرا میں ہوئی اور اہلِ کاپودرا اکابر کی زیارت و ملاقات سے مشرف اور ان کی اصلاحی باتوں سے مستفیض ہوئے، کاپودرا کی بستی سے متعلق حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کا ایک ملفوظ ذکر کرتا ہوں، حضرت دامت برکاتہم خود لکھتے ہیں کہ:

> ’’مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ ناچیز پر عنایت فرما کر ’’کاپودرا‘‘ تشریف لائے اور چھوٹی سی بستی دیکھ کر مسرت کے ساتھ فرمایا کہ آپ کی بستی میں تو ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے، عرض کیا گیا کہ اس بستی کے کئی لوگ حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت تھے اور حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کو برسوں تک سبقاً سبقاً یہاں پڑھا گیا ہے، نیز حضرت کے مواعظ کو گجراتی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کا کام بھی اس بستی کے ایک فاضل منشی محمود قاسم صاحبؒ نے کیا ہے، یہ سن کر حضرت مسیح الامتؒ بہت مسرور ہوئے۔‘‘

(رشد و ہدایت کے منار: ص ۱۴۶ بتغییر)

خوش نصیبی:

میں نے (اور مجھ جیسے بہت سے طلبا نے) سابق مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کو نہیں دیکھا؛ مگر استاذ الاساتذہ، بزرگوں کے منظورِ نظر،

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کی جب پہلی مرتبہ زیارت وملاقات ہوئی تو دل نے ایک خاص قسم کی خوشی محسوس کی (جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا) اور میں نے اپنے آپ سے یہ کہا کہ تو نے مذکورۂ بالا شخصیات کو تو نہیں دیکھا مگر آج تیری ایسی شخصیت سے زیارت وملاقات ہوئی ہے جس نے مذکورۂ بالا بزرگوں کی زیارت وملاقات کی ہے، یہ تیرے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔

۲۷ سالہ منصبِ اہتمام:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کو جن گونا گوں کمالات وخوبیوں سے نوازا ہے ان میں ایک کمال اور خوبی ''حسن انتظام'' ہے، حضرت مولانا نے گجرات کی مشہور دینی درس گاہ ''دار العلوم فلاح دارین'' ترکیسر کا تقریباً ستائیس (۲۷) سال تک اہتمام وانتظام بحسن وخوبی سنبھالا اور صرف سنبھالا ہی نہیں بل کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حق ادا کردیا اور آنے والوں کے لیے مشعل راہ چھوڑ گئے کہ اہتمام کے فرائض کیسے انجام دیے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بظاہر جو چیزیں مشکل نظر آتی ہیں ان میں ایک چیز کسی بھی ادارے کا - چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی - نظم ونسق اور اس کا انتظام وانصرام اور اہتمام ہے، ان میں بھی کسی دینی ادارے کا اہتمام چند وجوہات کی بنا پر کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اہتمام کانٹوں بھرا تاج ہے:

خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب ڈھلیویؒ فرماتے تھے کہ:

> ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہتمام درحقیقت'' کانٹوں بھرا تاج'' ہے اور مدرسوں کی دنیا میں مدرس کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ مطالعہ کرے اور درس دے اور خدام کی شان یہ ہے کہ ان کے اوقات فکس ہیں؛ مگر اہتمام ایک ''بلا'' ہے اور ''بلا'' کے دو معنی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ''**وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم**'' میں بلا کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ''ابتلا'' اور ''انعام'' تو اہتمام میں ''بلا'' یعنی ''نعمت'' بھی ہے اور ''زحمت'' بھی ہے، وہ کانٹوں بھرا تاج ہے، رات دو بجے بھی کوئی معاملہ یا کوئی مسئلہ پیش آئے تو مہتمم کو جگایا جاتا ہے کہ مدرسہ میں یہ سانحہ رونما ہوا، مدرسہ میں تعلیم ہو رہی ہو تب اور مدرسہ میں چھٹیاں ہوں تب بھی اس پر نظر، اپنے اس کو تلاش کرتے ہیں اور پرایا کوئی آجائے تو وہ بھی اسی کو تلاش کرتا ہے تو جتنی جہتیں ہیں ہر جہت سے اس کی ذمے داری ہوتی ہے، یہ جو مشہور مصرعہ ہے کہ...... ع ہر درد کی دوا ہے صل علی محمد
>
> اسی طرح مدرسوں کی دنیا میں ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے۔''

مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا ضروری ہے:

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس شخص میں ''بردباری'' نہیں وہ ''مہتمم'' اور ''صدر مدرس'' بننے کے لائق نہیں ہے، مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے اور حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو بردبار بنا وہ سردار بن گیا اور جو سردار بن گیا اس نے فائدہ اٹھایا۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے تقریباً ستائیس سال تک ''دار العلوم فلاح دارین ترکیسر'' کا اہتمام سنبھالا اور اس منصب کو زینت بخشی، جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا کہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ مہتمم میں حلم و بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت دامت برکاتہم کو یہ وصف بدرجۂ اتم عطا فرمایا ہے اور اس کی بین دلیل آپ کا ''دار العلوم فلاح دارین'' کا بحسن و خوبی ستائیس سالہ دور اہتمام اور مدرسہ کی تعلیمی ترقی ہے۔

صدقۂ جاریہ:

آپ نے ''دار العلوم فلاح دارین'' میں ۲۷ سال تک طلبہ کی تعلیم و تربیت اور اس ادارے کی ادارت جس حسن و خوبی سے انجام دی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس ادارے کی شہرت دور دراز ملکوں تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کے فضلا بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہت اچھی طرح دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ سب حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے لیے یقیناً صدقۂ جاریہ ہے۔

فن پڑھانے والے اساتذہ کو ترجیح:

آپ نے اپنے دور اہتمام میں اس بات کا بھرپور اہتمام کیا کہ ''دار العلوم فلاح دارین'' کی تدریس کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو صرف کتاب نہیں بل کہ ''فن'' پڑھائیں اور اس کے لیے آپ نے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں کا سفر کیا اور ''فن'' پڑھانے والے اساتذہ کی ایک اچھی خاصی کھیپ ''دار العلوم فلاح دارین'' میں لاکھڑی کی اور پھر کیا تھا، مدرسہ تعلیمی میدان میں دن

بدن دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا اور صرف گجرات ہی کے اداروں میں اس نے اپنا ایک خاص مقام پیدا نہیں کیا بل کہ پورے ہندوستان کے دینی مدارس میں اس نے تعلیمی وتربیتی اعتبار سے اپنا ایک خاص مقام بنالیا۔

فلاحِ دارین میں اکابرین کی آمد میمون:

آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں اس کا بھی خوب اہتمام کیا کہ ہند و بیرون ہند سے چنیدہ صاحب علم، صاحبِ تقویٰ اور علمی میدان کے ماہرین کو خصوصی دعوت دے کر ''دارالعلوم فلاح دارین'' میں وقتاً فوقتاً بلایا اور اس طرح طلبا کو ان کی زیارت وملاقات اور ان کے علم اور ان کے تجربات سے نیز ان کی علمی واصلاحی باتوں سے استفادے کا موقع بھی خوب فراہم کیا۔

دوراندیشی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا میں ایک خوبی یہ بھی ودیعت فرمائی ہے کہ آپ بہت دور کی بہت پہلے سوچتے ہیں، اس کی ایک مثال ''دارالعلوم فلاح دارین'' میں طلبا کو انگریزی زبان سکھانے کا آپ کا فیصلہ تھا، آپ نے فلاح دارین میں اس وقت طلبا کے لیے انگریزی زبان کو سیکھنا ضروری قرار دیا اور انگریزی زبان کو سکھانا شروع کرایا جب کہ دیگر مدارس نے ابھی اس کی ''نیت'' بھی نہیں کی تھی، مگر قربان جائیے آپ کے اندازِ تربیت پر کہ ایک طرف تو بچوں کو انگریزی زبان بھی سکھلائی مگر دوسری طرف انگریزیت کی ان میں بو بل کہ وسوسہ تک بھی نہیں آنے دیا۔

''صدائے دل'' جلد سوم ص نمبر ۱۶۵، ۱۶۶ پر ہے، حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ (سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، ضلع سورت) ایک مرتبہ دار العلوم فلاح دارین میں تشریف لائے، ہمارے گجرات کے کسی مدرسہ میں انگریزی داخل نصاب نہیں تھی اور ہم نے اسے نصاب میں داخل کیا تھا، اس زمانہ میں ہمارے بعض علما کو اشکال تھا کہ انہوں نے ایک نئی چیز مدرسہ میں شروع کی، چناں چہ وہ تشریف لائے اور درس گاہ سے باہر کھڑے ہوکر طلبہ کو بغور دیکھتے رہے، میں سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں حضرت کیا دیکھ رہے ہیں؟ پھر جب مولانا اوپر دفتر میں تشریف لائے تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ مولوی صاحب! میں ہر درس گاہ کے پاس کھڑے ہوکر طلبا کو بغور دیکھ رہا تھا تو آپ کے دل میں یہ بات آئی ہوگی کہ یہ کیا تلاش کر رہا ہے، میں نے کہا حضرت یقیناً یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی، پھر آپ نے فرمایا کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ انگریزی زبان جو یہاں شروع ہوئی ہے تو کہیں انگریزی ثقافت تو طلبہ میں نہیں آرہی ہے، میں ان کے بالوں کی کٹ دیکھ رہا تھا کہ کسی طالب علم کے بالوں پر انگریزی ٹائپ کی کٹ تو نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! مجھے ایک بھی طالب علم اس وقت ایسا نظر نہیں آیا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ اس پر قائم رہو، زبان سکھلاؤ، لیکن انگریزی ثقافت کو داخل مت ہونے دو۔'' (بتغییر)

جب ''فلاح دارین'' میں انگریزی زبان بچوں کو سکھانا شروع کیا گیا تو آپ کو لوگوں نے یہ طعنے بھی دیئے کہ یہ تو مودودی لگتا ہے، ہمارے بزرگوں کے نہج سے ہٹ کر کام کر رہا ہے، لیکن حضرت اپنے بزرگوں کے نہج پر ہی کام کرنا چاہتے

تھے، اس لیے کہ دار العلوم دیو بند کے بانیوں میں سے ایک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے خود انگریزی زبان کی افادیت کو محسوس فرمایا تھا۔

حضرتؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت ایک قافلہ میں مکہ معظّمہ جا رہے تھے، جن میں حضرت گنگوہیؒ وغیرہ بھی تھے، جہاز کے کیپٹن کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان کے یہ بڑے عالم ہیں تو اس نے ایک مرتبہ ملاقات کی اور اس نے کچھ دینی اور مذہبی چیزوں کے بارے میں سوالات کیے، حضرت نانوتویؒ جواب دیتے رہے، اور ایک صاحب اس کی ترجمانی کرتے رہے، اس وقت حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ اگر میں انگریزی زبان جانتا تو اس شخص کو برابر اسلام سمجھا سکتا، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کی دوراندیشی نے اس آہ کو (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی) محسوس کیا اور دین کو پھیلانے کے لیے آپ نے انگریزی درجات شروع کیے اور اس میں حضرت کامیاب بھی رہے۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انگلینڈ، کینیڈا اور دوسرے ممالک میں جہاں کی اصل زبان انگریزی ہے فلاح دارین کے طلبا بلا تکلف انگریزی زبان میں بیان کرتے ہیں اور نوجوانوں کے دینی سوالات کے جوابات بھی دیتے ہیں اور اس طرح نوجوانوں کی علمی پیاس بجھا رہے ہیں، یہ سب حضرت دامت برکاتہم کی دوراندیشی کا ثمرہ ہے۔

مضمون کی مناسبت سے انگریزی زبان مدارس میں طلبا کو سکھلائی جانی چاہیے یا نہیں؟ اس کے متعلق ہمارے چند اکابر کی آرا بھی پڑھیں۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ اپنے مجموعۂ مضامین ''لالہ وگل'' میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک مکتوب کا اقتباس یوں نقل کرتے ہیں:

''یاد پڑتا ہے انگریزی میٹرک تک آپ نے پڑھ لی تھی، پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جوشد بد بھی انگریزی میں میسر ہو چکی ہے بجائے گھٹانے کے اس کو بڑھایئے، حال ہی میں ''الفرقان'' میں مولانا نعمانی (مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ) نے آپ کے والد ماجد قبلہ قدس سرہ (خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ) کا خیال نقل کیا ہے کہ اسلام کی خدمت اس زمانہ میں انگریزی دانی کے بغیر مشکل ہے، خاکسار نے بھی ''نظام تعلیم وتربیت'' میں شاہ صاحبؒ کا کوئی قول اس سلسلے میں نقل کیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ اب تو ہندی بھاشا بل کہ سنسکرت تک کی اسلامی دین کے خدام کو ضرورت پیش آ گئی ہے۔'' (لالہ وگل: ص ۱۰۴ بتغییر)

علامہ سید سلیمان ندویؒ ''حیات شبلی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا کو انگریزی زبان کی ضرورت کا احساس اتنا ہو گیا تھا کہ علما کے لیے بھی اس کا جاننا ضروری سمجھتے تھے، اس احساس ضرورت کا ایک دل چسپ واقعہ انہوں نے ۱۹۱۲ عیسوی میں ایک تقریر میں بیان فرمایا تھا۔

علما کے لیے انگریزی دانی کی ضرورت کے سلسلہ میں فرمایا'' جب میں ترکی سے واپس آیا تھا تو اتفاق سے گھر میں علالت تھی، ایک رات کو ۱۲ بجے تار آیا، میں نے اس کو کھولا، دل میں شک وشبہ پیدا ہوا کہ کیا واقعہ ہے، خدا جانے کیسا تار ہے؟ خیر، میں دوڑا ہوا سر سید مرحوم کے نواسہ کے پاس گیا، انہوں نے پڑھ کر سنایا کہ یہ تار نواب علی حسن خان صاحب نے بھوپال سے بھیجا ہے، آپ کو ترکی سے بخیرت واپس آنے پر مبارک باد دیتے ہیں، یہ حال ہم مولویوں کا

ہے، اسی لیے وہ ندوہ کے نئے مدرسہ میں انگریزی زبان پڑھانے پر بضد تھے، چناں چہ دار العلوم ندوہ کے نصاب میں اس کے داخل کیے جانے کی تحریک ۱۸۹۹ء میں کی، مگر کامیابی نہ ہوئی، آخر انہی کے اصرار سے ۱۹۰۳ء میں انگریزی ایک ضروری مضمون کی حیثیت سے شریک کی گئی۔

غالباً ۱۹۰۸ء کی بات ہے کہ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ عربی کے ہر طالب علم کو انگریزی زبان پڑھنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے، مثلاً جو لوگ فقیہ بننا چاہتے ہیں ان کو انگریزی کیا کام آئے گی، فرمایا عجیب بات کہتے ہو، اگر فقہا انگریزی جانتے اور ہماری فقہ کو انگریزی میں منتقل کر سکتے تو ہدایہ وغیرہ کے انگریزوں اور غیر مسلموں کے کیے ہوئے غلط سلط ترجمے آج عدالتوں میں سند نہ قرار پاتے۔

اصل یہ ہے کہ مولانا کو یہ احساس تھا کہ اگر وہ انگریزی جانتے ہوتے تو کیا کچھ اسلام کی خدمت کر سکتے تھے، اس لیے ''من نہ کردم شما حذر بکنید'' کے اصول پر وہ چاہتے تھے کہ علما ایسے ہوں جو اس خدمت کو بجا لاسکیں۔''

(حیات شبلی،ص ۵ ۱۴۳ بتغییر)

انگریزی زبان آج کے دور میں ضروریات زمانہ میں آ گئی ہے، اس لیے ضرورت، آفاقیت اور شیوع کی بنا پر اس سے صرف نظر کرنا ایک غیر دانش مندانہ عمل ہوگا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ مسلمانوں کے مسائل کی ترجمانی کے لیے انگریزی اخبار کی اشاعت ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لیے اپنی جیسی کوشش بھی کی مگر مکمل کامیابی نہ ہو سکی۔

مضمون کی مناسبت سے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم کا ایک ملفوظ جو انگریزی زبان سے متعلق ہے اس کو بھی ذکر کرتا ہوں:

حضرت ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''بعض مسلمان اسٹوڈینٹ ایسے ہیں کہ اگر ان پر محنت کی جائے تو وہ دین کا بہترین کام کرنے والے بن سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ان کو کوئی انگریزی سکھائے، اب ہمارے جو علما یہاں سے فارغ ہو کر جارہے ہیں وہ انگریزی سے نابلد ہیں، نوجوان نسل جس پر امت کا دارومدار ہے ان کو سمجھانے کے لیے ہم کو ان کی زبان سیکھنا پڑے گا، کم سے کم ہمارے پاس کچھ بچے ایسے ضرور ہوں جو بہترین انگریزی جانتے ہوں، خصوصاً وہ لوگ جن کو باہر کے ملکوں میں کام کرنا ہے کہ جہاں کی اصل زبان انگریزی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو اخیر عمر میں خیال ہوا جب علامہ اقبالؒ سے ان کا ربط پیدا ہوا اور علامہ اقبال نے کہا کہ نیوٹن نے فلانی چیز شائع کی ہے تو علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کہا یہ نیوٹن نے اپنی طرف غلط نسبت کی ہے، یہ تو ''عراقی'' نے لکھا ہے تو علامہ اقبال کو یقین نہ آیا کہ جرمنی کا اتنا مشہور سائنس داں کہہ رہا ہے اور آپ فرمارہے ہیں کہ عراقی نے لکھا ہے تو حضرت نے ایک مسودہ نکالا اور علامہ اقبال کے سامنے رکھا اور کہا یہ پڑھ لو، یہ بات چار سو سال پہلے عراقی نے لکھ دی ہے تو علامہ اقبال کو حضرت علامہ انور شاہ سے بہت عقیدت ہوگئی، چناں چہ وہ بار بار مجلسوں میں کہتے تھے کہ فقہ کی تشکیل جدید اگر کوئی کرسکتا ہے تو وہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں، اس وقت شاہ صاحب کو یہ خیال ہوا کہ میں بھی انگریزی جانتا تو ان کے دلوں میں کسی طرح بات اتارتا۔'' (بتغییر)

چمن:

حضرت نے اپنے دور اہتمام میں ''فلاح دارین'' میں چمن (Garden) بنوایا، اس پر کچھ حضرات نے یہ طعنہ دیا کہ یہ تو مدرسہ کو اسکول بنا رہے ہیں، حضرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ صفائی ستھرائی تو اسلام میں مطلوب ہے (مفہوم) (حضرت دامت برکاتہم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے ایک سفر میں عصر کے بعد ''فلاح دارین'' کے چمن میں مجلس تھی، تعلیم اور تعلیمی ماحول پر گفتگو فرماتے رہے، فرمایا کہ ابن خلدونؒ علمی درس گاہوں میں ''چمن'' کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کو مخل خیال فرماتے تھے، بعض لوگوں نے اس کو پسند فرمایا ہے، اپنے اپنے ذوق و مذاق کی بات ہے۔'' (رشد وہدایت کے منارص ۱۱۱۔۱۱۲)

بیت الخلا کی صفائی کا اہتمام:

چوں کہ میں خود مدرسہ میں پڑھتا تھا، یہ بات جو میں کہتا ہوں یہ کوئی طنز نہیں ہے بل کہ ایک حقیقت کو بیان کرنا ہے، تا کہ اس پر جیسی توجہ ہونی چاہیے مدارس والے ویسی توجہ دے، جیسا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے دور اہتمام میں اس پر توجہ دی۔

وہ یہ ہے کہ'' جامعہ ہو یا دار العلوم یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ طلبا جو بیت الخلا استعمال کرتے ہیں، اس کی صفائی کا جیسا اہتمام ہونا چاہیے ویسا نہیں ہوتا، جب طالب علم قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے تو یا تو گندگی اوپر نظر آرہی ہوتی ہے یا پھر

یہ ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد وہ گندگی پانی ڈالنے پر بھی نیچے نہیں جاتی، چوں کہ اس کے جانے کا جو راستہ ہے وہ بھر چکا ہوتا ہے اور کبھی ساتھ میں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دروازہ ٹوٹا ہوا ہے یا یہ کہ لاک بگڑا ہوا ہے یا یہ کہ ٹب میں زرد نشان نظر آرہے ہیں، یا پانی کے لوٹے میں سوراخ ہو گیا ہوتا ہے اور پانی اس میں سے ضائع ہو رہا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، حضرت کے دور اہتمام میں ان باتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور بیت الخلا بالکل صاف شفاف ہوتے تھے۔

حضرت خود ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ جدہ سے ایک وفد بمبئی آیا تھا، بمبئی سے کہیں جاتے ہوئے انہوں نے ایک وکیل صاحب سے جو بمبئی میں رہتے ہیں کہا کہ ہم کوئی اسلامک ادارہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا فون آیا کہ ہم ان کو آپ کے یہاں فلاح دارین ترکیسر لانا چاہتے ہیں، وہ آئے، انہوں نے گھوم کر مدرسہ دیکھا، وہ سب تعلیم یافتہ لوگ تھے، کچھ انڈونیشیا کے تھے، کچھ جدہ کے تھے اور ایک شخص تھے علی نامی جو کہ الجزائر سے تعلق رکھتے تھے، بہت ہوشیار اور ذہین آدمی تھے، انہوں نے چلتے چلتے مجھ سے کہا کہ مجھے بیت الخلا جانا ہے، میں سمجھا کہ ان کو پیشاب کرنا ہوگا تو میں ان کو مہمان خانہ لے گیا اور میں نے کہا تشریف لائیے تو انہوں نے کہا کہ جو بیت الخلا طالب علم استعمال کرتے ہیں مجھے وہاں جانا ہے، اب میں حیران کہ اس کو پیشاب کی حاجت ہے یا کسی اور چیز کی؟ میں اس کو بیت الخلا بتلا رہا ہوں تو یہ کہتا ہے نہیں طالب علموں کا بیت الخلا، اس کی وجہ کیا ہے؟

خیر! میں وہاں لے گیا جہاں طلبہ کے لیے بیت الخلا بنے ہوئے تھے، چوں کہ تعطیل کے ایام چل رہے تھے لہٰذا طلبا نہیں تھے، اس لیے وہاں تالا لگا ہوا تھا،

تالا کھول دیا، چوں کہ ہمارے یہاں تو اہتمام تھا اس کا کہ روزانہ صبح وشام ان کی صفائی ہوتی تھی، کسی ٹب میں ذرا سا بھی داغ نہیں ہونا چاہیے، اس لیے میں نے بلا تکلف وہ سب بیت الخلا اس کو بتائے، جب وہ باہر نکلا تو اس نے کہا "**أنا لا أحتاج أن أرى الأماكن الأخرى**" اب مجھے دوسری کسی جگہ کو دیکھنے کی حاجت نہیں، کیوں کہ جب آپ کے یہاں مرحاض (بیت الخلا) اتنا صاف ہے تو سب صاف ہی ہوگا۔" (صدائے دل بتغییر)

حضرت والا کے فلاح دارین کے اہتمام سے متعلق چند اکابر کے تاثرات:

(۱) حضرت مولانا محمد پانڈور صاحب سملکیؒ "دار العلوم فلاح دارین" تشریف لائے اور وہاں کا نظم ونسق، کتب خانہ وغیرہ دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا اور چند ماہ بعد احمد آباد کے بعض سر برآوردہ لوگوں کو لے کر تشریف لائے اور ان کو ترغیب دیتے رہے کہ احمد آباد میں اس طرح کی درس گاہ قائم کریں۔

(رشد وہدایت کے منار: ص ۵۲، بتغییر)

(۲) حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا تھا کہ یونی ورسٹی میں پڑھنے والوں کے لیے چار سالہ کورس بنا کر پڑھانے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے "فلاح دارین، ترکیسر" کو میں مناسب جگہ سمجھتا ہوں، ناچیز نے جواباً عرض کیا کہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق ان کالج و یونی ورسٹی کے طلبا کا نظم کرنے کے لیے ہم تیار ہیں، آپ اس کے نصاب کے خاکہ سے رہ نمائی فرمائیں، اتفاقاً انہی دنوں میں مولانا حادثہ کا شکار ہوئے اور صاحب فراش ہو گئے اور ایسا کوئی نصاب نہ بن سکا۔ (رشد وہدایت کے منار، بتغییر)

(۴) حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادیؒ نے ''دار العلوم فلاح دارین'' کا نظم دیکھ کر بہت مسرت کا اظہار فرمایا تھا اور معائنہ بک میں بہترین تاثرات تحریر فرمائے تھے۔ (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۰۲ بتغییر)

یہ صفت احسان نہیں ہے:

چوں کہ دار العلوم ہو یا جامعہ اور کوئی مدرسہ اس کا اور چندے کا آپس میں ایک خاص جوڑ ہے اور اس میں بھی بعض مرتبہ بے احتیاطی دونوں طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

حضرت والا فرماتے ہیں کہ:

> ''آج لوگ ہم مدرسہ والوں کو دیتے ہیں اور پھر بہت زور لگاتے ہیں کہ ہم ان کی بے جا باتوں کو مانیں، کسی بچے کو داخلہ کے لیے بے وقت لاتے ہیں اور داخلہ نہ ہونے کی صورت میں دھمکی دیتے ہیں، اچھا آپ ہمارے یہاں چندہ کرنے آتے ہیں، آیندہ آنا ہم دیکھ لیں گے، پھر فرمایا کہ ایک شخص مجھ سے ہی لڑ پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کے آدمی آتے ہیں، ہمارے پاس سے چندہ لیتے ہیں، اب کیسے آتے ہیں ہم دیکھ لیں گے، میں نے کہا الحمد للہ! ہمارے مدرسہ کا تو آج تک چندہ ہوا ہی نہیں، آپ یہ کیا بات کر رہے ہیں؟ کہا نہیں، نہیں، آپ کا سفیر آیا تھا، میں نے کہا آج تک ہم نے کوئی سفیر نہیں رکھا وہ تو کچھ اللہ کے بندوں نے اپنے ذمہ خرچہ لے رکھا ہے اور ایک پیسہ کا چندہ نہیں ہوتا، ہاں! البتہ کوئی آدمی مدرسہ میں آتا ہے اور وہ اپنے طور پر یہ کہتا ہے کہ مولانا! ہم چاہتے ہیں کہ طلبا کے لیے کچھ دعوت کر دیں یا اور کچھ تو ہم کہتے ہیں بہت اچھا آپ دے جائیں، ورنہ کبھی چندہ کے لیے ہمارے سفیر نہیں گئے، لیکن پھر بھی

وہ مجھ پر دھونس جمارہا تھا، میں نے کہا اللہ کے بندے! اگر مان لو کہ تم نے ہمارے مدرسہ میں چندہ دیا تھا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ضابطہ کو تمہارے چندہ کی وجہ سے توڑ دیں تو لوگوں کا ذہن ہمیں بتارہا ہے کہ پیسے دے کر ہم کو غلام بنانا چاہتے ہیں، یہ صفت احسان نہیں ہے۔"

(صدائے دل: ج ۲/ص ۱۰۸، بتغییر)

اسی طرح بعض مرتبہ مدارس والے چندہ دہندگان کے دباؤ میں آکر اپنے اصول اور ضوابط کے خلاف کام کر جاتے ہیں، اس واقعہ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

تصنیف وتالیف:

رہتا قلم سے نام زمانے تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جہاں وعظ وتقریر کے ذریعہ دین متین کی خدمت کی وہیں پر آپ نے تحریر کے ذریعہ بھی دین کی خدمت کو انجام دیا ہے، آپ نے چند کتابیں اور اپنا سفر نامہ تحریر فرمایا ہے اور دونوں ہی چیزیں یعنی آپ کی تصنیفات اور سفر نامہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

مشہور ہے کہ تحریر کی عمر ہزاروں سال ہوا کرتی ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ تحریر کا فیض تقریر کے فیض سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، ان شاء اللہ یہ حضرت والا کے لیے صدقۂ جاریہ ہے اور حضرت کی تالیفات میں بطور خاص ''دیوان امام شافعیؒ'' بڑی

بہترین تالیف ہے، یہ ایک پوشیدہ خزانہ تھا اسے حضرت منظر عام پر لے آئے ہیں، جس سے اب آسانی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

''صدائے دل'' سے متعلق چند باتیں:

''صدائے دل'' حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے وعظ و نصیحت کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔

وعظ ایسی باتوں سے نصیحت کرنے کو کہتے ہیں جو دل کو نرم کردیں، اسی طرح اس تنبیہ کو کہتے ہیں جس میں ڈرانا بھی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وعظ و نصیحت فرمائی اور اعمال کے انجام سے متنبہ فرمایا، وعظ و نصیحت ایک مفید و مؤثر چیز ہے کہ انسان خوابِ غفلت سے بیدار رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: خوش بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مسند رشد و ہدایت کو سنبھالا؛ چناں چہ خلفائے اربعہ اور دوسرے صحابہ سے کثرت سے مواعظ منقول ہیں، اس کے مؤثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات انسان خود قرآن وحدیث سے سرسری طور پر گزر جاتا ہے، سن لیتا ہے اور اس کا ذہن اسے عملی طور پر اپنانے کی طرف نہیں جاتا، یا جس نکتہ پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے اس کی طرف اس کی رسائی نہیں ہوتی، لیکن جب کسی سے یہ باتیں سنتا ہے اور ان نکات کی طرف رسائی ہوتی ہے تو عمل آسان ہوجاتا ہے۔

علما نے صحابہ اور بعد میں آنے والوں کے مواعظ نسل در نسل محفوظ رکھے اور افادۂ عام کے لیے انہیں کتابی شکل میں محفوظ بھی کیا۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''ذہن وفکر کی تعمیر، اخلاق کی درستی، کردار کی پاکیزگی، اصلاح حال اور سماج کے سدھار میں جہاں اور عوامل کارفرما ہیں، ان میں سے ایک اہم عمل ''تقریر و خطابت اور تذکیر وموعظت'' کا ہے، دل کی دنیا کو بدلنے، دماغ کو نور معرفت سے بھرنے اور ''شر'' سے ''خیر'' کی طرف لانے میں اس نے جو رول (کردار) ادا کیا ہے اس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔''

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ کی کتاب ''صدائے دل'' اب تک تین جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے، اس کو علمی و دینی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور خوب پسند کیا گیا ہے، (اللہ کرے کہ بقیہ جلدیں بھی جلدی سے چھپ کر منظر عام پر آ جائیں)۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم حضرت دامت برکاتہم کے خطبات کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''دنیا کے مختلف ممالک میں اپنے مواعظ اور علمی و اصلاحی مجالس سے طلبہ و علمائے کرام اور علمی و دینی حلقوں کو اپنے درد بھرے دل اور میٹھی زبان سے فیض یاب کر رہے ہیں۔
>
> 'صدائے دل' آپ کے درد بھرے دل کی آواز ہے، آپ نے انڈیا، یورپ، امریکہ، کینیڈا اور افریقہ و ایشیا میں مسلم معاشرے کے جن رستے ہوئے زخموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، نوجوانوں میں، علمی حلقوں میں، عوام میں، گھروں

میں اور بازاروں میں مسلمانوں کو جس بے راہ روی کا شکار دیکھا ان کا حکیمانہ علاج اپنی تقریروں میں اور مجلسوں میں تجویز کیا' اسی کا نام 'صدائے دل' ہے۔"

(بتغیر)

"صدائے دل" سے متعلق فقیہ النفس شارح حجۃ اللہ البالغۃ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ:

"مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید

مشک کی پہچان یہ ہے کہ خود مہکے عطار کی مدح سرائی کی اس کو حاجت نہیں، 'حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلارام را' دل پسند محبوب کو ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہیں اور 'ہر چہ از دل خیزد، بر دل ریزد' کا مصداق ہے ؎

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے"

پھر حضرت آگے لکھتے ہیں کہ:

"میں نے 'صدائے دل' کے بعض مضامین پڑھے تو دل باغ باغ ہو گیا، کبھی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور جہاں مولانا دامت برکاتہم نے قوم کی بے حسی کی منظر کشی کی تو وہاں مقرر 'منذر جیش' معلوم ہوتا ہے، اس کے الفاظ جذبات کی پیکر تصویر بن جاتے ہیں اور جگہ جگہ علمی نکات، بزرگوں کے ارشادات اور یورپ کی نقاہت بیان کی ہے جس سے لذتِ سخن دوبالا ہو گئی ہے۔" (بتغیر)

"بہر حال، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ بیان کی خوبیوں سے خوب نوازا ہے، آپ کے سحر آفریں، دل آویز اور حلم و وقار سے لبریز خطابات کو عوام و خواص بہت شوق سے سنتے ہیں، تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی آپ اپنی افہام و تفہیم اور حکیمانہ

اسلوب بیان کی وجہ سے خاص ممتاز ومقبول ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم کے بیان ومواعظ میں بظاہر نہ جوش وخروش ہوتا ہے اور نہ پُرتکلف لسانی، نہ لہجہ و ترنم، نہ خطیبانہ ادائیں مگر اس کے باوجود خطابات اس قدر مؤثر اور مسحور کن ہوتے ہیں کہ ان سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔''

(صدائے دل بتغییر)

حضرت مولانا دامت برکاتہم کے بیان کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ بیان میں سامعین کو طعن وتشنیع نہیں کرتے بل کہ نرمی اور محبت سے سمجھاتے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جو بیان طعن وتشنیع سے بھرا ہوتا ہے وہ دل پر اثر انداز نہیں ہوتا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ اقبال کی شاعری جتنی مؤثر ہوئی اور اس سے جتنا فائدہ پہنچا، اکبر مرحوم کی شاعری اس درجہ مؤثر نہیں ہوئی، میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اکبر مرحوم نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ''طنز وتعریض'' کا طریقہ اختیار کیا اور طنز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ہم خیال لوگ لطف تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی مؤثر اصلاحی کام نہیں ہوتا۔

(معارفِ مفتئ اعظم: ص ۲۵۲)

صدائے دل کی چند خوبیاں:

(۱) جو بیان جہاں کہیں ہوا ہے وہاں کے مناسب حال باتیں کہی گئی ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت بیان اور تقریر سے پہلے وہاں کے حالات کو اخبار اور لوگوں کے رہن سہن سے خوب محسوس فرما لیتے ہیں اور پھر اسی کے مناسب حال باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، مثال کے طور پر آپ ''لیسٹر یو کے'' کے اپنے ایک بیان میں

فرماتے ہیں کہ:

> ''ہمارا جو یہاں نصاب تعلیم ہے اس پر غور کریں، عامۃً گیارہ بارہ سال کی عمر میں بچے کو بالکل فارغ کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، اکثر سمجھنے کی عمر بارہ سال سے لے کر سولہ سترہ سال کی ہوتی ہے، یہ جو مدت ہے اس میں ان کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے میں آپ علمائے کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک کمیٹی بنائیں اور غور وفکر کریں کہ نصاب میں یکسانیت کیسے ہو، یہاں تو یہ حال ہے کہ اگر لیسٹر کے اندر چھ مسجدوں میں مکتب چل رہے ہیں تو ہر ایک کا نصاب الگ الگ ہے، ایک مسجد کا بچہ دوسری مسجد میں جائے گا تو وہ کیا پڑھ سکے گا، اس کو ایڈ جسٹ کرنا مشکل ہوتا ہے، یہ کیسی بد نظمی کی بات ہے، ہم متفقہ طور پر اپنا ایک نصاب بنائیں اور نصاب کو پھیلا کر سولہ سترہ سال تک کر دیں کہ ہمارے بچے سولہ سترہ سال تک کم از کم ایک ایک پیریڈ بھی عالم کے پاس آ کر بیٹھیں، یہ جو بارہ سال سے لے کر سولہ سال تک کا وقت گزرتا ہے اس میں وہ دین سے بالکل ہٹ جاتا ہے، لہٰذا حکمت عملی اس میں ہے کہ نصاب ایک ہو اور اس کو دراز کیا جائے۔'' (صدائے دل)

حضرت دامت برکاتہم کی یہ بات بالکل صحیح ہے، بندہ بھی تقریباً پچھلے پندرہ سال سے لندن میں بچوں کو ناظرہ پڑھاتا ہے، بعض ایسے بچوں کو بھی پڑھانے کا اتفاق ہوا جنہوں نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں مکتب کو چھوڑ دیا تھا پھر ان کے والدین کو تنبہ ہوا اور انہوں نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں واپس پڑھنے کے لیے بٹھایا، جب ان کو میں نے التحیات اور درود شریف پڑھایا تو وہ بھی صحیح طرح یاد نہیں تھا، اسی طرح بعض بچے جنہوں نے تیرہ چودہ سال کی عمر میں مکتب چھوڑ دیا تو چوں کہ ان کے اسکول کے بعد کا وقت پہلے مکتب میں گزرتا تھا اب وہ وقت فارغ رہنے لگا تو وہ غلط

صحبت میں چلے گئے اور کلب، ڈرگ، نشہ وغیرہ کرنے لگ گئے، کاش کہ مساجد و مدارس کی انتظامیہ حضرت کے اس مفید مشورہ پر صرف غور نہیں بل کہ حکمت عملی تیار کر کے عمل شروع کریں۔

یہی مسئلہ لڑکیوں کا بھی ہے کہ ان کو بارہ تیرہ سال کے بعد مدرسہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی پھر نہ قرآن کریم پڑھتی ہیں اور نہ ان کو مکتب میں یاد کی ہوئی دعائیں اور سورتیں صحیح یاد ہوتی ہیں، کاش! کہ مساجد و مدارس کی انتظامیہ اپنی آپس کی رسہ کشی چھوڑ دیں، یہ جو کرنے کے کام ہیں ان کی طرف دھیان دیں۔

دوسری مثال برطانیہ میں علما کی مجلس میں کی گئی ایک تقریر میں فرمایا کہ:

''میں 'جنگ' اخبار دیکھ رہا تھا تو اس میں کسی صاحب کا مضمون تھا کہ یہاں علما کے اختلاف کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا ہے، یہ چاند کے مسئلہ کا اختلاف ایسا ہے کہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس کی اقتدا کریں، ایک مولوی یہ کہہ رہا ہے دوسرا مولوی یہ کہہ رہا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور دوسرے علما بھی بیٹھے ہوئے تھے تو قاضی صاحب نے کہا کہ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے اس سلسلہ میں خیالات الگ الگ ہیں ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور ہندوستان و پاکستان سے علم ہیئت کے ماہرین کو بلایا جائے اور تمام لوگ اپنی اپنی آرا ان حضرات کے سامنے رکھیں اور مختلف نشستوں میں بحث و تمحیص کی جائے اور پھر ان ماہرین سے دلائل طلب کر کے ایک فیصلہ کر لیا جائے جو پورے یو، کے میں لاگو ہو، اگر اس طرح سے کام کریں گے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے، لیکن آدمی تھوڑی سی اپنی انا کو چھوڑ دے، اس کے لیے ضرورت ہے تزکیہ کی، علم کے ساتھ تزکیہ

کی ضرورت ہے، وہ اس لیے ہے کہ آدمی کی انا علمی مسئلوں میں نہ رہے اور یہ سوچے کہ امت کا فائدہ کس چیز میں ہے اور جب ساری امت کے علما اس پر جمع ہو گئے اور سب نے مل کر یہ فیصلہ کر لیا تو اب مجھے اپنی رائے چھوڑ دینی چاہیے۔

اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (دامت برکاتہم) نے تو بڑی اصولی بات بیان فرمائی ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں، منصوص اور مجتہد فیہ، منصوص مسائل میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی، اس میں تو آپ تصلب اختیار کریں، آپ اپنے موقف پر مضبوط جمے رہیں، لیکن جو مجتہد فیہ مسائل ہیں ان میں زبردستی نہیں ہوتی، ان میں آپ اصرار نہ کریں، اس میں یہ دیکھیں کہ امت کے عمومی مسائل کا حل کس چیز میں ہے، میرے بھائیو! یہ بات یہاں کے مقامی علما کو سمجھ میں آجائے تو ان شاء اللہ بہت سے فتنوں سے دور ہو جائیں گے۔

میں نے محسوس کیا کہ ہم چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں، کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہوتی لیکن ہم ایک دوسرے سے دور کھڑے ہیں اور علما اور امت کا ایک دوسرے سے دور ہونا اور ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنا امت کے لیے بالکل سم قاتل ہے، یہ زہر امت کو تباہ و برباد کر رہا ہے، چوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان علمائے دین ہی کو مقتدیٰ بنایا ہے، یہی وہ حضرات ہیں جن کے ذریعہ امت کو روشنی مل سکتی ہے۔''

حضرت کے اس ملفوظ کے بعد کچھ اور تشریح کی ضرورت نہیں، صرف یہ کہوں گا کہ کاش! اس مشورہ پر عمل کی نیت سے کوشش شروع کی جائے۔

(۲) جگہ جگہ مسلمانوں کی بے حسی اور غفلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۳) صرف مرض کی نشان دہی ہی نہیں کی گئی ہے بل کہ اس کا علاج بھی بتایا گیا ہے۔

(۴)زبان بالکل سادہ ہے، جس میں سامعین کا خیال رکھا گیا ہے کہ جو بات کہی جائے وہ سامعین کو سمجھ میں آجائے اور اس کی وجہ شاید وہ ایک واقعہ ہے جو حضرت نے اپنے ایک بیان میں خود فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

''میں جب ڈابھیل مدرسہ میں پڑھتا تھا تو مجھے مولانا آزاد کی کتابیں دیکھنے کا بڑا شوق تھا اور مولانا آزاد کی کتابیں میں بار بار پڑھتا تھا؛ چناں چہ اس زمانہ میں مولانا آزاد کے جملے میرے دماغ میں نقش ہو گئے تھے اور میں جب کبھی دیہاتوں میں مولانا عبدالجبار صاحب کے ساتھ جاتا تھا تو تقریر میں وہی الفاظ نکلتے تھے، میرے ایک رشتہ دار ریٹائرڈ مجسٹریٹ تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ بھائی! تم جب گاؤں میں تقریر کرو تو ابوالکلام کی زبان مت بولا کرو، اس لیے کہ دیہات کے لوگ مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان نہیں سمجھتے، لہٰذا جب گاؤں میں آکر تم تقریر کرو تو سیدھی سادی اردو بولا کرو اس لیے کہ یہ لوگ ابوالکلام کی زبان نہیں سمجھ سکتے تو مجھے تنبہ ہوا، میں نے کہا کہ واقعی یہ میری غلطی ہے کہ میں ایسی زبان استعمال کرتا ہوں۔''

(صدائے دل: ج۱/ص ۲۱۹، ۲۱۸ بتغییر)

(۵)صرف کتابی باتیں بیان نہیں کی گئی ہیں بل کہ کتاب زندگی کے تجربات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

(۶) علما وطلبا کے مجمع میں جو وعظ ہوا ہے اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ اور نشان دہی کی گئی ہے کہ کونسی کتابیں پڑھنی چاہیے، کس مصنف کو پڑھنا چاہیے، اسی طرح مصنف کی خوبی اور بعض اچھی کتابوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں۔

(۷) جگہ جگہ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے بزرگوں کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۸) یہ سبق دیا ہے کہ ایک مسلمان کو چاہے حالات کیسے بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، مناسب حال اسباب کو اختیار کرتے ہوئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے پرامید رہنا چاہیے۔

(۹) بزرگوں کے دامن سے ہمیشہ وابستگی رکھنی چاہیے۔

(۱۰) زمانے کے حالات اور اس پر مطلع ہونے کے جو اسباب ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے، اس بات کو بھی مختلف انداز سے موقع بموقع بیان کیا گیا ہے۔

آج کے دور میں کام کیسے کیا جائے، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس دور میں کام کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اسٹیج پر بیٹھیں اور وہاں زور زور سے تقریر کریں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم خاموشی سے کام کریں، اس دور میں ہنگامہ آرائی سے ناکامی ہوتی ہے، ہمارا اپنا تجربہ اور بزرگوں سے سن سن کر یہ معلوم ہوا کہ ہنگامہ آرائی کا طریقہ بالکل غلط ہے اور ہر جگہ کا یہی حال ہے۔

(۱۱) احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہیے، احساس برتری ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

(۱۲) بیان کا انداز بالکل ناصحانہ ہے، طعن وتشنیع ہے اور نہ غصہ بل کہ واقعی ''صدائے دل'' ہے اور اپناپن ہے جو دلوں کو جھنجوڑتا ہے اور باتیں خود بخود سامعین کے دلوں میں اثر اور گھر کرتی چلی جاتی ہیں۔

اور بیانات کا یہ مجموعہ صرف ''صدائے دل''ہی نہیں بل کہ ''دوائے دل'' بھی ہے اور بقول حضرت دامت برکاتہم کے وعظ ایک دوا ہے، حضرت ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''میں تو حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کا ایک جملہ دہراتا ہوں، حضرت مولانا نے فرمایا تھا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وعظ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں اچھے اشعار پڑھے جائیں، مولانا فرماتے تھے کہ وعظ تو وہ ہوتا ہے جو کڑوا ہو یہ تو دوا ہے، تو یقیناً حضرت دامت برکاتہم کے بیانات کا یہ مجموعہ واقعی ''امت کے مرض کی دوا'' ہے۔'' (بتغییر)

اور ایک جگہ فرمایا کہ:

''وعظ وہ نہیں ہوتا ہے جو قوم کے مزاج کو دیکھے کہ یہاں فلانے قصے بیان کریں گے، اشعار پڑھیں گے تو لوگ بہت خوش ہوں گے کہ ماشاء اللہ مولانا نے بڑی زبردست تقریر کی، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قوموں کے جو امراض ہیں ان پر انگلی رکھو کہ ہم غلط راستہ پر جارہے ہیں، اسلام کی طرف ہمیں واپس آنا ہے، صحابۂ کرامؓ کی سیرت کی طرف واپس آنا ہے۔''

حضرت دامت برکاتہم کا جو ملفوظ ابھی ذکر کیا آپ کے بیانات کا یہ مجموعہ ''صدائے دل'' اسی کی ترجمانی کررہا ہے، کاش کہ امت مسلمہ اس کو عمل کی نیت سے پڑھے۔

ثمرہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت دامت برکاتہم کو جن ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا ہے وہ اپنے بزرگوں سے گہرے تعلق کا ثمرہ ہے۔

سنجیدہ مصروفیت:

آپ کا دماغ ہر وقت سنجیدہ مصروفیت میں رہتا ہے۔

توازن واعتدال:

آپ کا ایک خاص وصف علم وعمل کی جامعیت اورتوازن واعتدال ہے۔

دینی غیرت وحمیت:

آپ کی ایک خاص صفت دینی غیرت وحمیت ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے دین کونقصان پہنچتا دیکھ کرتڑپ جاتے اور کچھ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں، اس کی کئی مثالیں ہیں، ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

ابھی جو حکومت زیر اقتدار ہے، اس کی زیر نگرانی ہی کہا جائے گا، ایک تحریک شروع کی گئی تھی جس کو ''گھر واپسی'' کا نام دیا گیا تھا، اسی طرح کچھ ایسی باتیں سرکاری اسکول میں شروع کرنے کا وہ سوچ رہے تھے جو اسلام مخالف اور مشرکانہ عمل تھا اور جو مسلمانوں کے عقیدوں کے بالکل خلاف تھا تو حضرت نے اس کے لیے خود بھی چند جگہوں پر بیانات فرمائے اور مسلمانوں کو بروقت اس سے آگاہ کیا اور علمائے کرام سے بھی گزارش کی کہ وہ اپنے اپنے طور پر اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور اس کے لیے علمائے کرام کی خصوصی مجلس کا بھی انعقاد کیا اور اس سے کیسے نمٹا جائے اس پر سوچ بچار کیا گیا۔

آپ کے چند اوصافِ حمیدہ کا اجمالی ذکر:

حضرت دامت برکاتہم حکمت دین سے واقف، صاحب فہم وبصیرت اور مدبر عالم، قوم کے دردمند مصلح اور ملت کے ہمدرد، زمانہ کے نبض شناس اور وقت کے تقاضوں اور حالات سے باخبر رہنے والے عالم دین ہیں۔

محفوظات:

حضرت دامت برکاتہم کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ کو بہت سی عربی اور اردو کتابوں کی اہم اہم عبارتیں اور اہم اہم قطعات اور اشعار زبانی یاد ہوتے ہیں اور ضرورت کے موقع پر آپ ان کو بغیر جھجک کے بلاتکلف پڑھتے اور سناتے جاتے ہیں، اس کی وجہ شاید مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے بتائے ہوئے طریق پر آپ کا مطالعہ کرنا ہے، خود حضرت ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی کتاب پڑھیں اور اس میں اچھے اچھے مضامین ہوں تو اس کو اتنی مرتبہ پڑھو کہ اس کی عبارتیں آپ کے ذہن میں نقش ہو جائیں، کوئی مضمون اچھا ہے ایک مرتبہ پڑھو، پھر دوسری مرتبہ پڑھو، پھر تیسری مرتبہ پڑھو تا کہ وہ دماغ میں بیٹھ جائے یہ ضروری ہے اور انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے احمد امین کی کتاب فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام اور ظہر الاسلام کو اتنا پڑھا ہے کہ ان کے صفحے کے صفحے میرے ذہن میں محفوظ ہو گئے اور ایک مجلس میں فرمایا کہ میں نے ان کتابوں کو پڑھا نہیں بل کہ چاٹا ہے۔ (کاش کہ حضرت کی اس بات اور مشورہ کو ہر طالب علم اپنے لوح دل پر نقش کر لے)

اور ایک جگہ حضرت فرماتے ہیں کہ ہمارے بچوں کی ایک کمزوری یہ ہے کہ

وہ ''محفوظات'' کی طرف دھیان نہیں دیتے، عربی کے نثر اور نظم کے جتنے اچھے قطعات ہیں انہیں عربی اول سے ہی یاد کرنا چاہیے، عمدہ قسم کے اشعار اور عمدہ قسم کے قطعات ہمارے ذخیرۂ حفظ میں ہونے چاہیے، عرب ممالک میں تو ''محفوظات'' کی کتابوں کا بہت رواج ہے اور اس سلسلہ میں کافی کتابیں چھپ چکی ہیں۔''

علمی لگن:

حضرت دامت برکاتہم کی عادت شریفہ میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ آپ کو ہمیشہ کچھ نیا سیکھنے کی دھن رہتی ہے، اس سلسلہ میں دو واقعات ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حضرت دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ:

''اپنے سفر'قطر' کے دوران جمعہ کی نماز کے لیے ایک مسجد جانا ہوا، اس موقع پر امام صاحب نے لمبا خطبہ پیش فرمایا اور اخیر میں فرمایا **"وللحديث بقية، وإن شاء الله سأقدم في الجمعة القادمة بشرط البقاء واللقاء"**، ان کا یہ خوبصورت جملہ مجھے بہت اچھا لگا اور فوراً میں نے اسے اپنے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ کرلیا۔''

(۲) اور لکھتے ہیں کہ:

''بمبئی میں مصریوں کا **"المركز الثقافي المصري"** تھا، ترکیسر کے قیام کے زمانے میں ایک دن بمبئی جانا ہوا تو میں نے اپنے پاس کافی وقت دیکھ کر ''**المركز الثقافي**" کا رخ کیا، وہاں پہنچ کر **"غرفة الاستقبال"** میں داخل ہوا، جہاں مصری خاتون تشریف رکھتی تھیں، میں نے ان سے کہا **"السلام عليكم، أنا من طلبة العلم، جئت هنا لأستفيد من مكتبتكم"** انہوں نے فوراً کہا **"أهلا و سهلا"** اور ایک نوکر کو آواز دی اور کہا ''محمد! **تعال**" یہ سن کر وہ

جلدی سے آیا، انہوں نے چابی نکالی، محمد کو دی اور کہا **"خذ المفتاح وفرج باب المکتبۃ"** یہ سن کر میں سوچنے لگا او ہو! ہم نے تو پہلے کبھی یہ تعبیر نہیں سنی تھی ہم تو **"فرج"** کی جگہ **"افتح"** ہی بولتے چلے آرہے ہیں۔"

ذوقِ مطالعہ:

علم میں پختگی اور علمی استحضار کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے، علمی اعتبار سے جتنی بھی بڑی شخصیات گزری ہیں انہوں نے مطالعہ پر مواظبت فرمائی ہے، حضرت دامت برکاتہم خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"چند کتابیں پڑھ کر یا پانچ سال یا آٹھ سال پڑھ کر اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، علم ایک بہت وسیع دریا ہے جو آٹھ سال میں طے نہیں ہوا کرتا، یہ درس نظامی جو مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے جو کتابیں لکھی ہیں ہم انہیں سمجھنے اور حل کرنے کے قابل ہوجائیں، علم کا دروازہ تو اس کے بعد کھلنا شروع ہوتا ہے، وہ بھی اس وقت جب کہ مطالعہ پر مواظبت رہے، اسی لیے سند کے اندر ہمارے اکابر یہ عبارت لکھتے ہیں **"إن استمر علی المطالعة"** اگر یہ طالب علم مطالعہ کے اوپر مداومت کرے گا تو اس سے ہم یہ امید کرتے ہیں کہ یہ دین کا اچھا کام کرے گا تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر عالم کے لیے اہتمام کے ساتھ مطالعہ بہت ضروری ہے تبھی علم تازہ و مستحضر رہتا ہے اور علم میں وسعت اور عمق و گہرائی پیدا ہوتی ہے۔"

حضرت دامت برکاتہم کا روزانہ مطالعہ کا معمول ہے، خود فرمایا کہ:

"میں روزانہ کتابیں پڑھتا رہتا ہوں، بیٹھے بیٹھے کبھی چالیس صفحے پڑھ لیے کبھی پچاس صفحے پڑھ لیے اور فرمایا کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہم طالب علم ہیں، اگر آدمی اپنے آپ کو مرتے دم تک طالب علم نہ سمجھے تو وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔"

پاکیزہ ذوق:

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو دنیا کی سیاحت کا موقع بھی خوب دیا ہے، آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا ہے اور پھر وہ سفر بھی برائے سفر نہیں بل کہ اس میں بھی دین کی خدمت کا پہلو غالب رہا ہے، ان اسفار میں حضرت والا کی ایک عادت یہ رہی ہے کہ آپ جس ملک میں بھی تشریف لے گئے ہیں وہاں کی لائبریری میں آپ ضرور وقت نکال کر تشریف لے جاتے ہیں، اس سے قارئین کا بہت زبردست فائدہ ہو گیا ہے کہ حضرت نے جن لائبریریوں کو دیکھا ہے ان کا ذکر اپنے بیان اور سفر نامہ میں کیا ہے، جس سے اب وہاں کے رہنے والے علما اور علم کے قدردان اور اسی طرح دوسرے ملکوں سے وہاں پہنچنے والے مسافروں کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو گیا ہے، اسی طرح آپ نے لائبریری میں مسلمانوں کو کیا کام کرنا چاہیے اس کے بارے میں سمجھایا بھی ہے، کاش کہ اس طرف بھی ویسی ہی توجہ دی جائے جیسی توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسی طرح آپ نے ایسی لائبریریوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں اسلامیات کے نام پر نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے (قادیانیوں) کی کتابیں رکھی گئی ہیں، اب یہاں افسوس اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ ایک مسافر شخص دلا رہا ہے تو مقامی علما کیا کر رہے ہیں؟ یہ کچھ کرنے کے کام ہیں جن کی طرف سے مکمل بے اعتنائی اور بے توجہی برتی جا رہی ہے، علما کا ایک بڑا طبقہ یا تو بالکل سست بیٹھا ہے یا پھر جزئی مسائل کے اختلاف میں ہی الجھا ہوا ہے، حضرت والا نے تو نشان دہی کر دی ہے اب کام کو پورا کرنا اور اس پر دھیان دینا مقامی علما کا کام ہے کہ وہ

اپنے یہاں کی لائبریریوں میں جا کر اسلامیات کا شعبہ اور اس میں رکھی ہوئی کتابوں کا معائنہ کریں اور کرتے رہیں اور اچھی اور مفید کتابیں وہاں رکھیں اور رکھوائیں تو حضرت والا کا اپنے ہر سفر میں یہ ایک پاکیزہ ذوق رہا ہے کہ وہاں کی لائبریری کا معائنہ اور اس میں رکھیں کتابوں کا مطالعہ اگر وقت اجازت دے یا پھر کم از کم اس کی فہرست کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

علمی استفادہ:

بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم حاصل کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے، جو علم کے حصول میں شرم سے کام لیتا ہے وہ بہت سے علوم سے محروم رہ جاتا ہے، آدمی بہت سی مرتبہ سامنے والے کو سوال کرنے سے شرم محسوس کرتا ہے حالاں کہ یہ کہا گیا ہے کہ **"حسن السؤال نصف العلم"** اچھا سوال نصف علم ہے اور اس میں بھی پھر کسی استاذ کا اپنے کسی شاگرد کو اس کے عالم بن جانے کے بعد اس سے اس انداز میں سوال کرنا کہ مجھے فلاں بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے میری رہ نمائی فرمائی جائے بڑی بات ہے، اس کے لیے بڑا حوصلہ اور جگر چاہیے، ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت دامت برکاتہم کو وہ حوصلہ دیا ہے کہ آپ کسی بات کو اپنے شاگرد سے بھی پوچھنے میں عار محسوس نہیں کرتے، اس کی میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلمویؒ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم نے ایک دن کسی کتاب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی جو ہے وہ سیاہ ہے تو

یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ یہ اصل میں یوں نہیں ہے بل کہ جتنے رنگ ہیں کلرز ہیں ان تمام رنگوں کے ختم ہونے پر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اس کو رنگ سے تعبیر نہیں کر سکتے تو وہاں بعض لوگ لکھ دیتے ہیں سیاہ، حالاں کہ وہ حقیقتاً سیاہ بھی نہیں ہے پھر میں نے حضرت سے ایک واقعہ ذکر کیا اور آپ کو بھی اس واقعہ کو سنا کر میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی، وہ یہ کہ شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتیؒ اور سید احمد بریلویؒ یہ دو بزرگ شخصیتیں گزری ہیں، مشائخین نے دیکھا کہ شاہ عبد الرحیمؒ کی جو نسبت ہے اس کے انوار بہت دیکھے، مگر سید احمد بریلویؒ کی نسبت میں انوار نہیں دیکھے۔

تو لوگ کہنے لگے کہ شاہ عبد الرحیمؒ کی نسبت سید احمد بریلویؒ کی نسبت سے بڑی ہے، حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ مشائخ کے فیصلے میں غلطی ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ جہاں انوار ہے وہ ظہور کا درجہ ہے اور سید صاحب مراتب ظہور کو ختم کر کے آگے پہنچے ہوئے تھے کہ جہاں پر کوئی رنگ ہی نظر نہیں آرہا ہے۔

اچھا! جب یہ انوار اور کلرز ہوتے ہیں اس لیے انوار کی بھی قسمیں لکھی ہیں تو یہ جہاں ختم ہوتے ہیں وہاں اس کی تعبیر و تفہیم کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی لون نہیں ہے کوئی رنگ اور کلر نہیں ہے تو بس ایسا جیسا تاریک معلوم ہوتا ہے تو اس کو سیاہ سے موسوم کر دیتے ہیں حالاں کہ وہ حقیقتاً سیاہ نہیں ہے تو میں نے کہا کہ یہی وہ گہری حقیقت ہے کہ بیت اللہ کے لیے غلاف کا جو رنگ تجویز کیا گیا وہ سیاہ کیا گیا ہے کہ سیاہ رنگ پر کوئی رنگ نہیں آتا اور یہ تمکین اور استقامت کی طرف اشارہ ہے، تمکین یعنی ایسی کیفیت جو اور رنگ کو اپنے اندر نہ لے سکے، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم نے جب یہ جواب سنا تو بہت خوش ہوئے۔"

ہر بات کی تحقیق کا مزاج:

شریعتِ اسلامیہ کی یہ تعلیم ہے کہ کوئی آ کر ہمیں یہ کہے کہ فلاں آدمی یا فلاں جماعت تمہارے بارے میں یہ بات یا باتیں کر رہی ہے تو اس کی بات کو سن کر فوراً اس کی بات پر ایمان نہ لے آؤ بل کہ اس کی بات کی تحقیق کرو کہ آیا یہ بات سچ ہے یا جھوٹ؟ اور سچ ہے تو کتنا سچ ہے اور جھوٹ ہے تو کتنا جھوٹ؟ ہم میں سے بہت سے لوگ سنی سنائی بات پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر یہی چیز بہت سے مفاسد کا سبب بنتی ہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ تحقیق تفریق سے بچائے گی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف اور خوبی عطا فرمائی ہے کہ آپ سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرتے بل کہ آپ کا مزاج ہر بات کی تحقیق کرنے کا رہا ہے۔

خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''ترکیسر میں ایک مرتبہ نئی نگری مسجد کا افتتاح تھا، ایک صاحب نے کہا کہ آپ تشریف لائیں ہم آپ سے افتتاح کروائیں گے، میں نے کہا دیکھو! بڑے بڑے علما ہیں میں تو کچھ بھی نہیں ہوں ان سے افتتاح کراؤ، وہ کہنے لگے نہیں! آپ کو آنا ہوگا وہ لوگ بھی آئیں گے، میں نے کہا کون آئے گا؟ اس نے کہا مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، مفتی احمد بیمات صاحب، مولانا شیر علی صاحب وغیرہ، میں نے کہا یہ بڑے لوگ ہیں اور ہم تو ایسے ہی ہیں، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، ان حضرات کی موجودگی میں افتتاح کرنا میں ادب کے خلاف سمجھتا ہوں، اپنے بڑوں کا ادب کرتا ہوں، تم ہمیں بڑا سمجھتے ہو وہ تمہاری محبت کی بات ہے، مگر یہ ہمارے بڑے ہیں ہم ان کا لحاظ کرتے ہیں، چناں چہ بات پوری ہوگئی۔

اب انہوں نے بستی میں دوسرے لوگوں سے یہ بات کہی کہ مولوی لوگوں میں کتنا اختلاف ہے!وہ پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ تو کہنے لگا کہ مولوی ابرار ایسا کہتے ہیں کہ جہاں مفتی احمد بیمات صاحب یا مولانا عبداللہ صاحب ہوں وہاں میں نہیں آؤں گا بات کو بالکل الٹا کر دیا۔

اب یہ بات مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کے کانوں میں پڑی، عشا بعد میری تفریح، چہل قدمی کی عادت ہے، میں چہل قدمی کے لیے نکلا تو راستہ میں مولانا عبداللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، مسکراتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے کیا بات ہوئی؟ میں نے بھی یہی سوال دہرایا تو انہوں نے یہ صورت حال سنائی، میں نے کہا اچھا! آپ نے یہ سنا اور حقیقۃً صورت حال یہ ہے تو کہنے لگے کہ آپ کے بارے میں میرا یہی گمان تھا کہ آپ نے یہی کہا ہوگا؛ لیکن لوگ اس طرح مرچ مسالہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔'' (مفہوم)

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی:

حضرت مولانا دامت برکاتہم کا ایک اہم وصف اور خوبی اصاغر نوازی، اپنے چھوٹوں کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کرنا ہے اور ہر بڑے میں یہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ چھوٹوں کو نوازتے اور ان کی قدر و حوصلہ افزائی کرتے ہیں (حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم المدنیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''میں نے تبلیغی جماعت کے نمبروں پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا جو ''چھ باتیں'' کے نام سے معروف ہے، دہلی آکر میں نے اپنا یہ رسالہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا کہ اس کی تسہیل فرمادیں، حضرت نے تھوڑی بہت ترمیم فرمائی اور لکھ دیا کہ تمہارا رسالہ پہلے ہی سے آسان زبان میں ہے اس میں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

میری باتوں سے متاثر ہو کر جو صرف باتیں ہی باتیں تھیں مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے سامنے مجھے بڑے اچھے الفاظ میں یاد کیا پھر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بھی نہ رہا گیا، انہوں نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ میاں دیکھو! یہ تو تمہاری تعریف کر رہے تھے، میں تو جیسا ناکارہ تھا ویسا ہی ہوں؛ لیکن دونوں حضرات کے طرز عمل سے یہ سبق لیا کہ اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانا چاہیے، چھوٹوں کی دلداری ہمت افزائی کریں گے تو وہ آگے بڑھتے رہیں گے۔"

حضرت مولانا دامت برکاتہم میں یہ وصف بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، اس کی تین چار مثالیں پیش کرتا ہوں:

(۱) میں نے خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ کی ۱۹۸۹ء میں لندن شہر کی کلپٹن علاقہ کی مسجد "مدینہ مسجد" میں کی گئی سورۂ یوسف کی تفسیر کو کیسیٹ سے قلم بند کر کے "لطائف سورۂ یوسف" کے نام سے شائع کیا، جب وہ کتاب حضرت دامت برکاتہم کے ہاتھوں میں پہنچی اس وقت آپ کینیڈا میں مقیم تھے، وہاں سے مجھ پر مبارک بادی کا فون آیا اور اس کام کے کرنے پر خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔

(۲) گجرات کے تجارتی مرکز سورت شہر سے گجراتی زبان میں ایک ماہنامہ نکلتا ہے، جس کا نام ہے "وہورا ویلفیر" اس کے ایڈیٹر مولانا یعقوب سریگت ہیں، انہوں نے ابھی حال ہی میں "وہورا ویلفیر" میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "کلیجہ کا لہو کاغذ پر" (کاڑجا نو لوہی کاغڑ پر) وہ مضمون حضرت مولانا دامت

برکاتہم کو بڑا پسند آیا، حضرت اپنی پیرانہ سالی، ضعف اور بیماری کے باوجود حضرت مولانا یعقوب صاحب سریگت دڈھالوی دام ظلہ کے مکان پر خود تشریف لے گئے اور ان کو اس مضمون کے لکھنے پر مبارک باد پیش فرمائی، اللہ اکبر! ایسی حوصلہ افزائی کی باتیں تو ہم نے صرف کتابوں میں پڑھی تھیں کہ ماضی میں ہمارے اکابر ایسا کیا کرتے تھے، مگر آج کے اس دور میں بھی ایسے گنے چنے افراد موجود ہیں جو اپنے اکابر کی اس روایت کو زندہ کرتے ہیں۔

(۳) گجرات کے ایک مشہور مقرر جو کہ ڈابھیل جامعہ میں استاذ التفسیر بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ گجرات میں ۲۰۰۲ء میں جو زلزلہ آیا تھا اس کی کارگزاری اور اس موضوع پر میں نے ''تراج گاؤں'' میں بیان کیا اور بیان کی یہ کیسیٹ حضرت دامت برکاتہم کو بھی پہنچی، حضرت اس وقت ہندوستان سے باہر تھے وہاں سے مجھ پر مبارک بادی کا فون (یا خط) آیا تو غرض یہ کہ حضرت دامت برکاتہم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اپنے چھوٹوں کے علمی کاموں کو اور ان کے علمی کاموں کی دھن کی دل کھول کر تعریف کرتے ہیں اور ان کی ہمت اور حوصلہ بڑھاتے ہیں جو کہ آج کے اس دور میں اب خال خال ہی نظر آتا ہے۔

(۴) میں نے خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کے سورۂ یوسف کے شروع کے آٹھ دروس قلمبند کر لیے تھے کہ پتہ چلا کہ حضرت دامت برکاتہم کی لندن اپنے صاحب زادے حافظ ابراہیم صاحب مدظلہ کے یہاں تشریف آوری ہوئی ہے؛ چناں چہ میں ان آٹھ دروس کو لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچا،

اس وقت حضرت کی طبیعت علیل تھی، بیمار چل رہے تھے، میں نے آنے کا مقصد بیان کیا کہ میری چاہت یہ ہے کہ آپ اس پر ایک نظر ڈال لیں اور اس پر کچھ لکھ بھی دیں تو حضرت نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ حضرت خطیب الامتؒ کے یہ علوم کیسیٹ میں محفوظ تھے، اس سے امت کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا، اس کی واقعی ضرورت تھی کہ اس کو کتابی شکل میں لوگوں کے سامنے لایا جاتا، تو نے ایک اچھے کام کا بیڑا اٹھایا ہے، پھر فرمانے لگے کہ میں تو آج کل بیماری کی حالت میں ہوں اور فی الحال اس حالت میں نہیں ہوں کہ اس کو دیکھ سکوں، چناں چہ اس پر میں خاموش بیٹھا رہا، پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ ٹھیک ہے رکھ جاؤ؛ چناں چہ میں ان صفحات کو وہاں چھوڑ کر چلا آیا، دوسرے ہی دن حضرت کے صاحب زادے حافظ ابراہیم صاحب مدظلہ کا فون آیا کہ والد صاحب نے یاد فرمایا ہے، چناں چہ میں حاضر خدمت ہوا تو حافظ ابراہیم صاحب بھی وہاں موجود تھے، حافظ ابراہیم صاحب فرمانے لگے کہ والد صاحب کی طبیعت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، جیسی ہونی چاہیے ویسی نہیں ہے؛ مگر ہوا یہ کہ والد صاحب رات کو تہجد میں اٹھے تو نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد والد صاحب نے وہ تمام دروس پڑھ لیے جو تو نے قلم بند کیے ہیں اور پھر کہا کہ اس پر یہ تقریظ بھی موجود ہے، میں نے جب وہ صفحات ہاتھ میں اٹھائے تو اس پر حضرت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میں نے جہاں ترمیم مناسب سمجھی اس جگہ نشان لگا دیا ہے اور پھر جو باتیں ارشاد فرمائیں اس وقت ان میں سے دو باتیں جو اب تک ذہن میں برابر محفوظ ہیں ان کا مفہوم بھی پیش کر دیتا ہوں جو یقینا قاری کے لیے فائدے سے خالی نہیں

ہوں گی، وہ یہ ہیں:

"(۱) آج کل مختلف حضرات سے ایک ہی کتاب اور ایک ہی تصنیف پر تقاریظ لکھوانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، بیس پچیس صفحات تو صرف تقاریظ پر خرچ ہوجاتے ہیں، اب اگر وہ کتاب پانچ سو عدد چھپتی ہے تو مجموعی طور پر کتنے زیادہ صفحات اور کتنے پیسے ویسے ہی خرچ ہوجاتے ہیں، پھر فرمایا کہ ایک کتاب پر بس کسی ایک صاحب کی تقریظ کافی ہے اور پھر فرمایا کہ یہ تو مولانا ابرار صاحب کے دروس ہیں ان پر تقریظ کی کیا ضرورت، حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے فن حدیث اور فن تفسیر میں بڑی مہارت عطا فرمائی تھی، ان دونوں علوم پر مولانا مرحوم کی بڑی گہری نظر تھی؛ لہٰذا حضرت کی شخصیت خود سند کا درجہ رکھتی ہے اس کے بعد کسی تقریظ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے اپنی ایک تحریر میں حضرت خطیب الامتؒ کے متعلق "خطیب بے بدل" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نگاہ میں حضرت خطیب الامت کا کیا مقام تھا۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کہ تونے جو شعر لکھا ہے اس میں غلطی ہے، اس کو برابر دیکھ لینا، پھر فرمایا کہ ہمارے یہاں سے جو کتابیں چھپتی ہیں ان میں اکثر اشعار کو غلط نقل کیا جاتا ہے ان کی صحت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔"

جب میں خطیب الامتؒ کے سورۂ یوسف کے دروس پر کام کرچکا، اس کے بعد میں نے حضرت خطیب الامتؒ کی جو خصوصی مجالس علما کے درمیان رمضان المبارک میں مدینہ مسجد کلپٹن میں ہوئی تھیں اس پر کام شروع کیا، کام جاری ہی تھا کہ حضرت دامت برکاتہم کی آمد ہماری مسجد (مسجدِ قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن) میں ہوئی،

میں نے حضرت سے دعا کی غرض سے یہ بات کہی کہ میں یہ کام کر رہا ہوں، اس پر حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور خوب دعائیں دیں اور ایک بات یہ فرمائی کہ ''تو نے بہت اچھا کام شروع کیا ہے، یہ مجالس تو بیانات سے بھی زیادہ مفید ہیں، پھر فرمایا کہ یہ مجالس تو ''دریا بہ کوزہ'' ہیں کیوں کہ یہ مجالس علما کے درمیان ہوئی ہیں، ان میں علمی باتیں حضرت نے بیان فرمائی ہیں۔''

علم کی نشر واشاعت کا جذبہ:

جب ''لطائف سورۂ یوسف'' حضرت دامت برکاتہم کے ہاتھوں میں پہنچی تو حضرت والا نے مجھ سے یہ فرمایا کہ:

> ''ماشاء اللہ کتاب میں علمی مواد ہے، اگر تیرے پاس کچھ نسخے ہوں تو ان کو کاپودرا قاری خالد صاحب کاپودروی استاذ جامعہ قاسمیہ کھروڈ کو پہنچا دیے جائیں، ہم یہ کرتے ہیں کہ گجرات کے وہ دینی ادارے جن میں دورۂ حدیث تک تعلیم دی جاتی ہے، ان کے کتب خانوں میں ایک ایک نسخہ بھیج دیتے ہیں اور ایسے ابھی فی الحال پچپن ادارے ہیں، قاری خالد صاحب ان کتابوں کو جس ادارے کو پہنچانا ہوتا ہے اس طرف سے جو ٹرک آتے ہیں ان کے ڈرائیور مسلمان ہوتے ہیں ان کے ساتھ بھیج دیتے ہیں''۔

اور اس طرح ماشاء اللہ حضرت نے کئی قیمتی کتب ان اداروں میں پہنچائی ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، یہ آپ کی علم دوستی اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت سے لگاؤ کا نتیجہ ہے۔

سادگی:

حضرت دامت برکاتہم کی طبیعت کی طرح آپ کی وضع قطع میں بھی بالکل سادگی ہے، آپ کی وضع قطع سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ آپ کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ کمال اور خوبیاں رکھی ہوئی ہیں، حضرت دامت برکاتہم خود اپنا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"میں ایک مرتبہ ہندوستان میں ریل گاڑی میں جارہا تھا، قریب میں ایک طالب علم بھی تھا، اس کی وضع قطع سے میں سمجھ گیا کہ وہ طالب علم ہے، وہ مجھے نہیں پہچان سکا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں عربی چہارم میں شرح وقایہ اور مختارات وغیرہ پڑھتا ہوں، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ میں نے کہا میں یہاں ایک چھوٹے سے دیہات کا پودرا میں رہتا ہوں، اس نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا کھیتی کرتا ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ شرح وقایہ کیسی کتاب ہے؟ تو کہا اچھی کتاب ہے، اس میں فقہ کے مسائل ہیں، پھر میں نے کہا کہ مختارات کیسی کتاب ہے؟ اس نے کہا مختارات عربی کی بہت بڑی کتاب ہے، وہ تو مجھے دیہاتی سمجھ کر بات کررہا تھا تو میں نے کہا کہ اچھا مختارات میں ایک سبق آیا ہے **"الخطابة المعجزة"** اس کے کچھ جملے یاد ہیں؟ جب میں نے یہ جملہ کہا تو وہ ذرا چوکنا ہوگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو کوئی دیہاتی آدمی ہے اور **"الخطابة المعجزة"** کی بات کررہا ہے"۔

(صدائے دل: ج۱/ص۲۲۶، بتغیر)

اس واقعہ سے آپ کی سادگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تجزیہ:

حضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو بات سامنے آتی ہے، اس کا علمی، جذباتی یا سیاسی تجزیہ کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ اس بات کے کہنے اور لکھنے کا مقصد اصلی کیا ہے اور اس کی روک تھام اور اس سے نمٹنے کے لیے کیا اقدام کرنا چاہیے۔

سرپرستی:

حضرت دامت برکاتہم بعض مدارس اسلامیہ وعلمیہ کی سرپرستی بھی فرما رہے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت کے ایک عمل کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، حضرت نے جب کینیڈا کی شہریت اختیار کرنے اور وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ جن جن مدارس کی سرپرستی فرما رہے تھے انہیں کہہ دیا کہ اب میں چوں کہ مستقل طور پر کینیڈا جا رہا ہوں، لہٰذا میں مدرسہ کے سرپرست کی فہرست میں سے اپنا نام واپس لیتا ہوں، جب آپ کو اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ کوئی بات نہیں، ہم آپ کا نام سرپرستوں کی فہرست میں رہنے دیتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ ایسی سرپرستی کا کیا فائدہ کہ جب میں اس ملک میں موجود ہی نہیں ہوں گا، پھر فرمایا کہ میں رسمی سرپرستی کا قائل نہیں ہوں۔

افراد سازی:

بہت سے افراد کو آپ نے مرد میدان بنایا، اپنی مردم گری اور مردم سازی سے آپ نے بہت سے رجال کار تیار کیے۔

سیاست:

حضرت نے کبھی عملی سیاست میں تو حصہ نہیں لیا لیکن سیاست کے اتار چڑھاؤ پر آپ کی ہمیشہ نظر رہتی ہے اور اس کے لیے آپ روزانہ برابر مقامی اخبار کا مطالعہ فرماتے ہیں اور یہ معمول سفر میں بھی جاری رہتا ہے، سفر میں بھی آپ اس سے غافل نہیں رہتے۔

حمیت دینی:

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے وہ جملے جو آپ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے متعلق ان کی وفات کے بعد ایک تحریر میں لکھے تھے، ان کو حضرت دامت برکاتہم کے لیے مستعار لیتا ہوں۔ وہ یہ کہ:

> ''حضرت دامت برکاتہم کی ایک خوبی آپ کی حمیت دینی ہے، ایک چیز ہے حمیت اور ایک چیز ہے حمایت، حمایت میں وہ اندرونی جذبہ اور دل سوزی نہیں ہوتی، وہ دل کی تپش اور ذہن کی خلش اور وہ اضطراب و بے چینی نہیں ہوتی جو حمیت میں ہوتی ہے، حالاں کہ حروف دونوں کے متقارب ہیں مگر یہ اللہ تعالیٰ بہت کم لوگوں کو دیتا ہے، انہیں چنندہ لوگوں میں سے ایک حضرت والا دامت برکاتہم کی شخصیت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی غیرت وحمیت کی دولت ونعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔''

قوتِ حافظہ:

علما نے لکھا ہے کہ قوت حافظہ خدائی روشنی ہے، جس سے صالحین کو سرفراز کیا جاتا ہے، امام شافعیؒ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی

شکایت کی تو انہوں نے حضرت الامام کو معاصی سے اجتناب کی تلقین کی اور فرمایا کہ قوت حافظہ نور الٰہی ہے جو کسی عاصی کو نہیں دیا جاتا، حضرت دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی خوب دیا ہے اور عمر کے اس اِسٹیج پر بھی جب کہ آپ کی عمر اسّی (۸۰) سال سے متجاوز ہو چکی ہے، آپ کے حافظہ کی قوت بدستور محفوظ ہے (اور ویسے آپ بچپن سے ہی بڑے ذہین تھے، آپ کے ایک استاذ حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ جن سے آپ نے ''نفحۃ العرب'' پڑھی تھی، انہوں نے حضرت مولانا عبدالحق عمر جیؒ سے جو اس زمانے میں ''دار العلوم دیوبند'' میں ''انجمن ثمرۃ التربیت'' کے صدر اور سورتیوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے، فرمایا تھا کہ ''تمہارا یہ سورتی بچہ ذہین ہے اس کا خیال رکھیں اور اس کی نگرانی فرماتے رہیں۔''

(رشد وہدایت کے منارص ۸۷۔۸۸ بتغیر)

خوبی:

آپ کے اندر ایک خوبی یہ بھی دیکھی گئی کہ آپ ہر چیز کا خوب نوٹ لیتے ہیں اور جو چیز دیکھتے، پڑھتے اور سنتے ہیں اس پر خوب غور فرماتے ہیں اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش فرماتے ہیں اور حتی الامکان اسے یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ بات آپ کو عموماً یاد بھی ہوتی ہے اور جب اس کو بیان فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی ابھی دیکھی ہوئی بات ہے حالاں کہ اس کو دیکھے سنے اور پڑھے ہوئے ایک اچھا خاصا وقت گزر گیا ہوتا ہے اور اسی طرح جو بھی اچھی بات آپ کہیں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں، مثلاً کسی سواری کے پیچھے یا کسی دیوار، سائن بورڈ، یا کسی عام

گزرگاہ پر اس کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے یاد بھی رکھتے ہیں اور اپنے طور پر اس کا تجزیہ فرماتے ہیں اور اس کا جو اچھا پہلو نکل سکتا ہو اس سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں تک بھی اس پیغام کو موقع کی مناسبت سے پہنچاتے ہیں۔

رواداری:

حضرت دامت برکاتہم کا ایک اہم وصف دوسرے آدمی کی خوبی اور اس میں اچھائی دیکھ کر اس کا برملا اعتراف کرنا اور اس کی صلاحیتوں کا اقرار کرنا ہے، چاہے پھر اس کا تعلق دوسری کسی جماعت سے ہو، حضرت خود فرماتے ہیں کہ:

> ''ہندوستان میں ہم لوگ ایک مرتبہ ایک تنظیم کے ساتھ کام کر رہے تھے کہ آپس میں کچھ اختلاف ہوا، پھر آٹھ دس آدمیوں نے استعفا بھی دے دیا، بڑا ہنگامہ ہوا، انہی دنوں اتفاق سے میرا مکہ مکرمہ جانا ہوا، حرم شریف میں ایک آدمی مجھ سے کہنے لگا کہ صاحب فلاں صدر صاحب ایسے ہیں ویسے ہیں، میں نے کہا کہ نہیں آپ کیا بات کر رہے ہیں، انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کیا ہے، ان کی اگر چند باتوں سے ہمیں اختلاف ہے اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ آدمی بالکل ہی خراب ہے، پھر میں نے کہا کہ انہوں نے بڑے بڑے خیر کے کام کیے، چند مثالیں میں نے ان کے سامنے بیان کیں، اس پر اس شخص نے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مخالف عالم کے بارے میں اس طرح کی باتیں بتلائیں۔''

عصری حسیت:

حضرت مولانا ''عصری حسیت'' کے ماہر ہیں اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے حکیمانہ مقولہ ''**كلموا الناس على قدر عقولهم، أتريدون أن يكذب الله**

ورسوله"لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق خطاب کیا جائے تا کہ وہ نادانی سے اللہ و رسول کی بات کی تکذیب نہ کریں پر اچھی طرح عامل ہیں۔

حکمت:

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں''**ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن**"اللہ تعالیٰ نے حضرت دامت برکاتہم کو حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ بے شک حکمت عمر بڑھنے سے نہیں آتی بل کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے، جسے چاہتے ہیں وہ عطا فرماتے ہیں، دین کی دعوت اور دینی ذہن بنانے کے لیے بھی حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم کا اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، امریکہ کے ڈاکٹر سراج الدین ایک مسلم کنٹری میں اپنی فیملی کے ساتھ گئے، وہاں ان سے بڑا خراب معاملہ ہوا کہ جس جگہ پچاس روپیہ کرایہ تھا وہاں ان سے تین سو روپیئے لیے گئے، وہ جب واپس آئے تو اتنے متنفر ہو گئے کہ انہوں نے ڈاڑھی رکھی تھی وہ بھی مونڈ دی، ان سے جب حضرت دامت برکاتہم کی ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دیا کہ اسلام ایسا ہوتا ہے، ایسے مسلمان ہیں جن کو دیکھ کر ہمیں تکلیف ہوئی اور میرا پیسہ برباد ہوا وغیرہ، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی بات سن کر اخیر میں کہا کہ ساری دنیا بھی اگر کافر ہو جائے خدانخواستہ تب بھی ہمارے لیے یہ جواز نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں خدا کی طرف سے اس کو ترک کر دیں، حضرت فرماتے ہیں کہ اس کو میری یہ بات سمجھ میں آ گئی، پھر میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے جو تاثر لیا اس سے میں متفق ہوں، لیکن آپ اپنی جگہ سے کیوں ہٹ رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ آپ حد سے تجاوز کر رہے ہیں، میں نے دھیمے دھیمے ان سے بات کی اور انہوں نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور کہا کہ اب میں پھر یہ بات نہیں کہوں گا اور الحمد للہ! پھر اس نے ایسی بات نہیں کی۔ (مفہوم)

ذاتی کتب خانہ:

حضرت دامت برکاتہم کا ذاتی کتب خانہ بھی اچھا خاصہ ہے، جس میں عربی، اردو اور دوسری کچھ زبانوں کی کتابیں موجود ہیں اور اس کے ساتھ مخطوطات بھی ہیں اور چند کتابیں تو ایسی نادر اور قیمتی ہیں کہ وہ گجرات کے مدارس عربیہ کے کتب خانوں میں بھی نہیں ہیں، حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا یہ معمول اور کوشش اور شوق رہا ہے کہ اپنے لیے اچھی کتابیں خریدی جائیں اور شاید اس کے پیچھے حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ کی حضرت کو نوجوانی میں کی گئی نصیحت بھی کارفرما رہی ہے، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے حضرت دامت برکاتہم العالیہ سے فرمایا تھا کہ:

> ”کسی نائی کو دیکھا ہے کہ دوسرے کے اوزار لے کر حجامت بناتا ہو؟ عرض کیا نہیں، اس کے بعد فرمایا تو پھر مولوی کیوں دوسروں کی کتابیں لے کر پڑھاتا ہے اور تاکید فرمائی کہ فقہ، ادب، حدیث شریف اور تفسیر کی ضروری کتابیں خریدنے کی عادت رکھو تاکہ آہستہ آہستہ کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع ہو سکے، حضرت دامت برکاتہم آگے لکھتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ کی اس نصیحت کا اثر ہوا

اور پھر کتابیں خریدنا اور انہیں محفوظ کرنا شروع کیا، جس سے مجھے مدرسہ میں اور گھر پر بہت نفع پہنچا۔'' (رشد وہدایت کے منار: ص ۵۸)

کتب بینی وقطب بینی:

حضرت دامت برکاتہم نے جہاں ''کتب بینی'' کی ہے وہیں ''قطب بینی'' بھی خوب کی ہے، خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ راقم نے جن علما ومشائخ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی اور ان سے استفادہ کا زریں موقع میسر ہوا وہ ایک ''بڑی تعداد'' میں ہیں، جن میں عرب وعجم کے ممتاز وقابل فخر علما بھی ہیں اور ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۷)

صحبتِ صالحین پر خود بھی عامل اور اپنی برادری کو ہمیشہ اس کی نصیحت:

حضرت دامت برکاتہم العالیہ نے خود بھی صحبت صالحین خوب اٹھائی ہے اور یہی مشورہ اور نصیحت اپنی برادری کو بھی دیتے رہتے ہیں کہ صحبت صالحین کا خوب اہتمام کیا جائے، حضرت کو بزرگوں کی زیارت اور ان سے ملاقات کا شوق نوجوانی سے بل کہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ بچپن سے ہی تھا، آپ ''رشد وہدایت کے منار'' جو کہ حضرت دامت برکاتہم کی تصنیف ہے ص ۱۳۶-۱۳۷ پر لکھتے ہیں کہ:

''۵۹-۱۹۵۸ء میں میری جب ''دارالعلوم دیوبند'' میں دوبارہ حاضری ہوئی تو ایک رفیق درس نے جن کے ساتھ مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی، یہ مژدہ سنایا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سہارن پور میں مقیم ہیں اور لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن بھی وہاں تشریف لائے ہیں، اسی شام سہارن پور روانہ ہوگیا، حضرت رائے پوری کے کمرے

سے متصل ایک کمرے میں مولانا قیام پذیر تھے، ملاقات سے مشرف ہوا، دعا کی درخواست کی اور واپس آ گیا۔"

اور آپ کی ہمیشہ اور خاص طور سے علمائے کرام سے یہ گزارش اور نصیحت رہتی ہے کہ بزرگوں کے دامن سے وابستہ رہو، ان سے تعلق رکھا جائے، ان کی خدمت میں وقت ملنے پر یا کہہ لیجیے کہ وقت نکال کر حاضری دیں یا دوسرے جو مواصلات کے ذرائع ہیں ان میں سے کسی کو اختیار کرتے ہوئے ان سے رابطہ میں رہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی نگرانی ہی سے آدمی صحیح معنی میں آدمی بنتا ہے، کسی نے صحیح ہی کہا ہے کہ ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حضرت دامت برکاتہم خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"بزرگوں کی صحبت میں رہنا اور ان سے خط و کتابت کرنا ہر وقت بہت ضروری ہے اور فرمایا کہ جب آدمی اپنے آپ کو کتابوں کے لیے وقف کرتا ہے اور اکابر کی کتابیں دیکھتا ہے اور پھر اللہ والوں سے تعلق پیدا کرتا ہے تو اس میں صلاحیت اور صلاح دونوں باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو ہے دماغ کو روشن کرنا، یہ کتابوں سے ہوگا، آپ پڑھیں گے تو آپ کا دماغ روشن ہوگا، معلومات کا ذخیرہ بڑھے گا اور ایک ہے دل کا روشن ہونا، دل کی روشنی اللہ والوں کے پاس ملے گی، حضرات صحابۂ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دونوں چیزیں ملتی تھیں، آپ کی زبان مبارک سے جو علم ملتا تھا اس سے ان کے دماغ روشن ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ان کے قلوب پاکیزہ ہوتے تھے۔"

اور حضرت والا علما اور طلبا سے یہ بات بھی فرمایا کرتے ہیں کہ:

''حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی تقریروں میں ہمیشہ ایک بات یہ فرماتے تھے کہ بھائی دیکھو! اگر آپ نے کپڑوں کے صندوق میں چھوٹی چھوٹی گولیاں رکھ دیں تو جب ایک ہفتہ کے بعد صندوق کھولیں گے تو ان کپڑوں میں سے ان کی بو آئے گی اور اگر آپ نے گلاب کے پھول ان میں رکھے ہیں تو گلاب کی خوشبو ان میں سے آئے گی، حالاں کہ کپڑوں میں خوشبو نہیں تھی لیکن چوں کہ وہ پھول آپ نے ان میں رکھے اس کی وجہ سے ان میں گلاب کی خوشبو آنے لگی، یہ صرف صحبت کا اثر ہے اور طلبہ سے ہمیشہ فرماتے تھے کہ صحبت صالحین اختیار کرو طلبہ اور علما کو اس کی شدید ضرورت ہے۔''

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''علم کی ضرورت یقیناً پہلے ہے، لیکن صرف علم کافی نہیں، چوں کہ حضرات صحابۂ کرام کو علم کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی، اس لیے ان کے علم میں ایک قسم کا جلا اور روشنی پیدا ہو جاتی تھی، آج بہت سے لوگوں کے پاس علم ہے، لیکن وہ علم ان کے لیے فتنہ کا باعث بنا ہوا ہے، کہیں تو آپس میں تقابل ہوتا ہے، کہیں کسی مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں، کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مناظرہ ہوتا ہے، اس وقت جتنی بھی گڑبڑ اہل علم کے حلقوں میں ہو رہی ہے، یہ سب صالحین کی صحبت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔''

حضرت کو اکابر کی صحبت کا کتنا اہتمام رہا ہے اس کے لیے میں صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، حضرت کینیڈا میں مقیم تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ پاکستان سے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ -جو کہ حاجی فاروق صاحب کے نام سے یاد کیے اور پہچانے جاتے تھے- کی برطانیہ

تشریف آوری ہوئی ہے تو حضرت صرف اس غرض سے کینیڈا سے برطانیہ تشریف لائے، تاکہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے اور ایک اللہ والے کی معیت میں کچھ دن گزارے جائیں۔

حضرت دامت برکاتہم اس سفر کا ایک دل چسپ واقعہ بھی بیان کرتے ہیں، فرمایا کہ:

''میں مولانا فاروق صاحبؒ کے ساتھ ایک موٹر میں بیٹھا، موٹر میں کوئی اور آدمی تھا نہیں، میں پہلے اندر داخل ہوگیا، میرے بعد فوراً حضرت داخل ہو گئے، حضرت جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو کہا السلام علیکم، دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، حضرت پہلے داخل ہو گئے تو السلام علیکم کہا، حالاں کہ اس وقت بھی موٹر میں کوئی آدمی نہیں تھا، پھر فرمایا کہ مولوی صاحب آپ جب اپنے کمرے میں اور اپنے گھر میں داخل ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہہ کر داخل ہونا چاہیے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس میں ''**صالحین من الجن**'' ہوں، ان کو سلام کرلو اور گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی السلام علیکم کہہ کر پھر داخل کرو اور فرمایا کہ یہ موٹر کار میں بھی جو ہم داخل ہوتے ہیں اس کا بھی ایک کمرے کا حکم ہے، اس لیے موٹر میں بھی اگر بیٹھو اور کوئی بھی نہ ہو تب بھی السلام علیکم کہہ کر بیٹھو۔''

حضرت کی آگے آنے والی بات اب اصل پڑھنے اور سمجھنے کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''بزرگوں سے ایسی ہی باتیں سمجھنے کی ہیں، اس لیے ہم لوگ پوری زندگی بزرگوں کی باتوں کے محتاج ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کامل کبھی نہ سمجھے، آدمی اپنے آپ کو ہمیشہ محتاج سمجھے اور جنہوں نے اپنے آپ کو رگڑوایا ہے، بزرگوں کی خدمت میں رہ کر اور بزرگوں نے جن کی تربیت کی ہے، ہر ہر معاملہ میں ان کے ساتھ رہو، ان کے ساتھ رہے بغیر ہمارا نفس درست نہیں ہوسکتا۔'' (بتغییر)

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد:

حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا مزاج بزرگوں کی خدمت میں رہنے اور ان کی خدمت کرنے کا رہا ہے اور یہ وصف بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت میں ودیعت فرمایا تھا، حضرت خود ایک جگہ لکھتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دار العلوم دیو بند تشریف لائے اور نماز ظہر ادا کرنے کے لیے دار العلوم کی مسجد تشریف لے گئے، ناچیز بھی حاضر ہوا، نوافل سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کی جوتیاں اٹھا کر باہر رکھنا چاہا، مفتی صاحب نے بہت تیزی سے میرے ہاتھ میں سے جوتیاں لیتے ہوئے فرمایا ارے بھائی! یہ میری جوتیاں ہیں ان کو کہاں لے جاتے ہو؟ میں گھبرا گیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا، مفتی صاحب مسکرا کر آگے تشریف لے گئے، پھر ان کے ہمراہ کسی عالم نے فرمایا کہ مفتی صاحب اپنی جوتیاں دوسروں سے اٹھوانا پسند نہیں فرماتے اور تم سے یہ بات مزاحاً فرمائی ہے۔

(رشد و ہدایت کے منار: ص ۱۹۶ بتغییر)

حضرت مولانا عبد الحئی بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ کی خدمت کا موقع بھی آپ کو نصیب ہوا، آپ حضرتؒ کے لیے وقفہ میں چائے بناتے تھے اور گیارہ بجے کے بعد برتن صاف کرنا اور کمرے کی صفائی کرتے تھے۔ (رشد و ہدایت کے منار: ص ۲۸، بتغییر)

اسی طرح حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب پشاوریؒ کی خدمت کا موقع بھی ملا، آپ نے حضرتؒ کے لیے چائے بنانے اور کھانے کا نظم کرنے کی ذمے داری اپنے ذمہ لی تھی۔ (حوالہ بالا ص ۷۵ بتغییر)

اور حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے لیے آپ اپنی طالب علمی کے زمانے میں جیسے ہی عشا کی اذان ہوتی درس گاہ سے نکل کر سیدھے بنگلے پر پہنچتے اور علامہ کے لیے وضو کا لوٹا بھر کر رکھ دیتے تھے،اس پر علامہ بعض مرتبہ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے۔

(رشد و ہدایت کے منار:ص ۷۰ بتغیر)

اسی طرح فرماتے ہیں کہ:

''۴۹، ۱۹۴۸ء میں حضرت مدنیؒ کے مہمان خانے میں سب سے پہلی مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کو ایک ساتھ پایا، ملاقات کی اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر خدمت کرنے کا موقع بھی ملا، حضرت شیخ الحدیثؒ کی صحت اس وقت بہت اچھی تھی، ہاتھ، پیر اتنے مضبوط تھے کہ میری کم عمری کے سبب دبانا مشکل ہو رہا تھا۔''

(حوالہ بالا:ص ۱۱۵)

اور اسی طرح فرماتے ہیں کہ:

''مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ ڈابھیل تشریف لائے، بندے کی تدریس کا پہلا سال تھا، عشا کے بعد خدمت کر رہا تھا، پوچھا کہاں کے رہنے والے ہیں، عرض کیا کا پودرا ایک چھوٹی بستی ہے، فوراً فرمایا ہاں، ہاں! میں جانتا ہوں۔'' (حوالہ بالا:ص ۱۲۸، بتغیر)

بزرگوں کی خدمت اور دعاؤں کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر مخدوم بنایا، کہنے والے نے صحیح کہا ہے کہ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

بزرگوں سے نصیحت کی درخواست:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے مکہ مکرمہ میں ان کی قیام گاہ "باب العمرۃ" پر حاضر ہوکر درخواست کی کہ کاپی میں کوئی نصیحت تحریر فرمادیں تو حضرت نے یہ تحریر فرمایا:

ألا کل شيء ماخلا الله باطل
و کل نعیم لا محالة زائل

(رشد و ہدایت کے منار: ص۷۶)

فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے کوسمبا کے اسٹیشن پر نوٹ بک پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت! کوئی نصیحت تحریر فرمادیں، شیروانی کے جیب سے سرخ قلم نکالا اور تحریر فرمایا:

جہاں اے برادر نہ ماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بندوبس
عشق بامردہ نہ باشد پائدار
عشق را با حی و باقیوم دار

(حوالہ بالا: ص۱۰۹)

فرماتے ہیں کہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ سے کاپی میں نصیحت لکھنے کی درخواست کی تو تحریر فرمایا "**الدین النصیحة**" دین خیر خواہی کا نام ہے۔

(حوالہ بالا: ص۱۲۹)

اکابر سے مشورہ:

آپ کی ایک اہم عادت یہ رہی ہے کہ اپنے ہر اہم معاملہ میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرنا اور پھر وہ جو لائحۂ عمل طے کریں اس کے مطابق کام کرنا اس کی کئی مثالیں ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) حضرت دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ:

''مارچ ۱۹۶۶ء میں جب انہیں ''دارالعلوم فلاح دارین'' کے اہتمام کی ذمے داری سپرد کی گئی تو کم عمری اور ناتجربہ کاری کے سبب ضروری تھا کہ بزرگوں سے مشورہ کرتا، اسی مقصد سے ''حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ'' کی خدمت میں راندیر حاضر ہوا، جامعہ حسینیہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما تھے، محبت سے بٹھایا، بندہ نے عرض کیا کہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے (دیکھئے یہ ہے اصل چیز جو آدمی کو کامیاب بناتی ہے کہ اپنے آپ کو مٹانا، اپنے کو اس کے لائق نہ سمجھنا، تواضع، عبدیت کہ اہل ہوتے ہوئے اپنے کو اہل نہیں سمجھ رہے ہیں اور جو یہ صفت پیدا کرلے گا تو پھر شاعر کی زبانی ؎

مٹنے والوں کی رہی ہمیشہ اونچی منزل
پیس گیا سرمہ تو آنکھوں میں جگہ پائی

مگر کمیٹی والوں کا اصرار ہے کہ تجھے ہی یہ کام کرنا ہے، فرمانے لگے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کام کام کو سکھلاتا ہے جیسے جیسے کام کرتے جاؤ گے تجربات ہوتے جائیں گے، مشکل پیش آئے تو مشورہ کرتے رہو البتہ ایک بات یاد رکھنا کہ ''چلتے بیل کو گودے مت مارنا'' چھیرنا مت، مطلب یہ تھا کہ مدرسہ میں جو اساتذہ کام کررہے ہیں خواہ مخواہ ان کے کام میں کیڑے نکال کر پیچھے نہ پڑنا،

خردہ گیری سے پرہیز کرنا، مہتمم صاحبان کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑ کرنے میں فائدہ نہیں ہوتا، چشم پوشی بھی کرنی پڑتی ہے۔''

(رشد وہدایت کے منار: ص۱۹۱۔۱۹۲ بتغییر)

اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''دارالعلوم کے انتظامی امور کی ذمے داری بہت کم عمری میں یعنی ۳۳ سال کی عمر میں سنبھالنے کی نوبت آئی، اس لیے بار بار اساتذہ اور اپنے اکابرین کی خدمت میں حاضری دے کر مشورہ کرتا اور ان ہی کی رہ نمائی میں ٹوٹی پھوٹی خدمت انجام دیتا رہا، اللہ تعالیٰ قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین!''

(۲) اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۶۶ء میں بندہ ترکیسر ''فلاح دارین'' میں مدرس ہو کر گیا، مگر دو مہینوں میں وہاں نظام میں تبدیلی ہوئی اور بندے کو اہتمام کی ذمے داری سپرد کی گئی، حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ طلب کیا تو فرمایا ہمت سے کام کرو؛ مگر بندے کی ایک نصیحت یاد رکھنا کہ تدریس کا سلسلہ نہ چھوڑنا، ہمارے اداروں میں مدرسین کی ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے مہتمم کی نہیں اور فرمایا کہ جن مدارس کے مہتمم مدرس بھی ہیں طلبا پر ان کا جو اخلاقی اثر ہوتا ہے وہ ان مہتمم صاحبان کا نہیں ہوتا جو مدرس نہیں ہیں۔'' (حوالہ بالا: ص۱۴۳)

(۳) فرماتے ہیں کہ:

''شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ایک بار تخلیہ میں مدرسہ کے پریشان کن حالات ذکر کر کے مشورہ طلب کیا تو فرمایا ''اپنی طرف سے چھوڑو مت، الگ کردیں تو رنج مت کرو''۔'' (رشد وہدایت کے منار: ص۱۱۷)

(۴) فرماتے ہیں کہ:

''میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو پریشانیاں تھیں وہ تفصیلاً عرض کرنے لگا، حضرت مفتی صاحب بہت غور سے سماعت فرماتے رہے اور جب بات ختم ہوگئی تو فرمایا کہ ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟ عرض کیا نہیں یہی حالات ہیں جو عرض کر چکا ہوں۔

فرمایا جی ہاں! انہی حالات میں کام کرنا ہے، ایسے حالات تو آتے ہی رہتے ہیں اور ارشاد فرمایا مولوی صاحب! ہمارے اکابرین نے بڑی قربانیوں کے بعد ان اداروں کو بنایا ہے، کیا ہمارے حصے میں ان کا اجاڑنا لکھا ہے؟ حضرتؒ کی یہ بات سن کر میں آبدیدہ ہوگیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ 'کچھ افراد ایسے پیدا کرلو جو اس کام کو نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں پھر الگ ہونے میں کوئی حرج نہیں، مگر ابھی نہیں' حضرت مفتی صاحبؒ کی اس دل سوز گفتگو نے میری رائے تبدیل کردی اور اس کے بعد کئی سال کام ہوتا رہا۔''

(رشد وہدایت کے منار: ص ۱۵۶)

اہتمام سے متعلق حضرات اکابر کی حضرت دامت برکاتہم کو نصیحتیں:

(۱) حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو ایک مرتبہ ''فلاح دارین'' کے تعلیمی کوائف معلوم کرنے اور ''دار العلوم'' کی تعلیمی ترقی کے لیے آپ سے مشورہ کرنے کے لیے دعوت دی گئی تو حضرت تین روز کے لیے تشریف لائے اور اردو سے لے کر دورہ تک ہر جماعت کے طلبا کو جانچا اور مفید مشورے عنایت فرمائے، اس میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ:

''طالب علم کی غلطیوں اور شرارتوں پر فوراً اخراج نہیں کرنا چاہیے، اخراج تو سب سے آخری چیز ہے، طلبا کچھ نہ کچھ شرارتیں کرتے ہیں، ان کی اصلاح و

تربیت کرنی چاہیے نہ کہ بات بات میں اخراج اور پھر فرمایا کہ آپ نے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا وہ مضمون پڑھا ہوگا جو انہوں نے اپنی دیوبند کی طالب علمی کے بارے میں لکھا ہے، کیسی کیسی شرارتیں! اگر ''دار العلوم'' کے مہتمم صاحب ان کا اخراج کر دیتے تو آج امت ان کے قیمتی افکار و خدمات سے محروم ہو جاتی اور فرمایا کہ چوں کہ آپ کے مدرسے کا عوامی چندہ نہیں ہوتا اس لیے چندہ دہندگان کا دباؤ بھی نہیں پڑ سکتا، لہٰذا جو طالب علم عربی کے ابتدائی درجات میں کمزور ہو اس کو قطعاً اگلا درجہ نہ دیں، اس عمل میں تھوڑی مخالفت برداشت کرلیں، مگر اس سے تعلیمی معیار بلند ہوگا۔'' (رشد و ہدایت کے منار، بتغیر)

(۲) حضرت مولانا عمران صاحب بھوپالیؒ نے حضرت والا سے اہتمام سے متعلق نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''میں نے تقریباً پچیس سال ''ندوہ'' کا اہتمام کیا ہے اور اب بھوپال ''تاج المساجد'' کے دار العلوم کا ذمے دار ہوں، اس لیے عرض کرتا ہوں کہ انتظامی معاملات میں تساہل بالکل نہ کرنا، اساتذہ یا اور کارکنوں سے مدرسے کے تعلق سے جو بات بھی کرنی ہو تحریری کرتے رہو اور ان کا چھوٹا سا پرزہ بھی فائل میں رکھو، جب تک اساتذہ کے ساتھ تعلقات اچھے رہتے ہیں تو معاملہ آسان ہوتا ہے، مگر جب کسی وجہ سے ناراضگی ہو جاتی ہے تو ایسی ایسی شکایتیں اور ظلم و زیادتی کی کہانیاں شروع ہوں گی جن کا تمہیں گمان بھی نہ ہوگا، اس لیے ہر بات تحریری ہوگی تو ضرورت کے وقت کام آئے گی، حضرت دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کی ان ہدایات و ارشادات سے ناچیز نے فائدہ اٹھایا اور واقعی بعد میں یہ چیزیں بہت کار آمد ثابت ہوئیں۔'' (رشد و ہدایت کے منار: ص۱۸۱)

(۳) ''حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ نے مدینہ منورہ میں ایک مجلس میں فرمایا کہ ہمارے ہندوستان کے مدرسوں میں ''مشکاۃ شریف'' تک حدیث پاک کی کوئی کتاب طالب علم نہیں پڑھتا اور اس کا یہ نتیجہ دیکھا کہ بعض طالب علم عربی چہارم تک مدرسہ میں پڑھ کر کسی وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں اور حدیث شریف سے محروم ہو جاتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ ابتدائی درجہ سے احادیث پڑھاتے جاؤ، پہلے مختصر احادیث پھر درجہ بدرجہ کتابیں پڑھاؤ، حضرت کے اس ارشاد کے بعد ہی ''دار العلوم فلاح دارین'' میں عربی سوم سے ''ریاض الصالحین'' شروع کروائی گئی۔'' (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۲۴)

السوال نصف العلم:

آپ کی عادت مبارکہ میں سے ایک عادت اپنے بڑوں اور اہل فن سے علمی سوالات دریافت کرنا رہا ہے، اس کی تین مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) آپ نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے ایک مجلس میں پوچھا کہ احمد امین، طہ حسین اور منفلوطی کی کتابیں پڑھتا ہوں، مگر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا، اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا پڑھتے رہو آہستہ آہستہ مناسبت پیدا ہوگی اور لغات جدیدہ سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی، فرمایا اگر ستر اسی فی صد مفہوم سمجھ میں آ جائے تب بھی کافی ہے۔ (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۳۷)

(۲) حضرت لکھتے ہیں کہ:

''میں نے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ سے سوال کیا کہ حضرت! علم حدیث میں مہارت کے لیے کتنے سال درکار ہیں؟ حضرت نے خاص انداز سے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''مولوی صاحب! آپ

مہارت کی بات کرتے ہیں ہم نے اپنی زندگی کھپادی تب کچھ شد بد پیدا ہوئی ہے اور اب کوئی مخطوطہ دیکھتا ہوں تو کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہاں یہ لفظ نہیں ہوگا پھر جب دوسرے مخطوطے سے تقابل ہوتا ہے تو صحیح لفظ مل جاتا ہے۔''

(رشد وہدایت کے منار: ص ۲۰۲)

(۳) ''حضرت مولانا سید معراج الحق صاحب دیوبندیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! اب اس زمانے میں پہلے جیسی استعداد والے فضلا کیوں تیار نہیں ہوتے؟ فرمایا کہ پہلے زمانے میں ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں اور فقہ، اصول، ادب، فلسفہ اور منطق کی کتابیں محنت سے پڑھتے تھے اور اس میں اتنا وقت لگتا تھا کہ ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت اخذ پختہ ہوجاتی تھی، اس کے بعد ہدایہ آخرین، حسامی، بیضاوی اور دیگر علیا کی کتب سمجھنا ان کے لیے آسان ہوتا تھا، اب جو طلبا کم عمری میں اوپر کے درجے میں پہنچ جاتے ہیں ان کی ذہنی صلاحیت ان اونچی کتابوں کے دلائل سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہوتی، پھر فرمایا کہ ''ہدایہ آخرین'' میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہورہا ہے۔'' (حوالہ بالا: ص ۸۶ بتغییر)

(۴) فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت! حدیث شریف کے قابل اساتذہ نہیں مل رہے، فرمایا جی ہاں! اب ہم انور شاہ اور شبیر احمد عثمانیؒ کو قبر سے نہیں لاسکتے، اب جو موجود ہیں انہی کو بنانا پڑے گا اور فرمایا کہ ''دوسرے اداروں میں جو اچھے مدرس کام کرتے ہیں اگر وہ مخلص ہیں تو اپنی جگہ چھوڑیں گے نہیں اور جو چھوڑیں گے تو کوئی نہ کوئی بات ہوگی، اس لیے نوجوان باصلاحیت اساتذہ کو ہی تربیت دے کر آگے بڑھانا ہوگا۔''

حضرت دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی اس رائے کی بعد میں بڑی قدر ہوئی۔ (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۵۷)

حضرت دامت برکاتہم کا حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ اور آپ کی کتابوں سے لگاؤ:

حضرت دامت برکاتہم ماضی قریب کے اکابرین میں سے جس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں اور جس شخصیت نے آپ کے قلب و دماغ پر گہری چھاپ چھوڑی ہے، وہ شخصیت ہے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ اور ان کی جھلک حضرت دامت برکاتہم العالیہ کی تقریر و تحریر اور آپ کی ہر ایک ادا میں نظر آتی ہے، حضرت دامت برکاتہم خود لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے اس بات کے اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ میری فکر و نظر کو مولانا کی کتابوں نے جلا بخشی ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے مولانا اور آپ کی کتابوں سے اتنا تعلق ہوا کہ عربی اور اردو کی اکثر کتابیں خرید کر یا کتب خانے سے حاصل کر کے پڑھ ڈالیں، بعض کتابوں کو اس طرح پڑھا کہ عربی اور اس کا ترجمہ دونوں سامنے رکھا اور ایک ایک قطعہ پڑھتا جاتا اور ترجمہ پر غور کرتا جاتا تھا، اس طرح عربی زبان اور اس کی اردو تعبیر کا ڈھنگ بھی معلوم ہوا۔'' (حوالہ بالا)

حضرت کے والد مرحوم بھی بزرگوں کے قدردان تھے:

حضرت والا کا بزرگوں سے تعلق رکھنا، ان سے جڑے رہنا، ان سے استفادہ کرنا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز آپ کو والد مرحوم سے گویا کہ وراثت میں ملی تھی، حضرت خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

> ''میرے والد صاحب اسکول کے ماسٹر تھے اور دینی علم اتنا زیادہ پڑھے نہیں

تھے، لیکن اخیر تک میں نے دیکھا کہ ان کے عقائد بالکل صحیح اور مضبوط تھے اور جو چیزیں حضرت تھانویؒ سے انہوں نے سن رکھی تھیں ان میں وہ اتنے مضبوط تھے کہ ذرا سی بھی رعایت ان میں نہیں کرتے تھے۔''

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

''والد صاحب چوں کہ تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کے پاس جا چکے تھے وہاں رہے تھے تو انہوں نے ہم لوگوں کو بچپن میں یہ بات سکھلائی کہ آپ اپنا جوتا ایسی جگہ نہ اتاریں کہ آنے جانے والے کا پیر اس میں الجھ جائے اور وہ آدمی گر جائے، آپ اپنا جوتا ایک طرف نکالیے، میں چھوٹا تھا تب سے میرے والد صاحب نے میری یہ عادت ڈلوائی کہ جوتا اس طرح رکھیں اور یہ حضرت تھانویؒ کی تعلیم کا اثر تھا۔''

اسی طرح حضرت کے والد مرحوم تھانہ بھون سے واپسی میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے اور دو تین دن وہاں قیام فرمایا تھا۔ (رشد وہدایت کے منار: ص ۱۱۰، بتغیر)

تعمیر مسجد:

حضرت دامت برکاتہم نے اپنے گاؤں ''کاپودرا'' میں ایک مسجد ''مسجد عائشہؓ'' بھی اپنی کوشش سے تعمیر فرمائی ہے اور اس مسجد میں جب اکابر کی کاپودرا آمد ہوتی ہے تو ان کا بیان رکھا جاتا ہے اور اسی طرح علمائے کرام کو جمع کر کے وہاں تعلیمی اور تربیتی پروگرام بھی رکھے جاتے ہیں، اسی طرح رمضان المبارک میں پورا رمضان المبارک حضرت اس مسجد میں وعظ و نصیحت کی مجلس کا بھی انعقاد فرماتے ہیں، ۲۰۰۸ء میں آپ نے خود پورا مہینہ یہ خدمت انجام دی اور دو سال پہلے رمضان المبارک

میں جامعہ قاسمیہ کھروڈ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم نے یہ خدمت انجام دی۔

حضرت دامت برکاتہم کی طرف سے چند مفید کتابوں کی نشان دہی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸ر صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون عرض این کہ بندۂ ناچیز کی رائے یہ ہے کہ نوجوان علما کو اپنے اسلاف کی سیرت وتاریخ اور ان کے عظیم کارناموں سے واقف کرانے کے لیے جو پروگرام مرتب کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل کتب منگوا کر احباب کو ان کا مطالعہ کروایا جائے تو بہت نفع کی امید ہے، آں محترم کی رائے اور مشورہ اس کے علاوہ اور کتابوں کے بارے میں ہو تو مطلع فرمائیں، اگر آپ کے حلقہ میں یہ کتابیں ہوں تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے، نہ ہوں تو مہیا کرنے کی سعی کی جائے، بہر حال اب سنجیدگی سے اس پر غور فرما کر ممنون فرمائیں۔

☆......(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

☆......(۲) حیاۃ الصحابہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

☆......(۳) تاریخ دعوت وعزیمت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۴) سیرت سید احمد شہیدؒ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۵) تذکرۂ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ☆......(۶) تذکرۂ مجدد الف ثانیؒ

☆......(۷) تذکرۃ الرشید

☆......(۸) تذکرۃ الخلیل

☆......(۹) حیات الامام محمد قاسم النانوتویؒ خدمات، کارنامے

☆......(۱۰) تذکرۂ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

☆......(۱۱) تذکرۂ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

☆......(۱۲) نقش حیات مولانا حسین احمد مدنیؒ

☆......(۱۳) تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزادؒ

☆......(۱۴) تذکرۂ مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوریؒ

☆......(۱۵) سوانح مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ

☆......(۱۶) سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

☆......(۱۷) سوانح مولانا احمد سعید دہلویؒ

☆......(۱۸) سوانح مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ

☆......(۱۹) سوانح مولانا محمد علی جوہرؒ

☆......(۲۰) سوانح مولانا ظفر علی خانؒ

☆......(۲۱) سوانح حسرت موہانیؒ

☆......(۲۲) سوانح مولانا سجاد صاحب بہاریؒ

☆......(۲۳) سوانح مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

☆......(۲۴) کاروان زندگی مکمل از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۲۵) علمائے ہند کا شاندار ماضی از مولانا محمد میاںؒ

☆......(۲۶) تذکرۂ امام حسن البناء

☆......(۲۷) تاریخ اخوان المسلمین

☆......(۲۸) تذکرۂ حکیم عبدالحمید دہلوی

☆......(۲۹) تذکرۂ مولانا محمد یوسف بنوریؒ

☆......(۳۰) تذکرۂ مولانا عبید اللہ سندھیؒ

☆......(۳۱) تذکرۂ مولانا احمد علی لاہوریؒ

☆......(۳۲) تذکرۂ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

☆......(۳۳) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

☆......(۳۴) تذکرۂ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفا

☆......(۳۵) حیات شبلی

☆......(۳۶) سیرت سید سلیمان ندویؒ

☆......(۳۷) غازی محمود احمد

☆......(۳۸) آپ بیتی حضرت شیخ الحدیثؒ

☆......(۳۹) اشرف السوانح حضرت تھانویؒ

☆......(۴۰) تحریک ریشمی رومال

☆......(۴۱) سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

☆......(۴۲) حیات طیب حکیم الاسلامؒ

☆......(۴۳) حیات مولانا محمد احمد صاحبؒ

☆......(۴۴) حیات مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلما، لکھنؤ

☆......(۴۵) یادوں کی امانت

☆......(۴۶) آب کوثر ☆......(۴۷) رود کوثر

☆......(۴۸) موج کوثر ☆......(۴۹) تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات

عزم وحوصلہ:

حضرت مولانا کی شخصیت میں ایک بات یہ محسوس کی کہ آپ عمر کے اعتبار سے تواسی سال سے اوپر کے ہو چکے ہیں، مگر آپ کا حوصلہ، آپ کے عزائم، آپ کی ہمت اور آپ کا مطالعہ بالکل جوان ہے بل کہ جوانوں کو بھی شرمانے والا ہے۔

دعائیہ کلمات:

تم سلامت رہو ہزار برس
اور ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اخیر میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم العالیہ کو صحت و عافیت کے ساتھ درازیٔ عمر عطا فرمائے اور ان سے امت کے بہت سے حلقوں کو جو رہ نمائی مل رہی ہے اسے عام اور تام فرمائے اور ہمیں صحیح معنوں میں حضرت دامت برکاتہم کے فیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت مفکر ملت مدظلہ اپنے
اوصاف وملفوظات کے آئینہ میں

بقلم
حضرت مولانا مفتی زکریا آکودی صاحب مدظلہ
صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ، ماؤنٹ پلیزنٹ، باٹلی، برطانیہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بندۂ عاجز کی طالب علمی فلاحِ دارین میں ۱۹۸۴ء سے شروع ہوکر ۱۹۹۴ء تک جاری رہی، اس اعتبار سے حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب ادام اللہ فیوضہم کے اہتمام کے اواخر میں جانا ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت والا ایک بے مثال عالمِ دین، منتظم، مربی، یادگار سلف، صاحب فراست اور بابصیرت شخصیت ہیں جن کا اس دورِ قحط الرجال میں ملنا مشکل ہے۔

سحر خیزی:

حضرت سے وابستہ کوئی بھی فرد سب سے پہلے اس بات کو محسوس کرے گا کہ حضرت والا کی سحر خیزی نمایاں تھی، کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضرت کا قیام ترکیسر میں ہو اور تہجد کے وقت سے پہلے حضرت دار العلوم فلاحِ دارین کی مسجد میں مستغرق فی العبادت نہ ہوں، حضرت والا اسلاف کا ایک مثالی نمونہ تھے۔

پابندیٔ وقت:

حضرت والا وقت کے بے حد پابند تھے اور اس پر بے حد زور دیتے تھے، خود وقت سے پہلے مدرسہ میں پہنچتے اور کبار وصغار سب کے لیے وقت کے پابند بننے کا عملی ثبوت وآمادگی فراہم کرتے، اس ضمن میں یاد آیا کہ پندرہ اگست کا روز ہندوستان میں یوم آزادی کا ہوتا ہے اور مدرسہ میں تعلیم نہیں ہوتی ہے، اس سال یہ طے ہوا کہ صبح ۸:۳۰ کو جلسہ ہوگا، طلبہ بعد فجر دار الاقامہ میں چلے گئے اور حضرت والا حسبِ عادت

۸:۱۵ کو جب تشریف لائے تو جلسہ گاہ میں ابھی کوئی نہیں تھا، فوراً مولانا یوسف ٹنکاروی اور کچھ طلبہ کو دارالاقامہ بھیجا کہ سب طلبہ کو بلالاؤ پھر درمیان جلسہ میں خطاب کے دوران اکابر آزادی کے واقعات اور حضرت عمرؓ کے تاریخی جملہ **"متي استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحراراً"** بیان کر کے طلبہ کے ضمیر کو للکارتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ کیسے آزادی کے سپاہی بنیں گے جب کہ دارالاقامہ سے جلسہ گاہ میں وقت پر نہیں آتے اور بلانے بھیجنا پڑتا ہے۔

طلبہ کو منظم اور پابند ہونے پر بار بار زور دیتے اور یہ جملہ دوہراتے **"النظام والانتظام ضروريان للبشر"**۔

تعلیم کے تعدد طرق:

تعلیمی ترقی میں جدید اسلوب اور کارآمد طرق کو اپنانے اور ان کی جستجو کرنے کو اہمیت دیتے ہوئے فرمایا: طریقۂ تعلیم کی تبدیلی سے انقلاب پیدا ہوتا ہے، ہمارے اندر یہ چیز ہونی چاہیے کہ کہیں سے کوئی چیز اچھی ملتی ہو تو ہمیں جا کر سیکھنی چاہیے، علمی غرور سے اللہ حفاظت فرماوے، آمین! آدمی ہر وقت اس تلاش میں رہے کہ بہتر سے بہتر چیز ہمیں کہاں سے ملے۔

"الحكمة ضالة المؤمن" بلیک بورڈ کے استعمال پر زور دیا تو کسی نے کہا کہ اسلاف کا طریقہ یہ نہیں، حضرت نے اس پر فرمایا یہ ذہن صحیح نہیں ہے، یہ جو تہذیب ہے کہ ہم ایک چیز کو پکڑ کے رکھتے ہیں ہم یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہمیں کوئی نئی چیز اپنانی چاہیے، سکھانی چاہیے، اس چیز نے ہمیں بہت پیچھے دھکیلا ہے۔

اعلیٰ زبان سیکھنا:

اعلیٰ زبان سیکھنے پر زور دیتے تھے اردو، عربی اور انگریزی سب کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر سیکھنے کا زور دیتے، ہر زبان کا محاورہ ہوتا ہے اس کو سمجھنے کی تلقین فرماتے، حضرت فرماتے تھے "**إنما اللغة بالسماع**" ایک مرتبہ برطانیہ میں فرمایا: آپ اس ملک میں آئے ہیں تو بہترین اعلیٰ معیار کی انگریزی سیکھیں، جس قوم کو ہمیں خطاب کرنا ہے اس قوم کی معیاری زبان ہمیں نہیں آتی تو ہم کام نہیں کر سکتے، یہ ہماری کمزوری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اس رسول کو بھیجا جو اس کی زبان کو جانتا ہو "**وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه**" ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس قوم کی زبان میں۔

کتابوں سے محبت:

کتب اور کتب خانوں سے ایک عجیب تعلق وعشق ہے، حضرت دنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں گے وہاں کے اہلِ علم اور کتب خانوں کی زیارت ضرور کریں گے، اپنے متعلقین علما اور ادارہ کو جدید کتب کے بارے میں برابر باخبر کرتے رہیں گے، یہاں تک کے کتابوں کی گٹھریاں (بنڈل) بنا بنا کر بھیجتے، ان کتابوں کے مطالعہ پر زور دیتے اور طلبہ کو مطالعہ کے وسیع کرنے پر ہر دم نصیحت فرماتے رہتے ہیں، اس میں علما اور طلبہ کے جمود پر اظہار افسوس بھی کرتے رہتے ہیں، دو سال قبل حضرت نے متعدد جگہوں پر کئی کتب کا پارسل بھیجا، حضرت نے اظہار افسوس فرمایا کہ ان سے فائدہ ہوا یا نہ ہوا یہ تو درکنار ملنے کی بھی اطلاع نہیں۔

مزاج شناسی:

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بصیرت اور فراست عنایت فرمائی ہے، آدمی کو اس کے طور وطریق سے بھانپ لیتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت کا قیام ایک ادارہ میں دو روز کے لیے تھا بندہ بھی موجود تھا، دو روز کے بعد منتظم کو تحریراً ان کی ہی درخواست پر تقریباً ۲۴ قابل اصلاح امور دیے، سارے امور حضرت نے دو دن کے معاینہ میں نوٹ کیے، اس سے قبل کسی نے ان کی کمی کمزوری ان کو بتائی نہیں تھی۔

انکساری:

حضرت استاذ الاساتذہ ہیں، علما کی ایک کثیر تعداد کے سرپرست ہیں، کئی ادارے آپ کے ماتحت ہیں، اس کے باوجود انتہائی متواضع اور منکسر المزاج ہیں، بندہ کو بخوبی یاد ہے کہ علمائے باٹلی کی ایک مجلس کی ابتدا میں ہم نے دعوت خطاب دیتے وقت یہ کہا کہ حضرت سے درخواست ہے کہ ہمیں نصیحت فرمائیں، حضرت نے اپنے خطاب کے شروع میں فرمایا، مولوی زکریا نے کہا کہ ہمیں نصیحت کریں گے، میں تو ایک ادنی طالب علم ہوں، نصیحت نہیں کرسکتا ہوں، ہاں! ہم لوگ آپس میں مذاکرہ کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم نے طالب علمی کے دوران کئی بار طلبہ کو تعلیم دیتے ہوئے حضرت سے سنا کہ چھوٹی کتب کے بھی حوالے دے سکتے ہیں، مثال کے طور پر ایک مسئلہ ہدایہ میں ہے اور نور الایضاح میں بھی ہے تو ہم نور الایضاح کا حوالہ دے سکتے ہیں، ایک حدیث مشکاۃ اور ریاض الصالحین دونوں میں ہے تو ریاض الصالحین کا حوالہ دے سکتے ہیں، اس میں نفس کے غرور کی ایک حکیمانہ اسلوب کے ساتھ حضرت

اصلاح فرمارہے تھے، بل کہ حضرت سے یہ بھی سنا کہ جب کوئی یہ پوچھتا ہے کسی عالم سے کہ کونسی کتاب پڑھاتے ہو تو فوراً حدیث شریف اور تفسیر کی بڑی کتب شمار کرتے ہیں، ہم نیچے کے شعبوں کی کتب کیوں نہیں شمار کرتے؟

چھوٹوں کی ہمت افزائی:

حضرت ہر ایک کی بات کو توجہ دیتے اور ہمت افزائی کرتے، ایک مرتبہ علما کی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے رائے دی تو اس مقام کے پرانے ایک عالم نے فوراً اس کو رد کردیا، حضرت نے مجلس کے بعد ان مولوی صاحب سے پوری بات پھر سنی اور ان کی ہمت افزائی کی، اساتذہ کو کمزور طلبہ پر توجہ دینے پر زور دیتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی

فرمایا کہ کمزور بچوں پر محنت کریں۔

حب جاہ سے کوسوں دور:

عہدہ کا نشہ یا اس کے غلط استعمال کو کبھی نہیں دیکھا گیا، بل کہ دوران درس اہتمام کے عہدہ کو چھوڑنے سے قبل ایک بار فرمایا کہ میرا مزاج عہدہ کو پکڑے رکھنا نہیں، ۲۶ سال کے بعد دارالاقامہ میں جاتے وقت اوپر کی منزلوں میں جب میں نے محسوس کیا کہ میری سانس پھولتی ہے تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب یہ میرا کام نہیں ہے، میں نہیں پسند کرتا کہ اخیر عمر تک عہدہ کو پکڑ کے رکھوں۔

صبر وتحمل:

حضرت اپنے ناقدین اور بسا اوقات فحش خطوط لکھنے والوں کو نہ جواباً برا لکھتے نہ عند اللقاء بدسلوکی کرتے، بل کہ حسن سلوک سے ملتے اور محسوس بھی نہیں ہونے دیتے، خود بندہ کو جب ایک سابق استاذ نے فحش خط بھیجا تو حضرت نے دیکھ کر فرمایا، اس کا مختصر جواب بھیج دیں کہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، جزاک اللہ، اللہ تعالیٰ طرفین کی اصلاح فرمائے اور فرمایا کہ میرا یہی معمول ہوا کرتا تھا۔

دوسرے کے جذبات کا خیال:

ایک مرتبہ ہم لوگ مشورہ کے سلسلہ میں جمعہ کی صبح دس بجے کاپودرا پہنچے، حضرت نے پر تکلف ناشتہ کا انتظام کیا تھا، ہمارے ساتھ ناشتہ فرمایا، اس کے بعد قریب کے گاؤں میں جمعہ کے بعد کوئی دعا تھی وہاں پہنچتے ہی کھانے کا دسترخوان لگا دیا گیا، اب حضرت کے ساتھ ہم بہت جلدی کھانے سے فارغ ہوئے، اس لیے کہ تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتہ کیا تھا، دوسرے حضرات ابھی کھا رہے تھے، حضرت نے ہم سے چپکے سے فرمایا کہ آہستہ آہستہ تھوڑا کھاتے رہو تا کہ ان کو یہ لگے کہ ہم کھا رہے ہیں۔

حضرت کی بات ہر وقت جامع اور مفید:

حضرت ہر وقت موقع ومحل کی رعایت سے جامع اور مختصر انداز میں گفتگو فرماتے ہیں، جو منجانب اللہ ہر ایک کے دل کو لگتی ہے، یہ تاثر مجمع میں موجود عوام و خواص سے بارہا سنا، ایک مرتبہ مفتی علی مٹواڈی کے گھر پر باٹلی کے کافی مقامی علما موجود تھے اور حضرت مولانا سلیم دھورات صاحب بھی موجود تھے اور شاہد ملک جو

بحیثیت رکن پارلیمنٹ الیکشن میں کھڑا ہوا تھا، دعا کے لیے آیا تو حضرت نے بہت جلد ہمارے اکابر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا ابو الکلام آزاد کے الیکشن کے متعلق واقعات سنائے، اس کے بعد حضرت استنجا کو تشریف لے گئے تو حضرت مولانا سلیم صاحب نے ارشاد فرمایا اس شخصیت کے ساتھ ہر وقت ایک آدمی کو ٹیپ ریکاڈر (یا جو بھی ایسا آلہ ہو جس سے ریکاڈنگ ہو سکے) کے ساتھ رہنا چاہیے، کس وقت ان کے منہ سے کون سی بات نکلے جو ہمیں دوبارہ سننے کو نہ ملے۔

بزرگوں سے خط وکتابت:

حضرت والا کا معمول تھا کہ مدرسہ کے سال کے آغاز پر اکابر ہند کو دعا کے لیے خط لکھتے کہ پورا سال عافیت سے گزرے، اس پر حضرت نے سنایا تھا کہ ایک خط میں نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کو لکھا تھا، آپ نے اصلاحاً جوابی خط میں جہاں فقط ''اللہ'' لکھا تھا اپنی تحریر میں ''تعالیٰ'' کی صفت بڑھا دی، اس بات کی نشان دہی کرنے کے لیے کہ اللہ (تعالیٰ) کا نام تنہا نہیں لکھتے، ساتھ میں کوئی صفت بھی بڑھانی چاہیے۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت:

مولانا نے فرمایا میں بہت دکھ کے ساتھ اور معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جنھوں نے سیرت کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہوگا، اگر پوچھا جائے کہ آپ نے کتنی کتابیں سیرت کی پڑھیں، آپ نے سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کیا ہے؟ آپ نے اصح السیر کا مطالعہ کیا؟ آپ

نے رحمۃ للعالمین کا مطالعہ کیا؟ آپ نے علامہ شبلیؒ کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھی؟ آپ نے محمد حسین ہیکل کی ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو دیکھا؟ آپ نے مولانا محمد امین کی ایک کتاب ہے اس کو دیکھا؟ تو بہت سے ہمارے فارغین ہوں گے جنہوں نے ان میں سے بہت مشکل سے ایک ہی دیکھی ہوگی۔

حضرت مولانا علی میاںؒ:

حضرت مولانا علی میاںؒ سے حضرت کو بہت تعلق تھا، ان کا یہ جملہ تو حضرت کی زبانی کئی بار سنا، حضرت مولانا علی میاںؒ فرماتے تھے، تعلیم کا مسئلہ بچوں کا گھروندہ نہیں ہے، یہ جگر کو پانی کرنے اور دل سوزی کا مسئلہ ہے، وہ مدرس کامیاب ہوتا ہے جو پورے اخلاص کے ساتھ اور پوری دل سوزی کے ساتھ بچوں پر محنت کرے اور جو یہ سمجھے کہ یہ بچے جو میرے سامنے بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، **وقد ألقى القوم أمامكم أفلاذ كبدهم و أنتم مسؤلون عنهم أمام الله يوم القيامة**، لوگوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے پیش کردیا ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مسئول ہوں گے، حضرت مولانا علی میاںؒ کے الفاظ میں کہتے تھے کہ آپ حضرات (علما) زمین کا نمک ہیں، حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے زمین کے نمک میں اگر پھیکا پن آجائے تو کھانا بے مزہ ہوجاتا ہے، علما اگر اپنا کردار چھوڑ دیں اور اپنی ذمے داری پوری نہ کریں تو قوم میں کچھ نہیں رہے گا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ ہمیشہ ایک بات فرماتے تھے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ جملہ اپنے دل پر نقش کرلو، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اس کو سنہرے الفاظ میں لکھ کر لٹکالو، اس کی ضرورت نہیں، اپنے دل پر نقش کرلو کہ **أَيُنْقَصُ الدِّينُ وَ أَنَا حَيٌّ**۔

استغنا:

دسمبر ۲۰۱۶ء میں کاپودرا ملاقات کی غرض سے حاضری ہوئی، حضرت کے گھر حاضر ہونے سے قبل کاپودرا ہی میں قاری خالد فلاحی کی عیادت کی جو فالج کے مریض تھے، حضرت نے ان کی خبر پوچھی، ان کی پست ہمتی پر حضرت نے فرمایا ہم غریب گھر کے بچے تھے، ننگے پاؤں چلتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہم سے دین کا کام لیا، دنیا کے ہر کونے میں گھمایا، ہمت پست کرنے کی ضرورت نہیں، جس وقت اللہ تعالیٰ بلالیں ہم تیار ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت اور عافیت عنایت فرمائے۔

مکتب کے مدرسین:

حضرت نے حضرت بنوریؒ سے ڈابھیل میں تقریر کے دوران سنا کہ مکتب میں جو اساتذہ پڑھاتے ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق علمائے ربّانیین ہیں : **وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔**

ابن عباسؓ فرماتے ہیں : **الذي يعلّم الصغار قبل الكبار** -وہ لوگ جو بچوں کو بڑا ہونے سے پہلے سکھاتے ہیں وہ ربانی عالم ہیں، حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ اگر یہ حضرات جو کہ مکتب میں پڑھاتے ہیں، ان کی محنتیں نہ ہوں تو میرے پاس بخاری شریف پڑھنے کون آئے گا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے ۱۹۴۸ء میں بمبئی میں دینی تعلیمی کانفرنس میں تقریر فرمائی تھی، اس میں حضرتؒ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ یہ مکاتبِ دینیہ اور مدارس اسلامیہ امت اسلامیہ کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ گجراتی لوگ دنیا میں جہاں بھی جائیں چار چیزیں ساتھ لے کر جاتے ہیں: **مسجد**، مدرسہ، سموسہ اور پاپڑ۔

مکتب کے مقاصد حضرت کی زبانی:

☆......(۱) قرآن مجید کو پوری صحت کے ساتھ پڑھایا جائے، عربی لہجے کے ساتھ پڑھا جائے، **اقرؤوا القرآن بلحون العرب**۔

☆......(۲) عقائد مضبوط کریں۔

☆......(۳) مسائل سے واقف کریں عملی مشق کے ساتھ۔

☆......(۴) سیرت سکھائیں۔

☆......(۵) صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت سے واقف کرائیں۔

☆......(۶) اچھے اخلاق پر تربیت کریں۔

☆......(۷) جو بچے مکتب سے فارغ ہو کر چلے جائیں ان کے لیے کوئی ترتیب ہو جس سے وہ جڑے رہیں۔

حضرت سے سنے ہوئے چند واقعات:

دنیا طلبی ہمارے اندر آ گئی ہے، بے نفسی پیدا کریں، یہ بات ہر اہلِ علم کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ربط رکھیں، **"مبادلة الثقافة"** تعلیمی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کو بتائیں، اس پر حضرت نے بتایا کہ بخاری شریف میں غزوات پر مولانا غلام غوث ہزاروی کی کتاب اردو میں آئی ہے "جنگ سیرت نبی کی روشنی میں"، ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "عہد نبوی میں میدان جنگ" ہے،

اس میں سب نقشے دیے گئے ہیں، جنرل محمد احمد کی کتاب حدیث دفاع ہے، ایک ملٹری جنرل کے اعتبار سے لکھی گئی کتاب ہے۔

ایک بہت بڑا مسئلہ اس وقت فضا کی آلودگی کا ہے تو شیخ یوسف قرضاوی اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا، لعنت ہے اس شخص پر جو کسی درخت کے نیچے پیشاب کرے تو یہ آلودگی سے بچانے کے لیے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہر جاری پر بھی ہو تو پانی میں اسراف نہ کرے۔

علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے میں نے سنا، جب میں ان کی خدمت میں تھا: مولوی صاحب! یہ جو ہمیں تنخواہ ملتی ہے وہ ہم جو کتاب پڑھاتے ہیں اس کا معاوضہ نہیں ہے، مسلم شریف میں پڑھاتا ہوں بھلا اس کا معاوضہ دارالعلوم مجھے دے سکتا ہے، اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیں گے، یہ جو ہمیں پیسے مل رہے ہیں وہ حبسِ وقت کے پیسے ہیں، اب اگر وقت میں کوتاہی کی تو یہ خیانت ہے دین کی، علما کے لیے مناسب نہیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کا واقعہ نقل کیا کہ ان کے یہاں ازہر کی طرف سے مصر کے استاذ عربی ادب سکھانے کے لیے آئے تو اکثر مصری حضرات کی ڈاڑھی نہیں ہوتی ہے، ایک جلسہ میں کسی نے حضرت بنوریؒ کو پرچہ بھیجا کہ حضرت یہ آپ کے ساتھ جو استاذ آئے ہیں ان کی ڈاڑھی تو ہے نہیں اور آپ کے مدرسہ میں پڑھا رہے ہیں، حضرت نے ان کو جواب دیا کہ بے شک ان کی ڈاڑھی نہیں ہے لیکن مجھے

اتنا یقین ہے کہ ان کا دل میرے دل سے زیادہ صاف ہے، یہ حضرت بنوریؒ کی بصیرت تھی، یہ سب معاملہ ان دو مصری استاذوں نے دیکھا تو حضرت بنوریؒ سے پوچھا کہ قصہ کیا ہے تو پہلے تو حضرت نے ٹال دیا کہ ان کے سامنے بات نہ آئے، لیکن انہوں نے اصرار کیا تو حضرت نے پوری بات سنائی، وہ رونے لگے اور اسی وقت حضرت سے وعدہ کیا کہ ہم ڈاڑھی رکھیں گے، وقت کی ضرورت ہے کہ ہم ظاہر پر فیصلہ نہ کریں، لوگوں کو قریب کریں، ہم لوگ بہت جلدی لوگوں کو اپنے حلقہ سے باہر کردیتے ہیں، فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ایسا ایسا ہے، یہ جو تنگ نظری ہے یہ بہت نقصان دہ ہے، **شیخ عبد المنعم النمر** دار العلوم دیوبند میں دو سال کے لیے عربی زبان سکھانے کے لیے آئے تھے تو جمعیۃ العلما کا جلسہ سورت میں ہو رہا تھا، حضرت مدنیؒ بھی اس میں تشریف لائے تھے، یہ بھی تشریف لائے تھے، میں نے شیخ نمر سے پوچھا علمائے ہند کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں تو وہ مسکرائے، پھر کہا **علماء الهند عندهم علم واسع ولكن ضيق الصدر** (علمائے ہند کے پاس علمی وسعت تو ہے لیکن دل کے تنگ ہیں) اس کی وجہ سے ہم نے بہت چھوٹے چھوٹے گروہ بنا لیے ہیں اور اس سے ہمیں بہت نقصان ہوا ہے۔

گلہائے محبت

در وصفِ مفکر ملت

بقلم

قاری خالد صاحب فلاحی کاپودروی زید مجدہ
استاذ تجوید وقراءت جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، ضلع بھروچ، گجرات

پیدائش:

حضرت مولانا کی پیدائش ''برما'' کے شہر ہیہو (HEHO) میں ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ میں ہوئی، حضرت والا کے والد محترم عرصے سے برما میں مقیم تھے اور تجارت کرتے تھے، مگر بعض حالات کے سبب ۱۹۳۵ء میں ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔

تعلیم:

۱۹۳۷ء میں دینی تعلیم کے لیے مدرسہ تعلیم الاسلام کاپودرا اور مقامی سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، ۱۹۴۴، ۴۵ء تک یہ سلسلہ جاری رہا، سات آٹھ سال کے عرصے میں قرآنِ کریم ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم مکمل کی اور سرکاری اسکول میں درجہ پنجم تک کی تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں فارسی وعربی تعلیم کا علمی سفر شروع ہوا، کچھ مدت کے لیے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور کنز الدقائق وغیرہ کتابیں پڑھیں لیکن صحت کی خرابی کے سبب دوبارہ ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل میں داخلہ لیا اور عالمیت کا کورس مکمل کیا اور ۱۹۵۳ء میں دستارِ فضیلت وسندِ فراغت جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سے حاصل کی۔

خدمات:

فراغت کے بعد مجلسِ خدام الدین سملک اور مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل میں تعلیمی وتدریسی خدمات کی ابتدا ہوئی۔ ۶۰،۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا اسماعیل صاحب گارڈی کے فرزندوں کے اتالیق کی حیثیت سے دو سال ازہرِ ہند ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام کیا، اس موقع کو غنیمت جان کر ''دارالعلوم'' کے جلیل القدر ماہرینِ علوم وفنون اساتذہ نیز سہارن پور، گنگوہ اور جلال آباد کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ ۱۹۶۰ء کے اواخر میں جامعہ ڈابھیل کے مہتمم جناب حضرت مولانا سعید صاحب بزرگؒ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ازسرِ نو تنظیمی اور تعلیمی خدمات میں مصروف ہوئے۔

دور اہتمام اور افراد سازی:

۱۹۶۵ء کے اواخر میں حضرت مولانا غلام محمد نور گت صاحبؒ اور اہالیانِ ترکیسر کی پُرخلوص دعوت پر ''دارالعلوم فلاح دارین'' ترکیسر تشریف لے آئے اور کم عمری کے باوجود نظامت واہتمام کی گراں بار ذمے داری آپ کے حوالہ کی گئی، حضرت والا کا معمول تھا کہ اہتمام کے سلسلہ میں اساتذہ اور اکابرین کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ اور رائے معلوم کرتے، اسی کی یہ برکت رہی کہ حضرت والا کا دورِ اہتمام بہت ہی کامیاب اور ممتاز رہا، طلبہ کی تعلیمی وتربیتی زندگی کو نکھارنے اور اجاگر کرنے کے لیے جید الاستعداد مدرسین کی تلاش میں ہندوستان کے اُس زمانے کے تھکا دینے والے طویل اسفار کئے اور ان کی علمی پیاس بجھانے کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہایت قیمتی اور نادر کتابوں کا ایک بہترین کتب خانہ مہیا کیا، جس کے لیے

مستقل بیرون ممالک کے اسفار کئے اور اس دور کے نایاب نسخوں سے الماریوں کو مزین کیا، تاکہ اساتذہ وطلبہ ضرورت پڑنے پر اس سے اپنی علمی تشنگی بجھا سکیں، ایسے قدیم اور پرانے نسخے جن کے حواشی وغیرہ سے اساتذہ دقیق بحثیں بھی بہت ہی کم وقت میں حل فرمالیتے تھے۔ راقم الحروف کے محسن ومربی استاذ محترم جناب حضرت مولانا قاری مقری محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت رئیس محترم ''فلاح دارین'' کے کتب خانہ میں ہر فن کی کتابیں جمع فرماتے اور متعلقہ فنون کے اساتذہ کو ان کتابوں سے باخبر بھی کرتے، حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرے ہی دن ہم وہ کتاب کتب خانہ سے وصول کر لیتے اور مطالعہ شروع کر دیتے اور جب ہفتہ دس دن پر ملاقات ہوتی تو پوچھتے کہ وہ کتاب کیسی پائی؟ اس میں کیا کیا بحثیں ہیں، کوئی نئی بات سامنے آئی کہ نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح حضرت والا نے اپنے دورِ اہتمام میں ہر فن کے رجال تیار کر کے امت کی خدمت میں پیش کئے۔ اور سب سے بڑا کمال حضرت والا کا یہ تھا کہ ہر فن کو اپنا فن سمجھتے تھے اور ہر استاذ کو اس کا واجب مقام واحترام دینے سے نہیں چوکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی فن ایسا نہیں چھوڑا جس کے باکمال اساتذہ فلاح دارین میں موجود نہ ہوں اور حضرت والا کے متعلق محدثِ جلیل، زمانے کے رازی وغزالی اور طیب ثانی استاذ محترم شیخ الحدیث جناب حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت والا کے دور اہتمام میں ''فلاح دارین'' نے بہت مختصر مدت میں شہرت ومقبولیت حاصل کر لی اور لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوگیا۔ اس پر علامہ شاطبی علیہ الرحمہ کا ایک شعر یاد آتا ہے **''جزی اللہ بالخیرات عنا أئمة''** اللہ پوری امت کی

طرف سے عموماً اور ہم ابنائے جامعہ کی طرف سے خصوصاً حضرت والا دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ **آمین یا رب العالمین!**

بقول استاذ محترم جناب حضرت قاری مقری محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم حضرت والا کی ذات گرامی ہمارے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتی ہے، جن کی صحبتِ بابرکت سے اس حوصلہ شکن دور میں کچھ لکھنے پڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے اور ڈاون شدہ بیٹری چارج ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے سایۂ عاطفت کو باعافیت وسلامت باکرامت تا دیر قائم رکھیں۔ **آمین یا رب العالمین!**

اس وقت جب کہ حضرت مفکرِ ملت ہفتہ میں تین دن ''فلاح دارین'' تشریف لاتے تھے اور اہتمام اس درجہ کہ ابھی طلبہ چائے نوشی سے فارغ نہیں ہوتے کہ حضرت والا ''فلاح دارین'' میں حاضر ہو جاتے تھے، اس وقت کے شیخ الحدیث، تفسیر وحدیث کے نکات واسرار کے شہنشاہ جناب حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ نے ''فلاح دارین'' کے مہتمم جناب حضرت مولانا خلیل احمد راوت صاحب دامت برکاتہم سے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا کو ہاتھ سے نہیں بل کہ دانتوں سے مضبوطی سے پکڑو، حضرت تین دن تشریف لاتے ہیں اور ہمیں تقویت ملتی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت والا دامت برکاتہم سے ان کے خلوص اور تقویٰ کی برکت سے اور اساتذۂ کرام اور بزرگانِ دین کی دعاؤں کی برکت سے اتنی بڑی خدمت لی ہے، ہم ذاتِ باری تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت والا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **آمین یا رب العالمین!**

ہندوستان کے طویل اسفار:

حضرت مفکر ملت نے ''فلاح دارین'' کی فلاح کے لیےاس زمانے میں جب کہ ہندوستان کے راستے اتنے اچھے نہیں تھے،سواریاں اتنی آرام دہ نہیں تھیں تنہا ملک گیر دورے کئے اور ماہر اساتذہ کی ایک کھیپ کو جامعہ میں جمع فرمایا،اس حسنِ انتخاب کی نظیر آج ملنا مشکل ہے، چناں چہ ''فلاح دارین'' کے سب سے پہلے شیخ الحدیث جناب حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں، اسی طرح شیخ الحدیث وصدر مفتی حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحب نور اللہ مرقدہ،فکرِ طیب کے ترجمان، ماہرِ غزالیات اور علامہ آلوسی کے علوم کے محافظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اور مختلف صلاحیتوں اور اوصاف کے حامل شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ اور وقت کے مفسر و محدث وفقیہ حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ وغیرہ اساطین علم وفضل کو جمع فرمایااور اسی طرح سلسلۂ محبیہ کے محافظ، عاشقِ رسول، جناب قاری محب الدین صاحب کے صحیح جانشین حضرت جناب قاری انیس احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفکر ملت رئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت فیوضہم کی گزارش پر دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر گجرات تشریف لاکر قراءات سبعہ وعشرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایااور اس فن میں گراں قدر تصانیف چھوڑیں۔ان تمام حضرات نے درس گاہوں

کی پر سکون فضا میں محنت فرما کر ایک بہت بڑی فوج تیار فرمائی، جن میں راقم الحروف کے اساتذہ اور دیگر علمائے کرام موجود ہیں۔ ان سب کا سہرا بطورِ خاص مفکر ملت جناب حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت فیوضھم کے سر بندھتا ہے۔

الحمدللہ! ''فلاح دارین'' کے ہمارے اساتذہ کرام میں سے ہر ایک کو ہم نے باذوق و باکمال پایا، ہر ایک کا ایک نرالا انداز دیکھا اور یہ سب کمال حضرت والا کا ہے جنہوں نے اپنی محنت واخلاص کے ساتھ ''فلاح دارین'' کو سینچنے میں مختلف رنگ وخوشبودار گلوں کو چن چن کر جمع کیا تھا۔ آپ ہر وقت طلبہ، اساتذہ، کارکنان کو ہر طرح کی راحت فراہم کرنے کی فکر میں رہتے تھے، آپ نے سردی، گرمی، بارش اور ناخوش کن حالات کا مقابلہ کر کے ''فلاح دارین'' کو ترقی دینے اور اس کو ترقی کی معراج پر پہنچانے کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دیا تھا۔ ہمیشہ تہجد کے وقت سب سے پہلے ''فلاح دارین'' کی مسجد میں حاضر ہوتے اور ممبر کے قریب تہجد کی نماز ادا فرماتے اور دعا وتلاوت میں مشغول رہتے تھے، جب فجر کی اذان کا وقت ہوتا تو مسجد کے صحن سے طلبۂ عزیز کو آواز دیتے، ایک ہی آواز میں دارالاقامہ خالی ہو جاتا، فجر بعد مسجد میں حاضر رہتے، طلبۂ عزیز جب سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت سے فارغ ہوتے تو ایک طالب علم سے فرماتے، وہ طالب علم سب کو عربی میں دعا پڑھاتا، اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے اور چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر مدرسہ کی پہلی گھنٹی سے پہلے مدرسہ میں حاضر ہو جاتے، اس قدر وقت کی پابندی فرماتے تھے۔

مہتمم اور اساتذہ کے درمیان کا تعلق:

ایک مرتبہ ایک فلاحی عالم حضرت والا سے ملاقات کے لیے ’’فلاح دارین‘‘ کے دفتر میں حاضر ہوئے، راقم الحروف کو اس وقت حضرت والا نے کام سے بلایا تھا اور بندہ دفتر میں ہی تھا، ان فلاحی عالم نے حضرت والا سے ملاقات کے بعد خدمت کے لیے کسی جگہ کے بارے میں دریافت کیا، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ آپ تو فلاں جگہ خدمت کرتے ہیں، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میں درس گاہ میں تاخیر سے پہنچا تو مہتمم صاحب نے غصہ میں آ کر طلبہ کے سامنے ڈانٹا، اس لیے میں نے استعفا دے دیا، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ غلطی آپ کی ہے، تاخیر سے کیوں پہنچے، جاؤ اور مہتمم صاحب سے معافی مانگ کر خدمتِ دین میں مشغول ہو جاؤ، چند دن کے بعد اس مدرسہ کے مہتمم صاحب ترکیسر تشریف لائے تو حضرت والا کے یہاں ناشتہ کے دوران حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کے مدرسہ سے مولانا تشریف لائے تھے اور آپ کے متعلق بات کر رہے تھے، میں نے ان کو سمجھا کر واپس مدرسہ میں حاضری کے لیے کہا تھا وہ مولانا حاضر ہو گئے؟ اس پر مہتمم صاحب نے عرض کیا کہ جی ہاں مولانا صاحب آ گئے اور معافی مانگ کر خدمت بھی شروع کر دی، اس پر حضرت والا نے ان مہتمم صاحب سے فرمایا کہ مہتمم کو چاہیے کہ مدرسہ کے وقت کی خوب پابندی کرے اور کم از کم مدرسہ کے وقت سے تیس منٹ پہلے مدرسہ میں حاضر ہو جائے اور ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے چاروں طرف سے آنے والوں کو وہ دیکھ سکے، مدرسہ جب

شروع ہوتو تمام درس گاہوں کے باہر چکر لگائے، جوبھی استاذ کسی وجہ سے ابھی تک مدرسہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان کی درس گاہ میں جا کر طلبہ کا سبق سننا شروع کرے، اس دوران اگر استاذ کی تشریف آوری ہوتو فوراً ان کی جگہ سے اٹھ جائے اور سامنے چل کر استاذ محترم کو سلام کرے، بعد ازاں استاذ سے ان کے اور اہل خانہ کے متعلق خیریت معلوم کرے، پھر استاذ سے دعا کی درخواست کرے اور ان کی درس گاہ چھوڑ دے، ایسا کرنے سے دو یا تین دن میں استاذ کو شرم محسوس ہوگی اور وقت کے پابند بن جائیں گے، نیز فرمایا کہ اس استاذ کو دفتر میں باعزت طریقے پر بلائیں، چائے وغیرہ سے ضیافت کریں، اس کے بعد فہمائش کریں، انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا، جب تک ایسا نہیں کریں گے مدرسہ ترقی نہیں کرسکتا، حضرت والا نے دونوں کی غلطی بتائی اور دونوں سے ایک دوسرے کی معافی کے متعلق فرمایا، یہ حضرت والا کا وصفِ خاص ہے اور فرمایا جس مدرسہ کا مہتمم دیر سے مدرسہ میں حاضری دیتا ہے اس مدرسہ کے اساتذہ وقت کی پابندی نہیں کریں گے اور اساتذۂ کرام میں اگر وقت کی پابندی نہیں تو ان کے طلبہ کبھی وقت کے پابند نہیں ہوسکتے۔

اساتذہ کی رخصت اور حضرت والا کا عمل:

حضرت والا کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کوئی استاذ صاحب رخصت پر ہوں تو آپ ان سے متعلق جماعت کو دفتر میں بلاتے تھے، اس وقت کتاب کے متعلق معلومات کے علاوہ استعداد بنانے کے جو گر حضرت والا بتاتے تھے وہ یقیناً بہت قیمتی تجربات ہوتے تھے، طالب علم کو آپ کے درس سے توانائی ملتی تھی اور بیٹری چارج

ہو جاتی تھی، طلبۂ عزیز کی صرف مدرسہ کی چہار دیواری میں ہی آپ نے نگرانی و رہ نمائی نہیں فرمائی، بل کہ فراغت کے بعد بھی ان کی مسلسل فکر فرماتے تھے اور اچھی کتابوں کی طرف رہ نمائی فرمانا آپ کا وصف خاص تھا۔

راوت فیملی نے ''فلاح دارین'' کی تمام مالی و انتظامی ذمے داریاں سنبھال کر حضرت والا کو تعلیمی کام کے لیے فارغ کر دیا تھا، بالخصوص جناب حاجی غلام محمد راوت صاحبؒ، حاجی یوسف راوت صاحبؒ، حاجی موسیٰ راوت صاحبؒ اور دیگر فیملی ممبران ری یونین کی راحت بھری زندگی کو چھوڑ کر بار بار ترکیسر تشریف لاتے اور ''فلاح دارین'' کے ہر کام کو اپنا کام سمجھتے تھے، بالخصوص جناب حاجی موسی راوت صاحب علیہ الرحمہ کئی مہینوں تک گرمی کو برداشت کرتے اور مدرسہ کے ہر کام کو اپنا فریضہ سمجھتے، اور آج بھی ان کے صاحب زادے حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب راوت دامت برکاتہم وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے ہیں اور کچھ اسباق بھی پڑھاتے ہیں جس سے حضرت بڑے مسرور ہوتے ہیں، جن کی تدریسی خدمات سے حضرت والا بہت ہی خوش ہیں، یہ یقیناً راوت فیملی کے اخلاص کی برکت ہے، اللہ رب العزت راوت فیملی کی اس غیر معمولی خدمات کو خوب قبول فرمائیں، مرحومین کو جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام عطا فرمائیں۔ آمین! ہم راوت فیملی کو پوری قوم و ملت کی طرف سے عموماً اور فلاحی برادری کی طرف سے خصوصاً مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اخلاق اور حسنِ معاشرت:

آپ کے اخلاق کی مثال اس دور قحط الرجال میں ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، چناں چہ راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت والا دامت برکاتہم سنت کی اتباع میں بیمار کی عیادت کے لیے مریض کے گھر خود تشریف لے جاتے ہیں چاہے وہ مریض امیر ہو یا غریب، ایمان کی بیش قیمت دولت سے مالا مال ہو یا محروم، چھوٹا ہو یا بڑا اور اگر حضرت والا سفر میں ہوں تو بذریعہ فون عیادت کرتے اور عیادت کے وقت دعاؤں سے نوازتے اور غریب کی عیادت کے بعد مالی امداد بھی فرماتے۔ آپ کے اخلاق کی ایک اور مثال پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، کاپودرا میں ایک ڈاکیہ انکلیشور سے (TELEGRAM) ٹیلی گرام لے کر آتا تھا، حضرت والا اس کو اپنے ساتھ بیٹھنے کے لیے فرماتے تو وہ ڈاکیہ کہتا کہ میں تو ورکر ہوں جس کو آج کے دور میں (BC) قوم کہتے ہیں، اس پر حضرت والا ارشاد فرماتے کہ ارے میرے بھائی! اس میں کیا ہوا آپ انسان تو ہیں، پھر اپنے ساتھ بٹھاتے اور چائے پانی سے ضیافت کرتے، اس پر وہ شخص حضرت والا کے اس اخلاق سے اتنا متاثر ہوتا کہ حضرت کے اس اخلاق کو اپنی قوم میں جا کر نقل کرتا، اللہ رب العزت حضرت کے اخلاق کا کچھ حصہ ہم طلبہ کو بھی نصیب فرمائیں۔ **آمین یارب العالمین۔**

اکابرین کی اتباع:

اکابرین میں حضرت والا تھانویؒ کی تربیت کو سامنے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دور میں فون سے اطلاع کئے بغیر کسی کی ملاقات کے لیے نہیں جانا چاہیے

اور اطلاع کے بعد جس کے پاس گئے ہیں اپنے پروگرام سے میزبان کو واقف کر دینا چاہیے، تا کہ میزبان کے لیے مہمان کی ضیافت آسان ہو جائے۔

کھلانا پلانا ہی ضیافت نہیں:

دوسری بات حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف کھلانا پلانا ہی ضیافت میں داخل نہیں بل کہ مہمان کی ہر بات کا خیال رکھنا میزبان کا اخلاقی فریضہ ہے، یعنی مہمان اگر کسی ایسے وقت سفر کرنا چاہتے ہوں جو وقت سفر کے لیے مناسب نہیں تو مہمان کو آگاہ کرنا یہ بھی ضیافت اور حسن سلوک میں داخل ہے، اس پر حضرت والا نے اپنا ہی ایک واقعہ جو حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کے یہاں پیش آیا تھا مجلس میں سنایا کہ ایک مرتبہ جلال آباد حضرت مسیح الامتؒ کے یہاں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو ملاقات کے فوراً بعد حضرت نے اپنے پیر ومرشد حضرت والا تھانویؒ کے اصول کے مطابق سوال کیا کہ مولوی صاحب کیا پروگرام ہے؟ جواب میں اپنا پروگرام بتاتے ہوئے عرض کیا کہ شام تک آپ کی صحبت میں قیام کا ارادہ ہے اور شام کی بس سے دہلی جانا ہے تو فوراً مسیح الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو دو باتوں میں اختیار ہے یا تو کل صبح فجر بعد دہلی کے لیے روانہ ہوں یا ظہر کی نماز مہمان خانہ میں ادا کرلیں، اس وقت آپ کے لیے کھانا آجائے گا، کھانے سے فراغت پر مہمان خانہ کے باہر سواری حاضر ہوگی، اس سے بس اڈے تشریف لے جائیں، دو بجے دہلی کے لیے بس ہے، اس سے سفر کریں، رات کے وقت سفر کرنا مناسب نہیں ہے، اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ ہے مہمان کے ساتھ حسن

سلوک، اس لیے اکابرین کی اتباع کرنا چاہیے، اکابرین کی اتباع ہی میں آدمی مزاجِ سنت سے قریب ہوجاتا ہے۔

بزرگوں کی صحبت بہت ضروری ہے:

ایک اور واقعہ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ جلال آباد حاضری کا موقع ملا، حضرت مسیح الامتؒ کے یہاں اور بھی مہمان تھے، حضرت نے عصر بعد کی مجلس میں فرمایا کہ مغرب کی نماز کے بعد فوراً مہمان خانہ میں کھانے کا پروگرام رہے گا، حضرت مغرب بعد سنن ونوافل سے فراغت پر مسجد سے باہر تشریف لے آئے، ہم بھی حضرت کے ساتھ مسجد سے نکل گئے، حضرت نے ایک مہمان کے متعلق پوچھا کہ وہ صاحب کہاں ہیں؟ جواباً عرض کیا گیا کہ اوابین میں مشغول ہیں، چند قدم چلے اس کے بعد حضرت نے پھر پوچھا کہ وہ صاحب کہاں ہیں؟ پھر جواب میں کہا گیا کہ نوافل میں مشغول ہیں، مہمان خانہ کے دروازے پر حضرت نے ان کا انتظار کیا، پھر سوال کیا کہ وہ صاحب کہاں ہیں؟ پھر بھی یہی جواب ملا کہ حضرت نماز میں مشغول ہیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! لوگ ان کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں، چوں کہ وہ مہمان کالج کے تعلیم یافتہ تھے، لیکن بزرگوں کی صحبت نہیں ملی تھی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت بہت ضروری ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ مہمان کو چاہیے کہ میزبان کے وقت کی پابندی کریں، نہ کہ میزبان کو اپنے وقت کا پابند بنائیں۔

اطلاع واتباع:

ایک مرتبہ مدرسہ کی چھٹیوں میں راقم کو حضرت والا کے یہاں صبح ۹ بجے حاضری کا شرف حاصل ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ کو کوئی کام نہ ہو تو ہمیں بھروچ چلنا ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ میں گھر پر اطلاع کر دیتا ہوں، اس وقت راقم کی والدہ محترمہ حیات تھیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ ضرور آدمی کو اطلاع اور اتباع کو لازم پکڑنا چاہیے، اس لیے کہ جو شخص اپنے بڑوں کی اتباع و اطلاع کو لازم پکڑتا ہے وہ کبھی بھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھتا ہے، اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے بڑوں کی اتباع اور اطلاع جیسے عمل کو ہر وقت اور ہر جگہ لازم پکڑیں۔

بزرگوں سے ملاقات اور ان کے عمل کو دیکھنا:

حضرت والا کو بزرگوں سے ملاقات کا بہت زیادہ شوق رہتا تھا؛ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا حسین احمد مدنیؒ کوساڑی گاؤں تشریف لائے تھے، رات عشا بعد پروگرام تھا، پروگرام کے بعد حضرت اپنی جائے قیام پر تشریف لائے اور اپنے سارے معمولات سے فارغ ہو کر دیر رات سونے کی تیاری کی، حضرت مدنیؒ کے لیے نرم بستر بچھایا گیا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت والا نے خادم سے کہا کہ مجھے اسی کمرے کے ایک کونے کے اندر سونے دو تو خادم نے کہا کہ نہیں حضرت ناراض ہو جائیں گے، اس پر حضرت والا نے کہا کہ میں بالکل آواز نہیں کروں گا چپ چاپ ایک کونے میں پڑا رہوں گا۔ اس زمانہ میں جب کہ کوساڑی میں بجلی کا نظم بھی نہیں تھا،

جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت مدنیؒ نے وہ نرم بستر ایک طرف کیا اور اپنا جو بوریہ دیو بند سے لے کر چلے تھے وہ بچھایا اور گھنٹہ، دیڑھ گھنٹہ آرام کر کے اٹھ گئے، تہجد وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مدنیؒ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے اور حدیث پاک میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی کیفیت کے متعلق آتا ہے کہ **ولجوفه أزيز كأزيز المرجل من البكاء** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز ہانڈی کے ابلنے کی طرح ہوتی تھی، ٹھیک ایسی ہی آواز حضرت مدنیؒ کے سینۂ مبارک سے نکلتی ہوئی سنائی دی، حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ ہمارے بزرگانِ دین کے وہاں طویل اسفار اور لوگوں سے ملاقات یہ ساری چیزیں اپنے یومیہ معمولات میں مانع اور خلل انداز نہیں ہوتی تھیں۔

سفر اور وقت کی حفاظت:

حضرت والا ہمیشہ فرماتے تھے کہ ٹرین کا سفر ہو یا ہوائی جہاز کا ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پر ایک گھنٹہ پہلے جا کر بیٹھ جانا چاہیے، اگر عین وقت پر نکلیں تو ہوسکتا ہے گاڑی کو تیز بھگانا پڑے، جس کی بنا پر ہم کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں، نیز اگر گاڑی خراب ہو جائے تو ایسی حالت میں خدانخواستہ ٹرین یا ہوائی جہاز کے نکل جانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے جو ہمارے لیے تکلیف کا باعث ہوسکتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ایک گھنٹہ پہلے جا کر بیٹھ جائیں۔ ہم تو ٹرین یا ہوائی جہاز کا انتظار کر سکتے ہیں لیکن وہ ہمارا انتظار کبھی نہیں کر سکتے۔

ذکرِ خیر امی جان رحمۃ اللہ علیہا:

حضرت والا کی مہمان نوازی سے ہم سب بخوبی واقف ہیں، جس میں سب سے بڑا کردار امی جان کا ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف حضرت والا کے وقت کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی اولاد، مہمانوں کی کثرت اور ''فلاح دارین'' کا اہتمام، ان سب کے باوجود امی جان نے مہمانوں کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سردی ہو، گرمی ہو یا بارش، دن ہو یا رات مہمانوں کی آمد سے امی جان کی پیشانی پر کبھی بل نہیں دیکھا۔ کبھی کبھی رات کے وقت بھی مہمان آجاتے اور اس وقت کا ترکیسر ابھی کا ترکیسر نہیں تھا اور حضرت کے گھر میں فریج اور فریجر وغیرہ کا کوئی نظم نہیں تھا کہ اس میں پہلے سے ضرورت کی ساری چیزیں تیار کر کے رکھ دی جائیں، ایسی عسرت کی حالت میں بھی امی جان نے ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ مہمانوں کی مہمان نوازی کی ہے، اس کی نظیر آج کے زمانے میں ملنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ جتنی تعریف کی حق دار حضرت والا کی ذات گرامی ہے، اتنی تعریف کی حق دار امی جان بھی ہے اور آج بھی حضرت کے گھر میں مہمانوں کی کثرت کو دیکھتے ہیں وہ سب امی جان کی تربیت کا اثر ہے۔ اللہ امی جان کی قبر کو نور سے بھرے اور اپنی شان رحمت سے بہترین بدلہ ان کو نصیب فرمائے۔ **آمین یارب العالمین!**

''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے''

طلبا کی تربیت:

حضرت والا طلبا کی تربیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، بالخصوص کھانے کے وقت مطبخ میں تشریف لاتے اور قبل الطعام آدابِ طعام کا مذاکرہ کرواتے، کھانے کے دوران پورے مطبخ میں چکر لگاتے۔ ہر خوانچہ پر نظر رکھتے کہ طالب علم کیسے کھا رہا ہے؟ سنت کے مطابق یا پھر سنت کے خلاف، اگر کوئی طالب علم خلافِ سنت کھا رہا ہوتا مثلاً کوئی دیہاتی قسم کا طالب علم بڑے بڑے لقمہ بنا کر یا پھر بیچ سے کھا رہا ہوتا تو اس کو سمجھاتے کہ چھوٹے چھوٹے لقمہ لے کر اپنی طرف سے کھانا چاہیے اور سنت کے مطابق کھانا چاہیے، اس طرح آدھے گھنٹے تک مطبخ میں تشریف رکھ کر طلبا کی تربیت کی فکر فرماتے۔ نیز بہت سی مرتبہ رات کو گیارہ بجے دار الاقامہ میں تشریف لاتے اور نگرانی فرماتے کہ طلبا کیا کر رہے ہیں؟ کوئی طالب علم لہوالفعل یا لہوالحدیث کا شکار تو نہیں ہے؟ اس طرح طلبا کی تربیت فرماتے تھے۔

نظافت پسندی:

صفائی کے بارے میں تو حضرت والا کی کچھ نرالی ہی شان ہے، جس کا بین ثبوت حضرت والا کا دوراہتمام ہے جس میں حضرت والا ہر جمعہ کو دار الاقامہ کی طرف تشریف لے جاتے اور طلبا کو کمرے کی صفائی کا حکم کرتے اور خود نو یا ساڑھے نو بجے تک تشریف رکھ کر نگرانی فرماتے اور جب کمرے کی صفائی ہو جاتی تو ہر ہر کمرے میں جا کر ہر طالب علم کا بستر اٹھا کر دیکھتے کہ کہیں کھٹمل تو نہیں ہے، اسی طرح دیواروں کی طرف نظر کرتے کہ کہیں مکڑی نے جالے تو تنے ہوئے نہیں ہیں؟ اسی طرح ہر ہر

صندوق کے پیچھے دیکھتے کہ کہیں کوڑا کرکٹ تو جمع نہیں ہے؟ غرض کہ مکمل طور پر ہر ہر کمرے کو دیکھتے کہ سب چیزیں سلیقے سے ہیں یا نہیں؟ اس طرح صفائی کا اہتمام کرواتے اور طلبا کو صفائی کا عادی بناتے، یہ ہے حضرت والا کی نظافت پسندی، ہمیں چاہیے کہ اس سے سبق حاصل کریں۔ پھر ساڑھے نو بجے کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور بہت ہی جلد واپس جمعہ کے لیے مسجد آ جاتے اور طلبہ کو جلد مسجد کی طرف آنے کے لیے آواز دیتے اور انابت الی اللہ و تلاوت قرآن وغیرہ کی ترغیب دیتے۔

أولئک أبائي فجئني بمثلهم

إذا جمعتنا یا جریر المجامع

مہمان کے لیے پھل فروٹ:

حضرت والا فرماتے ہیں کہ کوئی مہمان آپ کے گھر ایسے وقت آیا کہ اس وقت مہمان کو کھانے کا تقاضا نہیں تو مہمان کے کمرہ میں پھل پھروٹ، چھری، پلیٹ اور دودھ وغیرہ رکھ دیں اور مہمان کو اس کی اطلاع کر دیں کہ آپ کے لیے یہ چیزیں رکھی ہیں، ضرورت پیش آنے پر استعمال کر لیں، یہ بھی ضیافت کے آداب میں سے ہے۔

مہمان کی ضیافت موسم کے مطابق ہونی چاہیے:

نیز فرماتے ہیں کہ مہمان کی ضیافت میں موسم کو بھی بڑا دخل ہے، اس سلسلے میں محی السنۃ حضرت والا ہردوئیؒ کے قصہ کو نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، سردی کا موسم اور صبح کا وقت تھا، حضرت والا ہردوئیؒ نے سب سے پہلے کمبل وغیرہ کا انتظام

فر ما کر خدام سے فر مایا کہ ان کو پہلے آرام کرنے دو، پھر تھوڑی دیر کے بعد چائے ناشتہ بھیجا، پھر گرم پانی کا انتظام کروایا اور جب ہم لوگ غسل وغیرہ سے فارغ ہو گئے تو ملاقات کے لیے بلایا، اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت والا نے فرمایا بزرگوں کے اس عمل سے پتہ چلا کہ مہمان کی ضیافت موسم کے مطابق ہونی چاہیے۔

حضرت والا کی مجالس:

اکثر عصر کی نماز کے بعد حضرت والا حاضرین کی رعایت کرتے ہوئے قیمتی نصائح سے حاضرین کو نوازتے ہیں، مکتب کے اساتذہ جو مختلف علاقوں سے تدریب کے لیے کاپودرا تشریف لاتے ہیں، ان مہمانوں سے ان کا تعارف معلوم کرتے، اس دوران اگر کوئی کہتا کہ میں تو صرف حافظ ہوں تو حضرت والا ارشاد فرماتے کہ بھائی ''صرف'' کا کیا مطلب؟ حافظِ قرآن ہونا دنیا وآخرت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پھر ان حضرات اساتذۂ کرام سے علمائے ربانیین کی تعریف فرماتے کہ علمائے ربانیین وہ ہیں جو طلبہ کو پڑھاتے ہیں ان کے صغار (چھوٹے) ہونے کی حالت میں ان کے کبار (بڑے) ہونے سے پہلے۔ اس بات سے ان اساتذۂ کرام کے حوصلوں کو بڑھاتے اور فرماتے کہ مکتب کی خدمت کو معمولی نہ سمجھو۔ اور تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے کہ بچوں کی توحید کو خوب مضبوط کرو، اس لیے کہ اسکولوں میں صرف کفریہ کلمات سکھائے جاتے ہیں اور توحید پر باقی رہنا بہت ضروری ہے، اس لیے عقیدہ کو خوب مضبوط کرو، اس کے بغیر تمام چیزیں کاغذ کے پھول ہیں۔

اگر مبلغین کی جماعت ملاقات کے لیے آجاتی تو فرماتے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے چھ نمبر میں ایک نمبر ایمان بتایا ہے تو ایمان کو خوب پختہ کرو، ایک نمبر اخلاص نیت بتایا ہے، جب تک آدمی اپنی نیت کو درست نہیں کرتا کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی، قرآن وحدیث پاک کی روشنی میں اس کو بہترین طریقہ سے سمجھاتے اور فرماتے تھے کہ ہر ساتھی کا اکرام کرو، اسی لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایک اور نمبر رکھا ہے اکرام مسلم، اکرامِ علما، یا اکرامِ حفاظ نہیں فرمایا ہے بل کہ اکرام مسلم فرمایا، معلوم ہوا کہ ہر ایک کا اکرام کرو، اکرام کرنے میں پیسے خرچ نہیں کرنے پڑتے اور اس سے آپس کی محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ مثلاً سب کو جمع کرنا ہے تو اس وقت اگر یہ کہا جائے کہ سب کو جمع کرو تو اس لفظ سے محبت معلوم نہیں ہوتی، مگر اس کی جگہ اگر یہ کہا جائے کہ احباب کو جمع کرو، اس لفظ احباب سے محبت معلوم ہوتی ہے۔

اگر محدثین، فقہا، قرا حضرات تشریف لاتے تو ان کے فن کے مطابق نصیحت فرماتے۔ غرض کہ حضرت والا مہمانوں کی حیثیت کے مطابق پند ونصائح فرماتے، ہر جماعت کے لحاظ سے خطاب فرماتے، ہر شخص ہمہ تن متوجہ رہتا، یہ حضرت والا کا وصفِ خاص ہے، جس فن پر گفتگو کرتے اس فن سے متعلق اہم معلومات نیز اس کی امہات الکتب کی طرف رہ نمائی فرماتے، ایک مرتبہ ''فلاح دارین'' کی ''**لجنة القراءة والتجويد**'' کے سالانہ مسابقتی اجلاس میں وہ باتیں بیان کیں جو بہت سے قرّا کے بس کی بات نہیں، آپ کا قراءت پر جب کلام ہوتا تو فن قراءت کے محقق معلوم

ہوتے، حضرت والا صرف قاری ہی نہیں تھے بل کہ قاری گر تھے، دل سے دعا ہے کہ اللہ آپ کے سایۂ عاطفت کو با عافیت وسلامت با کرامت تادیر قائم رکھیں۔ آمین!

مسجد عائشہ کی تعمیر:

اللہ رب العزت نے حضرت والا کی برکت سے کاپودرا میں مسجد عائشہ کی تعمیر کرادی، قصہ یہ پیش آیا کہ حضرت والا کے پاؤں میں ضعف کی وجہ سے تکلیف شروع ہوگئی، اس وقت کاپودرا میں صرف ایک ہی مسجد (جامع مسجد) تھی، ایک مرتبہ راقم الحروف سے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے دعا کرو میری یہ امید ہے کہ زندگی کے آخری سانس تک مسجد میں نماز ادا کروں، تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہوں اور سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے خاص بندے کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات کی لاج رکھ لیتے ہیں اور زبان سے نکلتے ہی ان پر قبولیت کی مہر لگا دیتے ہیں، اللہ نے کاپودرا کے ایک پٹیل خاندان (۱) کو توفیق دی جس نے وہ زمین جہاں آج مسجد قائم ہے مسجد کے لیے وقف کردی اور اللہ نے حضرت والا کی امید کو پورا کرتے ہوئے مسجد عائشہ کی تعمیر کرادی۔

---

(۱) قاری خالد صاحب فلاحی کاپودروی زید مجدہ نے اس جگہ خاندان کی صراحت نہیں کی، حضرت مفکر ملت مدظلہ کے ارشاد کی تعمیل میں یہاں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اس سے مراد خود حضرت قاری خالد صاحب کا خاندان ہے۔ مولانا اسماعیل بن مولانا عبداللہ پٹیل صاحب مدظلہ العالی)

اصل کام مسجد کی آبادی:

مسجد کی تعمیر کے بعد مسجد کو آباد رکھنے کے لیے تہجد میں بذات خود مسجد تشریف لاکر ذکر کی مجلس شروع کی، جو علما ذکر کی مجلس میں حاضر ہوتے ان کے لیے چائے ناشتہ کا انتظام خود اپنے گھر سے فرماتے اور یہ ناشتہ ذکر کی مجلس کے بعد فجر کی اذان سے پہلے ہوتا تھا، مسجد کی آبادی کے لیے رمضان المبارک میں خانقاہ کا نظام عمل میں آیا، سبھی حضرات سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ رب العزت حضرت کے گلشن کو تروتازہ رکھے۔ آمین!

مسجد عائشہ کی صفائی:

نظافت ایمان کا حصہ ہے۔ حضرت کے یہاں اس پر بڑا زور دیا جاتا ہے، ہر چیز کی نظافت کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، مسجد جو حضرت کی تولیت میں ہے بھلا وہ کیسے پراگندہ رہ سکتی ہے؛ چناں چہ کئی مرتبہ اپنے گھر کے ملازمین کے ذریعہ مسجد کی صفائی کراتے اور اس کام کی اجرت اپنی طرف سے ادا کرتے، فرماتے ہیں کہ مسجد کی صفائی کی ذمے داری ان پر نہیں پھر بھی انہوں نے صفائی کی لہٰذا وہ لوگ اجرت کے مستحق ہیں اور حدیث شریف بیان فرمائی کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کو اجرت دے دو، یہ ہے حضرت والا کے اخلاق۔ اور اگر حضرت والا کینیڈا تشریف لے جاتے تو وہاں سے بھی مسجد کے بارے میں دریافت فرماتے رہتے کہ مسجد کا نظام کیسا چل رہا ہے، فرماتے کہ مسجد کا جماعت خانہ، صحن، وضو خانہ اور طہارت خانہ کی تصویر بھیجو، یہاں تک کہ مسجد کے باہر بھی صفائی رکھنے کی تاکید فرماتے، مزید فرماتے کہ ہم

اپنے گھر کے آنگن کو گندا نہیں رکھتے تو مسجد تو اللہ کا گھر ہے، اس کے سامنے کیسے گندگی ہوسکتی ہے، یہ ہے حضرت کا ذوق عالی۔

قرآن کریم سے تعلق:

حضرت والا قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام فرماتے، ترجمہ والا قرآن ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے نیز اس کی تفسیر بھی، غرض قرآن کے متعلق تمام چیزوں کا خوب اہتمام فرماتے اور فرماتے کہ ہر عالم کو قرآن مجید کا ترجمہ اپنے پاس رکھنا چاہیے اور بار بار اسے دیکھتے بھی رہنا چاہیے، تراویح میں قرآن کریم کو پورا سننے کا معمول رہا چناں چہ حضرت الاستاذ جناب قاری والمقری محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم اچھے پڑھنے والے دو قرا کو کاپودرا بھیجتے اور ان سے فرماتے کہ آپ جن کے پاس جارہے ہیں ان کی خوب خدمت کرنا اور وقت کو خوب غنیمت جاننا، قاری صاحب کی ہدایات کے مطابق یہ قرا بھی خوب دل وجان سے حضرت والا کی خدمت کرتے اور قرآن کریم کو اچھی ادا اور حسن صوت کے ساتھ بہترین انداز سے سناتے۔ حضرت والا قرائے قرام کو ہدایت فرماتے کہ قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ اطمینان سے پڑھنا ہے کوئی جلدی نہیں کرنا ہے، اگر کوئی جلدی پڑھنے کے لیے آپ سے کہے تو میرا نام لینا کہ انہوں نے منع فرمایا ہے، حضرت والا بالتجوید وخوش الحان قاری کی قراءت کو بہت پسند فرماتے ہیں اور فرماتے کہ تجوید کی رعایت تو مکتب سے ہی ہونا چاہیے، اس وجہ سے تدریب کے سلسلہ میں جو مکاتب کے اساتذہ کاپودرا تشریف لاتے ہیں ان سے ہمیشہ بالتجوید پڑھانے کو فرماتے اور تجوید کی رعایت پر بہت زور دیتے، حضرت

والا نے صرف تجوید پر زور ہی نہیں دیا بل کہ طلبہ کو شوق بھی دلایا، (مظلوم فن شعبۂ تجوید جس کی طرف عموماً کم توجہ دی جاتی ہے اس باب میں حضرت والا اس فن کو زندہ کرنے کے سلسلے میں واحد مُہتمم ہیں جنھوں نے اپنے دورِ اہتمام میں ماہر اساتذۂ کرام کو جمع فرمایا اور اس فن شریف کو حیات بخشی)۔

وہ اپنی ذات میں خود انجمن ہے
اگرچہ تنہا ہے مگر پھر بھی چمن ہے

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے حضرت والا کی خدمات کو قبول فرمائے، حضرت والا تراویح اور نمازوں میں پورا دھیان لگا کر قرآن کریم کو اس طرح سنتے ہیں کہ عذاب کی آیات پر جہنم کے دردناک منظر پر نماز میں رونے کی آواز آتی اور یہ منظر حضرت والا کی انفرادی تلاوت میں بھی بارہا دیکھنے میں آیا۔

حضرت والا ہر روز ان قرائے کرام کو مبارک باد پیش کرتے، ان کے حوصلے کو بلند کرتے اور تجوید کے اوپر خوب توجہ دلاتے اور علامہ جزری علیہ الرحمہ کا شعر ہمیشہ حضرت والا کی نوک لسان رہتا۔

والأخذ بالتجويد حتم لازم
من لم يجود القرآن اثم

اللہ رب العزت حضرت والا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت والا کی طرح ہم وارثین انبیا کو بارانِ رحمت کی کچھ چھینٹیں حاصل کرنے والے بنائے، اسی طرح اللہ رب العزت حضرت قاری والمقری محمد صدیق صاحب

فلاحی سانسر ودی دامت برکاتہم کو بھی خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے خوش الحان قرا کو بھیجنے کا اہتمام فرمایا اور حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کا یہ عمل اخیری دس سالوں سے جاری ہے، جب سے مسجد عائشہ وجود میں آئی ہے، اللہ حضرت قاری صاحب کے اس عمل کو بھی قبول فرمائے اور ہم تمام کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

حضرت والا کا تعلق مع اللہ:

حضرت ہمیشہ یہ فرماتے ہیں کہ کثرت سے درود شریف پڑھو اور استغفار کی کثرت رکھو، بڑے بڑے مسائل ان دونوں چیزوں کی وجہ سے حل ہو جاتے ہیں، اللہ ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

حضرت والا نے فرمایا کہ درود شریف اور مناجات کو اپنی زندگی کا حصہ بنالو، رات دن کے دوسرے معمولات کے ساتھ مناجات حضرت کی زندگی کا ایک حصہ بنا رہا، یومیہ ''**الحزب الأعظم**'' خوب پابندی کے ساتھ پڑھتے اور اپنی مجالس میں مناجات کے متعلق تاکید فرماتے اور علامہ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ کی مناجات کے اشعار کو حضرت والا بہت پسند فرماتے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ کے مناجات کے اشعار بھی پیش کردوں، تاکہ اللہ رب العزت ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مناجات بجناب مجیب الدعوات

ازقلم: شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمۃ

بادشاہا جرمِ مارا در گزار ما گنہگاریم و تو آمرزگار
تو نِکو کاری و ما بد کردہ ایم جرمِ بے اندازہ بے حد کردہ ایم
سالہا در بندِ عصیاں گشتہ ایم آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم
دائماً در فسق و عصیاں ماندہ ایم ہمقرینِ نفس و شیطاں ماندہ ایم
روز و شب اندر معاصی بودہ ایم غافل از امر و نواہی بودہ ایم
بے گناہ نگذشت بر ما ساعتے با حضورِ دل نہ کردم طاعتے
بر درآمد بندۂ بگریختہ آبروئے خودِ بعصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطفِ تو زاں کہ خود فرمودۂ **لاتقنطوا**
بحرِ الطافِ تو بے پایاں بود نا امید از رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطاں زد کریما راہِ من رحمتت باشد شفاعت خواہِ من
چشم دارم از گناہ پاکم کنی پیش ازیں کاندر لحد خاکم کنی
اندر آں دم کز بدن جانم بری از جہاں بانورِ ایمانم بری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق عمل میں فائدہ:

حضرت والا دامت برکاتہم جب کینیڈا سے اپنے وطن مالوف کاپودرا تشریف لائے تو حضرت والا کے پاس حاضری کا موقع ملا، ایسی بیماری، ضعف، سفر کی تھکاوٹ کے باوجود کتابوں کے سلسلہ میں بات کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اگر کوئی بھی عمل کیا جائے تو اس عمل کی وجہ سے اپنے تو اپنے غیر بھی اپنے ہوجاتے ہیں، اس پر حضرت نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ گجرات میں قومی دنگا چل رہا تھا، چاروں سمت نفرت کی ہوائیں تھیں، اس وقت بمبئی کے میرے ایک دوست ''حاجی آدم میمن صابون والا'' اپنے کسی کام سے کاٹھیاواڑ جارہے تھے، راستہ میں ایک فیملی کو دیکھا جس میں مرد، عورت، بچے اور بچیاں سب تھے اور راستہ پر چلنے والی تمام گاڑیوں کو ہاتھ سے اشارہ کررہے تھے، اتنے میں حاجی صاحب کا گزر ہوا، لیکن اس شخص نے حاجی صاحب کو اشارہ نہیں کیا، حاجی صاحب کچھ آگے جانے کے بعد واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟ اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ گاڑی میں ڈیزل (Deisel) ختم ہوگیا ہے، حاجی صاحب نے کہا کہ کوئی بات نہیں میرے پاس ہے میں آپ کو دیتا ہوں، حاجی صاحب چوں کہ تاجر آدمی تھے اس لیے انہوں نے پوچھا کہ بھائی آپ نے سب گاڑیوں کو ہاتھ کیا مگر آپ نے مجھے ہاتھ کیوں نہیں کیا، اس پر اس شخص نے شرمندگی سے کہا کہ سب میرے جارہے تھے وہ جب گاڑی نہیں ٹھہرا رہے تھے اور آپ تو ''میاں'' ہو، اس لیے میں نے آپ کو ہاتھ نہیں کیا، اب موقع پاکر حاجی صاحب

نے دعوت کا کام شروع کیا اور فرمایا کہ ہم جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہر مصیبت زدہ کی مدد کرو، یہ نہیں فرمایا کہ وہ مصیبت زدہ مومن ہی ہو، بل کہ عام فرمایا ہے کہ ہر مصیبت زدہ کی مدد کرو، اس پر وہ شخص اتنا متاثر ہوا کہ ایسے تنگ دلی کے ماحول میں بھی وہ حاجی صاحب کو اپنی بستی میں لے گیا اور حاجی صاحب کی ضیافت کی اور اپنی قوم و برادری میں اس شخص نے پورا واقعہ نقل کیا، اس واقعہ کو حضرت والا نے نقل فرماتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے میں ہی کامیابی ہے، جس پر عمل کرنے سے اپنے تو اپنے غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں۔

علما و صلحا کی آمد:

حضرت جب ''فلاح دارین'' میں تھے اس وقت ''فلاح دارین'' میں بڑے بڑے علما و صلحا تشریف لائے اور اب یہ بات بحمدہ تعالیٰ کاپودرا کو بھی حاصل ہوگئی، حضرت علما اور مشائخ کی آمد سے بہت خوش رہتے، ان کی ہر بات کا لحاظ رکھا جاتا، ان کی طبیعت کے مطابق کھانا کھلانا وغیرہ ہر چیز کا لحاظ رکھا جاتا، فرماتے کہ ہر شخص دنیا میں اپنی روزی کھاتا ہے، چاہے اپنے دسترخوان پر یا آپ کے دسترخوان پر، اس لیے کھلا کر خوش ہونا چاہئے، اس لیے کھلانا پلانا یہ سعادت کی بات ہے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء!**

فضولیات سے احتراز:

حضرت والا نے فرمایا ہر چیز کے آداب شریعت میں ہیں اور آداب کی بجاآوری ضروری ہے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، جس سے بسا اوقات سامنے

والے کوتکلیف ہوتی ہےاور تکلیف دینا حرام ہے، حضرت والا نے مثال پیش کی کہ مثلاً آپ نے کسی کوفون کیا توفون کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ سلام کے بعد سب سے پہلے یہ سوال کریں کہ اس وقت بندہ آپ سے بات کرسکتا ہے، اس لیے کہ سامنے والا مخاطب کس حالت میں ہے؟ آپ کومعلوم نہیں اور ایسی حالت میں بات کریں گےتو آپ کے مخاطب کو پریشانی ہوگی، اس لیے پہلے معلوم کرلینا چاہیے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ جس طرح اسلام نے فضول خرچی سے بچایا ہے تو فضول میں سب فضول باتیں داخل ہیں، بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ مثلاً فون پر بات کرتے ہیں اور سوال کیا کہ خیریت؟ طبیعت اچھی ہے؟ کیا حال ہے؟ مزاج تو عافیت سے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو ذرا غور کرو جتنی چیزوں کا سوال کیا ہے کیا سب ایک ہی ہیں یا الگ؟ اگر ایک ہی ہے تو یہ بھی فضول میں داخل ہے، لہذا سب فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے طلبہ کو بھی بچانے کی فکر کرو، اچھی باتیں کہا کرو، خود بخود فضولیات سے بچ جاؤ گے۔

حضرت کی ایک اور خوبی:

حضرت کی ایک کتاب ہے ’’رشد وہدایت کے منار، جن سے میں کسب فیض کیا‘‘ اس کتاب میں حضرت نے اپنے مکتب کے اساتذہ کا بھی خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا؛ حالاں کہ عام طور پر آدمی بڑے علما اور شیوخ کا تذکرہ کرتا ہےاور اپنے ابتدائی اساتذہ کو بھول جاتا ہے جن سے چلنا سیکھتا ہےاور بڑوں سے استفادے کے قابل بنتا ہے۔

حضرت والا کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی طالب علم کو سبق یاد نہیں ہوتا تو اساتذہ فوراً اس طالب علم کو ''او کند ذہن'' کہتے ہیں، اساتذہ کے اس جملہ سے طالب علم احساس کہتری وکمتری کا شکار ہوجاتا ہے اور اپنی محنت چھوڑ دیتا ہے، ایسا بھی ہوا کہ بعض طلبہ نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنی زندگی خراب کردی، اس کے ذمے دار اساتذہ ہیں، اس لیے حضرت والا ہمیشہ حضرت امام شافعیؒ کا یہ واقعہ سناتے ہیں کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے شاگرد کو ایک مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، تین چار مرتبہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے سمجھانے پر بھی وہ سمجھ نہیں سکا تو شرم کے مارے وہ طالب علم درس گاہ سے چلا گیا، امام شافعی علیہ الرحمہ اس کے پیچھے تشریف لے گئے اور ستر مرتبہ سبق سمجھایا، یہاں تک کے وہ مسئلہ طالب علم کی سمجھ میں آگیا، حضرت والا فرماتے ہیں کہ اساتذہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس واقعہ کو سامنے رکھیں اور کسی طالب علم کو برا بھلا نہ کہیں۔

بزرگوں کی صحبت:

حضرت والا ہمیشہ یہ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت بہت ضروری ہے، انسان کی تربیت وکامیابی بزرگوں کی صحبت میں ہی رکھی ہے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ خلیفہ حضرت مسیح الامت صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا نقل فرمایا، حاجی صاحب ایک مرتبہ پاکستان تشریف لے گئے، ایک جگہ دعوت تھی، میزبان نے حاجی صاحب کے بیٹھنے کی سطح کو اونچا رکھا اور اس کے مقابل دسترخوان کچھ نیچے تھا، حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کے یہاں کبھی ایسا نہیں

دیکھا، یہ کہہ کر نیچے بیٹھ گئے پھر فرمایا میں اپنے شیخ کو خط لکھ کر معلوم کروں گا، خط لکھا، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی کا جواب آیا جس کو نقل کیا کہ **"آکل و مأکول سطح برابر"** بس اتنے سے جملہ میں حضرت نے پوری بات کی وضاحت فرمادی، اس لیے بزرگوں کی صحبت بہت ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت کی ذات گرامی ہمارے لیے نعمت خداوندی میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں، میری والدہ محترمہ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھرے ہمیشہ یہ فرمایا کرتیں کہ ہماری قوم مردار پرست ہے، آدمی کے مرنے کے بعد اس کی قدر کرتی ہے۔

حضرت والا کا علمی ذوق اور مدارس گجرات:

حضرت والا نے اساتذہ میں مطالعہ کا ذوق دوآتشہ کرنے کے لیے گجرات کے تمام مدارس عربیہ میں **"بزمِ مبادلة الثقافة"** کے نام سے اساتذہ کی الگ انجمن قائم کرنے کی اپنی دلی خواہش ظاہر فرمائی اور وہ تمام مدارس جن میں بخاری شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے جن کی تعداد صرف گجرات میں پچاس سے زائد ہیں کتابیں بھیجیں اور ہر مرتبہ کتابوں کے ساتھ ایک خط بھی تحریر فرمایا جن میں بطور خاص اس بات کا ذکر فرمایا کہ کتابوں کی وصول یابی کی اطلاع اگر ہوجائے تو آپ حضرات کا بہت کرم ہوگا، اس تاکید کے باوجود بھی الا ماشاء اللہ بہت بہت تو آٹھ یا دس مدارس عربیہ سے خطوط آئے تھے، حضرت والا ہمیشہ بندہ کے سامنے اظہارِ غم فرماتے رہے، ابھی ماضی قریب میں حضرت والا کے نام ''دارالعلوم زکریا'' افریقہ کے شیخ الحدیث و

صدر مفتی جناب حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم نے اپنی تازہ علمی تحقیقی کاوش موسوم بہ **"بدر اللیالی شرح بدء الأمالی"** بھیجی، اس کا جواب حضرت نے دیا اور اس کی (PDF) فائل بنا کر دار العلوم زکریا افریقہ کے صدر القرا جناب حضرت مولانا قاری ایوب اسحاق صاحب مدظلہ العالی کے نام واٹس ایپ (Whatsapp) کروائی اور حضرت قاری صاحب سے فرمایا کہ اس کی پرنٹ نکال کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کریں، قاری ایوب صاحب چوں کہ حضرت والا کے صحبت یافتہ ہیں، اس لیے انہوں نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد فوراً اطلاع بھیجی کہ حضرت کام ہوگیا ہے۔ اس خط کی کاپی بھی نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

☆☆☆

فاضل ومحقق، مخدومِ مکرم حضرت مولانا رضاء الحق صاحب دام ظلکم

سلام مسنون بعد! خدا کرے مزاجِ گرامی بہ عافیت ہوں!

بعدہ عرض ایں کہ آں محترم کی تازہ علمی تحقیقی کاوش موسوم بہ **"بدر اللیالي شرح بدء الأمالي"** آپ کی عنایت سے اس حقیر کے کتب خانہ کے لیے موصول ہوئی، اس اکرام ونوازش پر بندہ آں محترم کا تہہ دل سے شکر گزار ہے اور پُر امید ہے کہ دیگر تالیفات کی طرح آں محترم کی یہ تصنیفی کاوش بھی طلبہ واساتذہ کے لیے متاعِ گراں مایہ نیز آپ کے ذخیرۂ حسنات میں اہم اضافہ ثابت ہوگی۔ باری تعالیٰ آپ کے علمی روحانی فیض کو عام وتام فرمائے اور آں حضرت کی جمیع تصنیفات کو "باقیات

صالحات'' کا مصداقِ کامل بنائے۔ آمین!

دیگر عرض ایں کہ بندہ اس وقت چراغِ سحری کی واقعی تصویر بنا ہوا ہے، ہر قسم کی خیر و عافیت نیز حسنِ خاتمہ کی دعا فرما کر ممنون فرمائیں۔

فقط والسلام

محتاجِ دعا

عبداللہ کاپودروی غفرلہ

۱۲/محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۳/اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز منگل

کتب خانہ:

حضرت کا ایک بہت ہی قیمتی کتب خانہ ہے، جو آپ کے حسنِ انتخاب اور اعلیٰ علمی، ادبی، فنی ذوق کا آئینہ دار ہے اور بلاشبہ نظرِ انتخاب کی لطافت ونزاکت کے لحاظ سے ملک کے چنیدہ کتب خانوں میں اس کا شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت والا نے افادۂ عام کی خاطر تینتیس الماریوں پر مشتمل مختلف فنون کی چھ ہزار سے زائد کتابیں جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ ضلع بھروچ میں وقف فرمادیں، اس کے لیے ایک مستقل عمارت جامعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم کے قیمتی تعاون سے بفضلہ تعالیٰ تیار ہوچکی ہے اور ''مجمع الشیخ عبداللہ الکافودروی'' کے نام سے موسوم ہے، اس مجمع الشیخ سے تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیوں کا آغاز کیا جائے گا اور شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء سے تخصص فی الحدیث کا شعبہ انشاءاللہ تعالیٰ شروع ہوگا۔

کتب خانہ حسب ذیل فنون پر مشتمل ہے:

تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، سوانح، ادبِ عربی، ادبِ اردو، عقائد، کلام، تاریخ وجغرافیہ، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فتاوی، حسنیات، خطبات ومواعظ، متفرقات، تجوید وقراءت، نحو وصرف، تصوف، لغات، وغیرہ فنون سمیت سیکڑوں معلومات افزا اور علم وفکر کو جلا دینے والی متفرق کتب پر یہ کتب خانہ مشتمل ہے۔

حضرت والا کی تصانیف:

حضرت والا کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية في غجرات۔

(۲) علامہ بدر الدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام

(۳) دیوان امام شافعیؒ (ترجمہ وتشریح)

(۴) نصیحۃ المسلمین (ترجمہ، حواشی وتعلیقات)

(۵) چالیس احادیث (عربی، گجراتی، انگلش)

(۶) حضرت حاجی امداد اللہؒ اور ان کے نامور خلفا (گجراتی)

(۷) علامہ یوسف بنوریؒ اور خدماتِ حدیث

(۸) افکارِ پریشاں (جلد اول)

(۹) افکارِ پریشاں (جلد دوم)

(۱۰) صدائے دل (جلد اول)

(۱۱)صدائے دل (جلد دوم)

(۱۲)صدائے دل (جلد سوم)

(۱۳)صدائے دل (جلد چہارم)

(۱۴)گلشن کا پودرا (گجراتی)

(۱۵)رشد وہدایت کے منار جن سے میں نے کسب فیض کیا

(۱۶)علامہ قطب الدین نہروالیؒ اور ان کی علمی خدمات

(۱۷)مقدمات کا پودروی

حضرت والا کو جن شیوخ سے اجازت بیعت حاصل ہے:

(۱) حضرت شیخ محمد یونس صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہ

خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ

(۲) حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ

(۳) حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ

(۴) حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ

(۵) حضرت حاجی فاروق صاحبؒ

خلیفہ حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ

(۶) حضرت مولانا نعیم اللہ فاروقی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت پیر غلام حبیب صاحب نور اللہ مرقدہ

(۷) حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہ

(۸) حضرت مولانا آصف حسین فاروقی صاحب (بولٹن، یوکے)

(۹) حضرت مولانا علی آدم صاحب (لیسٹر، یوکے)

حضرت والا سے جن حضرات کو اجازت حاصل ہے:

(۱) حضرت مولانا سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم (یوکے)

(۲) حضرت والا کے صاحب زادے حضرت مولانا اسماعیل صاحب دامت برکاتہم

حضرت والا کو جن شیوخ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے:

إجازة الحديث الشريف

من الشيخ العلامة عبد الله الكافودروي السورتي

الحمد لله الملك الديان القوي السلطان الحنان المنان الذي أيد هذا الدين بالإسناد، فشيد أركانه وأيده بالحفظ عن تدليس المدلسين، وزينه بالأنجم اللوامع، وصلى الله تعالى على من لا ينطق عن الهوى، إن هو إلا وحي يوحى، و هو الأولى من بين الناس وأحرى بأن تحفظ أحاديثه وتروى، صلاة دائمة مستمرة عدد أسماء الرجال وماقيل

فيهم أويقال، وعلى أله وأصحابه الذين حموا حماها وردوا عن فنائها كل دساس من حيث أتاها، وميزوا بين الفضة والقضة في فحواها۔

فإن علم الحديث أفضل العلوم وأشرفها، واهتم به العلماء والسلف الصالحون اهتماما بليغا، حتى سافروا إلى مشارق الأرض ومغاربها، وقطعوا مفاوز وصحارى لتحصيل هذا الفن الشريف والعلم المنيف، واجتهدوا في تحصيل الأسانيد العالية، لأن حفاظة الأسانيد والتسلسل فيها من ميزات الإسلام، وخصائص الأمة الإسلامية، أما أسانيد هذا العبد الضعيف، فهي هذه:

(۱) قرأت المجلد الأول من صحيح البخاري و جامع الترمذي و سنن النسائي على الأستاذ الشيخ عبدالجبار الأعظمي رحمه الله، وهو قرأ على الشيخ العلامة المحدث محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله وأسانيده مطبوعة في لامع الدراري شرح صحيح البخاري۔

(۲) قرأت المجلد الثاني من صحيح البخاري وصحيح مسلم على الشيخ عبد الرؤف البشاوري رحمه الله وسنن الإمام أبي داؤد على الشيخ فضل الرحمن البشاوري رحمه الله وكلاهما عن شيخ الإسلام الشيخ حسين أحمد المدني رحمه الله عن شيخ الهند مولانا محمود الحسن الديوبندي رحمه الله۔

(۳) قرأت صحيح البخاري الزائد على النصف على الشيخ المحدث فخر الدين المرادآبادي، وهو قرأ على شيخ الهند۔

(۴) قرأت أوائل الصحاح الستة على العلامة الشيخ محمد إبراهيم البلياوي رحمه الله وهو عن شيخ الهند۔

(۵) قرأت دروسا عديدة لشرح معاني الآثار للإمام الطحاوي على الشيخ الفقيه المفتي مهدي حسن الشاه جهانفوري رحمه الله عن العلامة المفتي كفايت الله الشاه جهانفوري رحمه الله عن شيخ الهند رحمه الله وأسانيده مشهورة۔

(۶) قرأت الحديث الأول والآخر من صحيح البخاري وأجازني إجازة عامة فضيلة الشيخ العلامة عبد الفتاح أبو غدة، قرأ هو على المشايخ الكثيرين، أعلاهم سندا الشيخ العلامة محمد زاهد الكوثري رحمه الله۔

(۷) وأجازني بالحديث المسلسل بالأولية وبالمسلسلات للشاه ولي الله المحدث الدهلوي رحمه الله فضيلة الشيخ المحدث مولانا زكريا الكاندهلوي، وهو عن الشيخ خليل أحمد السهارنفوري صاحب بذل المجهود۔

(۸) وكذا أجازني به حكيم الإسلام القاري المقري محمد طيب رحمه الله مدير دار العلوم ديوبند، عن الشيخ مولانا خليل أحمد السهارنفوري۔

(۹) وأجازني بحديث المسلسلات الفقيه النابغ المفتي محمود الحسن الغنغوهي رحمه الله عن المشايخ الكثيرين، منهم شيخ الإسلام حسين أحمد المدني رحمه الله والشيخ محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله۔

(۱۰، ۱۱، ۱۲) أجازني الشيخ المفتي محمد تقي العثماني، والشيخ تقي الدين الندوي حفظهم الله، والمحدث الشيخ محمد يونس الجونفوري رحمه الله۔

(۱۳) وأجازني بالحديث المسلسل بالأولية فضيلة الشيخ عبدالله بن أحمد الناخبي وهو عن المشايخ الكثيرين۔

(۱۴) أجازني إجازة عامة الشيخ أحمد قلاش عن الشيخ ياسين الفاداني۔

(۱۵، ۱۶) وكذا أجازني عامة الشيخ مالک بن العربي بن الشيخ أحمد الشريف الشنوسي، والشيخة فاطمة بنت أحمد الشريف الشنوسية رحمهم الله وأرضاهم أجمعين۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے آپ کے انداز اہتمام اور تعلیم وتربیت سے متعلق ہے، جو بے جا جرأت کے سوا اور کچھ نہیں، ورنہ حضرت والا پر قلم اٹھانا مجھ جیسے تہی دامن کا کام نہیں۔

کاپودرا میں حضرت والا کی فکریں:

کاپودرا میں بھی حضرت والا کی قربانیاں بے شمار اور بے مثال ہیں، جس کی مثال آج کے اس قحط الرجال کے زمانہ میں پیش کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، کاپودرا ٹرسٹ چاہے وہ مسجد، مدرسہ، قبرستان، واٹرورکس، بیوہ فنڈ، دواخانہ، کسی بھی چیز سے متعلق ہو، حضرت والا کی قربانی سرِفہرست ہے، حضرت والا نے اپنے ماموں باجی پٹیل، احمد بھائی تحصیل دار، یوسف بھائی پانڈور، مقبول بھائی کاپڑیا اور راقم السطور کے والد مرحوم وغیرہ کے ساتھ مل کر کاپودرا کو جو ترقی دی اس کی مثال نہیں مل سکتی، حضرت والا فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر یوسف بھائی پٹیل اور احمد بھائی لولات یہ دونوں حضرات کاپودرا کے بہت قیمتی رجال تھے، جو کہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہ ان تمام مرحومین کی قبروں کو نور سے بھرے۔ آمین!

حالات کے پیش نظر مسلمان بچوں کے ایمان کی سلامتی کے لیے اسکول کا انتظام فرمایا اور اس کو ترقی دینے کے لیے حضرت والا اور باجی پٹیل وغیرہ حضرات نے مل کر حاجی احمد پانڈور (A.G. Pandor) اور اہل کا پودرا جوزامبیا، یوکے، افریقہ وغیرہ میں مقیم ہیں، ان کو توجہ دلائی اور اس کے نظام کو مضبوط بنایا، مدرسہ کے نظام کو سلیمان بھائی کاپڑیا اور سلیمان بھائی پٹیل (حال مقیم ری یونین) کے ذریعہ مضبوط کیا، ایک سلیمان نے مدرسہ کے لیے اپنی قیمتی زمین وقف کی تو دوسرے سلیمان نے اس پر تعمیر کے ذریعہ مدرسہ کی عمارت تیار کی، ان سب کو توجہ دلانے میں حضرت والا کی ذات سرفہرست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور اپنی شان کریمی سے بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین!

اسکول میں سائنس کا شعبہ قائم کرنے کے لیے لیب وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے لیے حضرت والا نے اپنے خرچ سے افریقہ کا سفر فرمایا اور ان چیزوں کا انتظام فرمایا جو اس کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور وہ چیز تیار ہونے کے بعد اس کے فوٹو اصحاب خیر کو روانہ فرمائے، تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ ہماری رقم صحیح مصرف میں استعمال ہوئی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ رقم صحیح انسان کے ہاتھ میں پہنچی ہے اور جب ان اصحاب خیر کا سفر ہوتا تو بذات خود ان کے ساتھ اسکول تشریف لے جاتے اور ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کراتے اور جگہ پر لے جا کر ان حضرات کو وہ چیز دکھاتے اور ان اصحاب خیر کی رقم کا پورا پورا حساب لکھوا کر ان کو پیش فرماتے۔

فی الحال حضرت والا نے ٹرسٹ سے سبک دوشی اختیار کی ہے لیکن اس کے باوجود بھی مدرسہ، مسجد، واٹر ورکس، اسکول اور دواخانہ کے لیے اصحاب خیر کو توجہ دلا کر اچھی خاصی رقم ہر سال جمع کرنے کا معمول رہا ہے، اللہ تعالی اپنی شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین!

یہ سب تو کاپودرا کے ٹرسٹ کے ساتھ حضرت والا کا معاملہ ہے، لیکن گاؤں کے غربا اور مساکین اور بیوہ عورتیں وغیرہ کے ساتھ بھی حضرت والا کا وہی خیر خواہانہ معاملہ رہا۔ عیدین کے موقع پر پہلے سے غربا کی فہرست تیار رہتی، عید الفطر کا چاند نظر آتے ہی پورے کاپودرا میں غلہ تقسیم کرواتے، عید الاضحیٰ کے موقع پر گوشت تقسیم کرواتے اور رمضان میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا اور ہر روز حلیم بنا کر پوری بستی میں تقسیم کا معمول رہا ہے۔ افطار میں روزانہ کئی لوگ حضرت والا کے دستر خوان پر روزہ افطار کرتے، عصر بعد مسجد میں اگر کسی اجنبی کو دیکھتے تو اس کو بھی افطار کی دعوت پیش کرتے، یہ ہے حضرت والا کی صفات حسنہ۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی قدر دانی کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور حضرت کے سایہ کو تا دیر ہم پر صحت و عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔ **آمین یا رب العالمین!**

راقم الحروف کی زندگی کے ہر اہم موڑ پر حضرت والا کی شمولیت:

مخدومنا المعظم مفکر ملت، فخر عرب و عجم رئیس محترم، عارف باللہ، محبوب العلما والصلحا مرشدنا حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کا میں بہت شکر گزار ہوں کہ حضرت ہی کی خصوصی توجہات اور مفید مشورے، سفر ہو یا حضر،

ملک ہندوستان میں ہو یا بیرون ملک، صحت کے ایام میں ہوں یا بیماری کے، اس عاجز کی زندگی کے ہر اہم موڑ پر شامل حال رہے۔ اللہ آپ کے سایۂ عاطفت کو باعافیت وسلامت باکرامت تادیر قائم رکھیں۔

آمین یارب العالمین!

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے
اے خدا تونے سنبھال رکھا ہے
میرے عیبوں پہ ڈال کے پردہ
مجھے! اچھوں میں ڈال رکھا ہے
اپنے دامن سے کرکے وابستہ
ہر مصیبت کو ٹال رکھا ہے
میں تو کب کا مٹ گیا ہوتا
تیری رحمتوں نے پال رکھا ہے

ایک عہد ساز اور مردم خیز شخصیت

بقلم
حضرت مولانا محمد فاروق صاحب بڑودوی فلاحی مدنی
استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اللہ کی اس بسائی دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے نقوش سے اپنا نام روشن کر گئے۔لیکن یہ حقیقت سب کے ساتھ یکساں رہی کہ آئے تھے سبھی جانے کے لیے، کوئی ایسا نہ تھا جو آیا ہو اور نہ گیا ہو، ہاں! انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین کی ایک جماعت واقعی ایسی رہی کہ آئی تو آنے ہی کے لیے، اس دنیا سے تو بے شک یہ لوگ بھی رخصت ہوئے لیکن اپنے کارناموں کی انجام دہی، اپنے فرائض سے سبک دوشی اور منصب کے حقوق کی ادائیگی کے باعث وہ زبان وقلم پر ایسے چھائے کہ ان کا نام ومقام زندوں سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اور ایسا کیا خاص معاملہ ہے؟

یہ اس لیے ہوا کہ ان حضرات قدسی صفات نے اپنے اندر وہ نور سمو لیا جس کی کرنیں نہ بجھی ہیں نہ بجھ سکتی ہیں، ایک بار جلنے کے بعد یہ چراغ کبھی بجھنے والا نہیں، ہاں! بے شک **"یریدون لیطفئوا نور اللہ بأفواھھم ویأبی اللہ إلا أن یتم نورہ ولو کرہ المشرکون"** کی حقیقت پیش آ کر رہی۔ اور چراغِ علم وہدایت کا جلنا تھا تو وہ جلتا رہا، صحابۂ کرامؓ کی جماعت سے لے کر ماضی قریب کے اکابرین کو دیکھ لیجیے، انہوں نے جس شمع ہدایت کو اپنے ہاتھوں سے جلایا، جب جلا دیا تو اب اسے کوئی بجھا نہ پایا اور بجھا بھی کیسے سکتا ہے وہ شمع کیا بجھے گی جس کی حفاظت خدا کرے۔

ایسی شخصیات پردۂ عالم سے بے شک روپوش ہوگئیں لیکن منظرِ ذہن پر ایسی چھائی ہیں کہ ان کا تذکرہ ہمہ وقت، ہر گام ذکرِ خیر کے ساتھ اوراق و بیانات کے ذریعے اور قصص و حکایات کے ذریعے ہوتا ہے، یہ بھی ان کے درجات کی بلندی اور ان کے منصب کے تقدس کی ضمانت ہے۔

ابھی تک زیادہ توجہ بل کہ کہنا چاہیے کہ پوری توجہ اسی پر ہے کہ اکابرِ امت کے کارناموں اور ان کی جلائی ہوئی شمع علم کی روشنی کو قدر دانی کی نظر سے اس وقت زیادہ دیکھا گیا جب وہ شخصیت نظروں سے اوجھل اور آنکھوں سے روپوش ہوگئی، لیکن آج ہم ؎

نہ پیروئ قیس و فرہاد کریں گے
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھوتے اور البیلے طرز و اسلوب میں ایک عہد ساز اور مردم خیز شخصیت کے لیے ایک نئی عمارت کی داغ بیل ڈالنے جا رہے ہیں اور ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اپنے محسن و کرم فرما کو ان کی نظروں کے سامنے ہی ان کے کردار کی جھلک اور ان کی خدمات کی مہک کا ایک گلدان سجا کر پیش کر دیں؛ تا کہ انگلی کٹا کے نہ سہی انگلی میں رنگ لگا کے ہی جان و مال کی قربانی دینے والے کے لیے اپنے وقت کی شہادت کا ثبوت پیش کرنے کی جسارت کریں۔

آج ہمارے سامنے علم و عمل کی وہ جامع شخصیت اور مردم ساز اور صلاحیت خیز ہستی ہے، جس نے اپنی عمر کی تقریباً تین دہائی اس وادئ غیر ذی زرع کی سیاحی

اوران پیچیدہ راستوں میں صحرا نوردی کی کہ جن سے پاؤں کے آبلے پھوٹ جاتے ہیں، زخم خوردہ منزل پر پہنچنے سے پیش تر دم توڑ دیتے ہیں اور عشق وجنوں ناتمام و نامراد ہی لوٹ آتے ہیں، اللہ زندہ وتابندہ رکھے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی کوجن کی دوررس نگاہ اور ہرفن میں کامل دست گاہ نے طلبا کوکہاں سے کہاں تک پہنچادیا۔

یہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کی ذات گرامی ہے، موصوف کی ذات میں بھی آپ حضرت رئیس گجرات مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کے نالہائے نیم شبی کا اثر دیکھیں گے، جن کی شخصیت دیکھتے ہی دیکھتے چہاردانگِ عالم میں چھاگئی اور تجوید وصحتِ قرآن کی لائن سے بالخصوص اور علوم دینیہ وعصریہ کے سنگم کی لائن سے بالعموم، وہ کارہائے نمایاں انجام دینے میں مصروف ہیں کہ یہ خدمت ایک کرامت سے کم نہیں ۔حضرت مولانا قاسم انگار، حضرت مولانا حسن، حضرت مولانا خلیل راوت، حضرت مولانا یوسف ٹنکاروی، مولانا قاری صدیق صاحب سانسرودی، مولانا اقبال ٹنکاروی اور مولانا اقبال فلاحی مدنی وہ شخصیات ہیں جواپنی اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں۔جن کی شمع کے فیض سے ہدایت کے پروانے عالم کے چپے چپے میں اسلام کی روشنی پر پتنگوں کی طرح فدا ہیں، یہ فیض ہے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی کا جنھوں نے اپنے اہتمام کی ذمے داری کوکسی ایک رخ سے محدود نہ رکھا؛ بل کہ فلاح دارین ترکیسر کو دارالعلوم دیوبند کے علم واخلاص کی تابانی، مظاہر علوم سہارن پور کا

تصوف وسادگی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی تحقیق وتمحیص اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے رعبِ ادب وتہذیب کا مہکتا گہوارہ بنادیا اور طلبا کو ہمیشہ یہی کہتے رہے:

نگہ بلند ، سخن دل نواز ، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

طلبا کو تنگ ذہنیت سے نکال کر نگاہ کی بلندی، سخت وکرخت لہجہ میں بولنے کے عیب سے پاک کر کے سخن کی دل نوازی اور سست وبے مقصد پڑے رہنے کی طبیعت کو جان کی پرسوزی کی دولت عطا کی۔ ہمیشہ اپنے طلبا اور اپنے وابستگان کو یہی کہتے رہے ؎

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا
ہزاروں پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تیری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ کی کتاب ''پا جا سراغ زندگی'' کا تذکرہ تو آپ بے شمار بے اور انتہا کرتے اور کرتے رہتے ہیں، طلبا کو کہتے ہیں کہ اس کا نام ہی دیکھو پورے شعر کا ایک جز ہے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

کبھی کبھی اس غزل کے اور اشعار برجستہ پڑھتے اور طلبا کو حوصلہ دیتے چلے

جاتے ہیں ؎

من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا فکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ طلبا اپنے ماضی قریب کے اکابر کا پیکر بن جائیں جو نہایت جامع شخصیات ہوا کرتے تھے، وہ ایک طرف اپنے وقت کے مفسر و محدث اور مناظر ہوتے تھے تو دوسری طرف سیاستِ عالم کی بساط الٹ دینے کا حوصلہ رکھتے، ایک طرف جہاں اپنی ذاتی ضروریات کو خود اپنے ہاتھوں انجام دینے والے تھے تو دوسری طرف شاہانِ عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والے۔ ایک طرف اگر وہ مدرسہ کی چہار دیواری میں گھر کر تصوف کے دامنِ رشد و ہدایت سے وابستہ ہو کر اپنے طلبا کو پیکر علم و رشد بناتے تو دوسری طرف افقِ سیاست سے چمکنے والے ماہ و انجم بناتے۔

حضرت مولانا موصوف اپنے طلبا کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ ؎

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج   در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

اپنے طلبا اور اپنی مجلس میں تمام ہی لوگوں سے فرماتے ؎

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق   ہر ہوس نا کے نہ داند جام وسندان باختن

ہمارے اکابر ہر دو مخالف وادی سے پوری حفاظت وصیانت اور پورے تقوی وطہارت کی ستودہ صفات کے حامل بن کر گزر گئے، تمہیں بھی انہیں کے مکمل پرتو، مکمل پیکر اور مکمل جانشیں بننا ہے۔

افراط وتفریط سے گریز:

شریعتِ اسلامیہ میں اعتدال اور میانہ روی ایسی صفت ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا خط امتیاز ہے، اسی صفت پر علمائے دیوبند کی پوری جماعت روزِ اول سے قائم ودائم ہے، یہی وہ صفت ہے جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو پوری دنیا میں وہ مقام عطا کیا جو کسی جماعت کو بڑی مشکل سے ملتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے وہ ناظم ومہتمم اور وہ داعی الی اللہ ہیں کہ آپ نے نہ تو اپنی دعوت وگفتگو میں کبھی حد اعتدال سے آگے بڑھنے کی بات کی اور نہ ہی دورِ اہتمام کی تقریباً تین دہائیوں پر محیط عرصے میں افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔

آپ ہمیشہ اس بات کا اہتمام رکھتے کہ فلاحِ دارین کے جتنے فلاحی وتعلیمی شعبے ہیں سب کو ان کا واجبی حق ملنا چاہیے، ایسا نہ ہو جو شعبہ زیادہ اہتمام وتوجہ کے لائق ہے اس پر کم توجہ دی جانے لگے اور جس پر کم توجہ کی ضرورت ہے اسے اتنا بڑھا دینا کہ وطیرۂ زندگی بننے لگے کہ ہر سنجیدہ طبیعت گراں بار ہونے لگے۔

آپ فلاحِ دارین کے تمام شعبہائے تعلیم وتدریس پر یکساں نظر رکھتے، ان کی ترقی اور اشاعت واہتمام کے لیے پورا زور لگا دیتے، اپنی گفتگو سے کبھی ایسی غیر ذمے دارانہ تاثیر کی ترسیل نہ ہونے دیتے جو زبان زدِ خاص و عام ہوجائے اور بعد میں اہل اہتمام واہل انتظام کو کف افسوس ملنا پڑے۔ اسی اہتمام کے پیش نظر فلاح دارین سے فارغ ہوئے طلبہ اور اس کے مختلف شعبوں سے کسب فیض کرنے والے علمائے امت، زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنی اپنی بساط کے مطابق چراغ رشد وہدایت جلا جلا کر امت کو اندھیروں سے نکال رہے ہیں اور ہدایت وعلم کی روشنی پھیلاتے ہوئے اپنی آخرت سنوارتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

شفقت ومہربانی:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ **الرفق لا یکون في شیء إلا زانه ولا ینزع من شيء إلا شانه**" شفقت ومہربانی جس چیز کا عنصر ہوتی ہے اس میں کمال وجمال اور بہتری پیدا کرتی ہے اور جس چیز سے مہربانی کا عنصر نکال کر بے جا سختی وتندی وسنگ دلی کو اس کا جز بنا دیا جاتا ہے تو وہ چیز ناتمام اور بے نتیجہ ہوجاتی ہے۔

آپ کے دور اہتمام میں جن آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا وہ ایسے بے شمار واقعات جانتے اور بیان کرتے ہیں جن میں حضرت موصوف مدظلہ العالی نے محض شفقت ورحم سے معاملہ فہمی اور حل کی راہ تلاش فرمائی، نہ ناراض ہوئے نہ ڈانٹا اور نہ ہی ایک طرفہ فیصلے کی کسی صاحب کو بو آنے دی، سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ہمدردانہ جذبہ واسلوب کے ساتھ بات آگے بڑھادی۔

اصول کی پابندی:

ہمارے اکابر واسلاف کا یہ امتیازی وصف رہا ہے کہ ہمیشہ اصول وضوابط کی بھر پور پابندی کرتے، اصول وقواعد سے سر موانحراف کو بھی گوارہ نہ فرماتے۔ کسی ادارہ یا تنظیم کی طرف سے عائد کردہ اصولوں میں وہی ثواب سمجھتے جو عہد کی پابندی میں اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ کیوں کہ اداروں کی طرف سے آنے والے اصول وضوابط (بشرطیکہ نصوص شرعیہ سے متعارض نہ ہوں) آدمی ان کو عمل میں لانے کا وعدہ کرتا ہے اور ایفائے عہد وہی وفاشعاری کہلاتی ہے جس کا شریعت نے پابند کیا ہے۔

حضرت موصوف دامت برکاتہم انتظامی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اپنے تعلیمی وتدریسی منضبط اوقات کے اس سے کہیں زیادہ پابند تھے، جتنا کہ ایک آدمی یا متوسط درجہ کا استاذ، یہی عملی انضباط فلاح دارین کے اساتذہ وطلبا میں اتنا مؤثر ہوتا کہ کسی کو پابندیٔ اسباق وانضباط تعلیم وتدریس کے لیے علاحدہ تلقین وتنبیہ کی چنداں ضرورت پیش نہیں آتی۔

اس کا ایک شرعی فائدہ یہ ہوتا کہ آدمی اپنے قول وفعل میں جب پورا اترتا ہے تو اس کے نتائج دوررس، دیرپا اور دائمی ہوتے ہیں اور کسی کو **"أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم"** اور **"لم تقولون ما لا تفعلون"** کہنے کا موقع نہیں ملتا (اگرچہ ان دونوں آیتوں کا تعلق دعوی سے ہے نہ کہ دعوت سے)۔

اس عملی پابندی اور قولی تطبیق سے ابنائے فلاحِ دارین نے کیا سیکھا؟ ہر جگہ ظاہر ہے جو انضباط وانصرام اور عہد وپیمان کی پابندی فضلائے فلاح دارین میں آج

بھی دیکھی جارہی ہے وہ انہی جیسے علمائے ربانیین کی مرہون منت ہے، جنہوں نے اپنی خواہشات وتمناؤں کو قربان کر کے ایک مجاہدانہ اور سرفروشانہ عمل کے ذریعہ ایک ایسی کھیپ تیار کر دی جو جیتے جی دین وایمان پر مر مٹنے والی اور آخرت میں مرنے کے بعد اپنے رب کی رضا پانے والی بلکہ کہنا چاہیے کہ ایک بھاری تعداد کو جنت ورضوان کی مستحق بنانے والی ہوگی۔

استغنا اور علمی رسوخ:

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم وہ ایسی زندہ شخصیت ہیں جنہوں نے اکابرین واسلاف کے ستودہ اوصاف میں بالخصوص استغنا اور علمی رسوخ کو اپنے اندر ایسے سمویا تھا جیسے جہاں دن پایا جائے گا وہاں سورج کا نکلنا لازمی قرار دیا جائے گا، جہاں سایہ ہوگا وہاں سایہ والا بھی لازما ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے **"ازهد في الدنيا يحبک الله و ازهد فيما عندالناس يحبک الناس"** دنیا سے بے رغبت اور مستغنی ہوجاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور دنیا کی چیزوں سے بے اعتنائی اور استغنا برتو دنیا کے لوگوں میں تمہاری بھرپور چاہت پیدا ہوجائے گی۔

مولانا موصوف کی ذاتِ گرامی گویا اس حدیث مبارک کا عملی پیکر اور علمی مجسمہ تھی، دنیا سے ایسی بے پرواہی کہ اللہ کی پناہ کبھی دنیاوی کوئی چیز آپ کو غفلت کا شکار نہیں بناسکتی تھی، حتی کہ نیند جو ایک جزء لاینفک کے طور پر صحت کے لیے تقریبا ضروری ہے؛ لیکن اللہ کے حکم کے سامنے وہ غیر اللہ اور دنیا ہے، رات بھر جلسے جلوس یا

کسی دینی مشغولیت کی وجہ سے جاگنے کے بعد فجر کی نماز میں تہجد کے وقت ہی سے موجود رہتے، ایسا لگتا ہے کہ رات بھر سوئے ہیں اور نیند سے بیدار ہو کر تازہ دم فجر کی نماز میں ہشاش بشاش حاضر ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ سے محبت کی ہے اور آسمان والوں میں ضرور اعلان کرایا ہوگا کہ آسمان والو! تم بھی محبت کرو اور پھر روئے زمین پر آپ کی محبت ومقبولیت کو پھیلا دیا گیا ہے۔

اسی طرح دوسروں کے پاس کیا ہے کونسی چیز ہے، اور کتنی قیمتی ہے، نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہیں فرماتے، اسی بنا پر لوگوں نے آپ کو چاہا ہے اور ایسا چاہا ہے کہ فلاحی برادری نے طے کیا کہ ایک یہ دستور بھی بدل ڈالو، ہم آپ کی زندگی میں ہی، آپ کی نظروں کے سامنے ہی، آپ کے اخلاق وکردار کی مہک لوگوں تک پہنچائیں گے؛ تا کہ جہاں ہم اپنے محسن کے احسان کا تھوڑا ہی سہی بدلہ چکا سکیں، وہی ہم اپنے کرم فرما کے اعمال نامہ میں مزید نیکیوں اور درجات عالیہ کو بڑھا سکیں کہ آیندہ جتنے لوگ یہ صفات جان کر اپنے اندر پیدا کریں گے اس کا ایک بڑا حصہ حضرت موصوف دامت برکاتہم کو بھی ضرور ملے گا۔

اکابرین سے عشق ومحبت:

سچ ہے کہ ماضی قریب کے اکابرین امت نے جس طرح دین کو صحیح صحیح سمجھا اور عملی طور پر اس کی تبلیغ فرما کر دوسروں تک پہنچایا وہ انہیں کا حصہ تھا، ان اکابرین امت سے محبت کرنا اور عشق کی حد تک انہیں چاہنا، انہیں اٹھانا اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھنا دین سے محبت کرنا اور دین کی قدر ومنزلت کرنے کے درجے میں ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی کو اپنے اکابرین سے کتنا عشق ہے؟ یہ کہنے کی ضرورت نہیں، جس کو دیکھنا اور جانچنا ہے وہ آپ کی مجلس میں دو چار مرتبہ بیٹھ کر دیکھ لے، کبھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ موضوع سخن ہیں تو کبھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیو بند، کبھی حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نغمہ سنجی مجلس کو گرم کیے ہوئے ہے تو کبھی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زمزمہ سنجی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور نہ جانے کتنے اکابرین امت کا اور کب کب اور کیسے کیسے اپنے ملفوظات و بیانات میں حضرت موصوف نام و تذکرہ لے آتے ہیں کہ آدمی بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ؎

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی
ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

اور یہ بات بجا بھی ہے کہ جب کسی کو، دوسرے سے عشق کے درجے کا تعلق ہوتا ہے تو وہ اپنے اندر موجود یا غائب دونوں حالتوں میں اپنے معشوق کا اثر پاتا ہے، اس کی یاد سے اس کا دل لبریز ہوتا ہے، اس کا محبوب غائب بھی ہو تو اس کا دل اس کی محبت سے آباد اور بارونق ہوتا ہے، ابو الطیب متنبی نے ایسے مواقع کے لیے شاید نہیں یقیناً یہ کہا ہے ؎

العشق کالمعشوق یعذب قربه
للمبتلی و ینال من خوبائه

حضرت رئیس صاحب دامت برکاتہم کا اکابرین واسلاف سے عشق ہی وہ جوہر ہے جو آپ کے انتظام وانصرام فلاح دارین کے دور میں، اس وقت کے طلبہ واساتذہ میں بالخصوص منتقل ہوا اور فضلائے فلاح دارین نے جہاں اپنے ادارے سے کسب کردہ فیض سے آیندہ نسل کو فیض یاب کیا وہیں وہ معنوی عشقِ اکابر بھی اپنے دل کی گرم چنگاری کے ساتھ آنے والی نئی پود کو بانٹتے رہے اور لوگوں میں اپنے اکابر واسلاف سے عشق ومحبت پیدا کرتے رہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اگر ہم اپنے سلسلے کو محفوظ رکھتے ہیں تو ہمارے دین وایمان اور عمل واحکام کا اعتبار مضبوط ومستحکم ہوتا ہے اور اگر ہم اپنے سلسلے کو محفوظ نہیں رکھتے اور خود ہی اپنے بڑے ہونے کا دعوی پیش کرتے ہیں تو بڑائی کا کیسے اور کس کو اعتبار ہوسکتا ہے، کیوں کہ دینی بڑائی خود سے پیدا نہیں ہوتی بل کہ دین جیسے منقول ہو کر آیا ہے اس کی بڑائی بھی منقول ہو کر ہی آئے گی۔

اس عشق ومحبت کی چنگاری صرف ہندوستان میں ہی اپنا اثر نہیں دکھاتی بل کہ جب آپ بیرون ہند کے سفر پر ہوتے تب بھی کناڈا، انگلینڈ، امریکہ، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمانوں سے کسی مجلس میں جب بھی محو گفتگو ہوتے تو یہ عشق ومحبت کی چنگاری شعلۂ جوالہ کی شکل اختیار کر لیتی اور کوہِ آتش فشاں کی طرح اپنی حرارت سے سامعین کو گرمائے بغیر نہ رہتی، آپ اپنے طلبہ کو اور اپنے دور کے اساتذہ کو ماضی قریب کے ان اکابرین کے واقعات ان کی جان فشانی، وفا کیشی، خلوص وللّٰہیت، تواضع، کسرِ نفسی اور استغنا کے واقعات سناتے رہتے کیوں کہ

”ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے“

آپ جب علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھیڑ دیتے تو گھنٹوں اسی میں لگے رہتے، آپ کا اسلوبِ تدریس تفہیم حدیث پر مسلسل گفتگو، احناف وشوافع اور حنابلہ ومالکیہ کے مسالک ودلائل پھر احناف کے مسلک پر حدیث اور دوسرے ائمہ کے دلائل کا جواب ساری چیزیں بڑے لطف ومزہ سے بیان فرماتے، آپ علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عربی دانی کا تذکرہ فرماتے تو بتاتے کہ حضرت کشمیری کے عربی ادب کا کیا پوچھنا، حدیث میں اگر کہیں کسی لفظ کے استدلال کے لیے عربی شعر استشہاد میں آ گیا تو حضرت علامہ صرف ایک شعر پر اکتفا ہرگز نہ فرماتے بل کہ پورے پورے قصیدے مسلسل بے تکان لطف لے کر سناتے چلے جاتے، سننے والا اکتا جائے تو وہ اس کی بات ہے لیکن حضرت علامہ خود کبھی نہ اکتاتے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھڑ جاتا تو پھر تو بس انہیں کا ذکر چلتا رہتا، حضرت تھانویؒ کی طالب علمی، محنت ولگن، گناہوں سے اجتناب، اصول پسندی، بزرگوں سے ربط، علم میں گہرائی، عمل میں لگن اور تصنیف وتالیف میں پابندی اور "**خير العمل ماديم عليه وإن قل**" پر عمل یہ ساری باتیں ایسی لذیذ اور پرزور طریقے سے بیان فرماتے کہ سننے والا کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، حضرت موصوف دامت برکاتہم کا اکابر سے ہی عشق آپ کو بھی دوام بخشے گا، آپ ابھی ہمارے درمیان موجود ہیں اور ذاتی تجربات ہی بتلا رہے ہیں کہ آپ کی لگائی ہوئی کھیتی کبھی ان شاء اللہ ویران نہ ہوگی، یہ کشتِ علمی ہمہ وقت سیراب وشاداب رہے گی، اسی عشق ومحبت اور اکابرِ امت سے تعلق وربط ہونے کی وجہ سے طویل، مختصر تعطیلات میں ہمیشہ یہ

ہدایات دیتے رہتے کہ ان فارغ اوقات کو اہل اللہ کی صحبت میں گزارنا چاہیے کہ صحبت اپنا بڑا اثر رکھتی ہے ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

عمر کے کسی بھی مرحلے میں اہل اللہ کی صحبت سے مستغنی نہیں رہنا چاہیے، اہل اللہ کی خدمت میں حاضری دینا دین کا رنگ اپنے اندر پختہ طور پر چڑھانے کے مترادف ہے، یہی اللہ کا رنگ ہے اللہ کے رنگ سے اچھا رنگ کس کا ہوسکتا ہے، **صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عابدون،** اس کے ذریعے حضرت شیخ سعدیؒ کی اس حکایت کی طرف

گلے خوشبوئے درحمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — بگفتا من گلِ ناچیز بودم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

فرماتے ہیں کہ ایک روز میں غسل کرنے کے لیے حمام میں داخل ہوا، جہاں میرے دوست نے مجھے ایک خوشبودار مٹی دی جسے ملنے سے بدن میں خوش گوار اور روح پرور مہک اٹھنے لگتی ہے، میں اس پر بے حد متعجب وحیران ہوکر خودکلامی کے انداز میں اس سے پوچھ پڑا کہ تو مشک ہے یا عنبر؟ تیری روح پرور، خوش گوار اور دل آویز خوشبو نے مجھے بے خود اور مست کر کے رکھ دیا ہے، اسی کے معاً بعد اس کا جواب میرے کانوں کے پردے سے ٹکرانے لگا کہ میں تو وہی ایک ناچیز اور بے حیثیت مٹی ہوں

مگر مجھے ایک عرصۂ دراز تک گلاب کے پھول کی صحبت میسر آئی ہے، میرے ہم نشیں کی ہم نشینی اور صحبت نے اس کے حسن و جمال کا اثر میرے اندر بھی بھر دیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو عام طور پر ہوا کرتی ہے، حضرت موصوف دامت برکاتہم اس طرح کے واقعات سنایا کرتے جس سے قیاسا یہ مقصود ہوتا ہے کہ شیخ کامل کی صحبت و ہم نشینی اسی طرح اخلاقی و روحانی برائیوں سے منزہ کر کے زندگی کو دل آویز، معطر اور روح پرور بنا دیتی ہے اور ایسے ایسے اوصاف حمیدہ سے متصف کر دیتی ہے جن کی تحصیل کے لیے محنت و مجاہدے کے راستے سے عرصہائے دراز بھی ناکافی ہوتے ہیں۔

اکابر اساتذہ سے استفادہ:

صحبت صالح کا اثر انسان کی زندگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا مٹی کو گل ولالہ نے خوشبودار بنا دیا، حضرت والا دامت برکاتہم جہاں اپنے طلبہ اور مدرسین کو ہمہ وقت نیک صحبت اور صالحیت پر ابھارتے وہیں طلبہ کی استعداد سازی کے لیے خونِ جگر دینے کے لیے بھی ہر دم تیار رہتے اور اس کی کوشش فرماتے۔

''فلاحِ دارین'' کے زمانۂ اہتمام میں صلاحیت سازی اور تقسیم اسباق کے حوالے سے حضرت کی فکر مندی اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کو متقدمین کے علوم میں پختگی، عمق اور گہرائی و گیرائی حاصل تھی، متقدمین کے علوم کو گھول کر پلا دینا گویا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، اس لیے حضرت کاپودروی مدظلہ العالی نے بخاری شریف جلد اول کا درس انہیں سے متعلق کر رکھا تھا، تاکہ جہاں اکابر اساتذہ کے چیدہ چیدہ علوم سے استفادہ کا بھرپور موقع مل سکے وہیں

طالبانِ علوم نبوت کی پختہ استعداد سازی کی راہ ہموار ہو سکے، دوسری طرف حضرت مولانا شیر علی صاحب قاسمی علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی تھی، علوم اسلامیہ میں دست گاہِ کامل حاصل ہونے کے ساتھ فقہی بصیرت اور تصلب فی المسلک کی بھی ایک امتیازی شان حاصل تھی، اصولی وفروعی مسائل فقہیہ میں پانی کی روانی کی سی زبان چلتی تھی اور شرح مسلک حنفی میں چٹان کی سی مضبوطی اور لوہے کی سی پختگی حاصل تھی، حضرت کاپودروی مدظلہ کا ہی یہ ظرف تھا کہ انہوں نے اس جوہرِ آب دار کو پہچانا تھا اور طلبہ کی صلاحیت سازی اور مستقبل کی تابناکی کے لیے ایسی شخصیت وصلاحیت کا انتخاب فرمایا تھا جو تصلب فی الدین اور پختگی مسلک کی نایاب خوبی طلبہ میں بہتے دھارے کی مانند منتقل کردے، یہی سارے مقاصد کارفرما تھے جن کی بنیاد پر حضرت کاپودروی دامت برکاتہم نے بخاری جلد ثانی حضرت مولانا شیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق فرمائی تھی، اسی طرح جلالین شریف کی تقسیم میں یہ بات ملحوظ تھی کہ نصف اول حضرت مولانا ابرار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق تھی اور نصف ثانی علوم عقلیہ کی تطبیق میں ید طولی رکھنے والے اور مستشرقین وجدید مصنفین کے چیلنجز کے تار و پود بکھیرنے والے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ سے متعلق تھی، حضرت موصوف رئیس گجرات مدظلہ العالی کا یہ خاصہ تھا کہ اساتذہ کی تقرری کے معاملے میں صلاحیت وصالحیت دونوں پہلوؤں کو ملحوظِ خاطر رکھتے، اس کے لیے ملک کے چپے چپے میں اسفار کرتے، کہیں بھی کوئی قیمتی ہیرا نظر آجاتا تو جوہری کی پرکھ رکھنے والا اسے فوراً اٹھالیتا کہ ع قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

اس سے طلبہ میں بلند حوصلگی، وسعتِ ظرفی اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا، مرعوبیت واحساس کمتری کے عیب سے دوری ہوتی، اسی طریقۂ کار کی وجہ سے اپنے ادارے کے کبار اساتذہ سے استحکامِ تعلیم وتنظیم میں مشورے لیتے، ان کی آرا کی قدردانی فرماتے، اس طریقۂ کار کو نافذ العمل فرماتے جو مشورہ میں طے پاتا اور اس کو برملا ظاہر فرماتے کہ یہ تو فلاح دارین کے اساتذہ کا کمال ہے کہ ہر وقت وہ دست گیری فرماتے رہتے ہیں، اساتذہ کو تبلیغ دین اور اصلاح سماج کے لیے مختلف دیہی علاقوں اور دور دراز قصبات میں سفر کراتے، عوام وخواص کو مربوط رکھنے کی مہم چلاتے، طلبہ واساتذہ کے پاکیزہ ربط کا بھرپور خیال رکھتے، تجسس اور ٹوہ کو حرام سمجھنے میں کوئی تفریق روا نہ رکھتے کہ مدارس کی چہار دیواری میں تجسس وٹوہ کو جواز کی سند فراہم ہوجائے، اس بات کی شدومد سے تاکید فرماتے کہ حرام چیز نیکی کا ذریعے بننے سے حلال نہیں ہوجاتی، کسی کی مدد کے لیے رقم کی فراہمی میں چوری کو ذریعہ بنانا حلال نہیں ہوسکتا، ایسا کھلا ذہن رکھتے اور رکھنے کی تلقین بھی کرتے کہ علم دین دنیا کے جس کونے میں بھی ملے حاصل کرو، اس کے لیے فلاح دارین کی تخصیص ہرگز نہیں، شرط یہ ہے کہ اکابر دین سے عشق خدا کا خوف اور اپنی اصل حقیقت کا ادراک رہنا چاہیے ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں کھیلو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو (اکبر الہ آبادی)

اسی لیے طلبہ کو دیگر مدارس اسلامیہ اور جامعات دینیہ میں تحصیل علم دین اور مہارت تامہ پیدا کرنے کے لیے ابھارتے، اکساتے اور دامے درے، قدمے سخنے جیسا بھی بن پڑتا تعاون فرما کر عالمی شخصیات اور اداروں سے واقف کار بناتے، اپنی امتیازی شان کو ظاہر کرنے کے بجائے تواضع اور کسر نفسی کو ترجیح دیتے، اپنے شاگردوں مثلاً مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی وغیرہ کو بھی دیگر اکابر اساتذۂ فن کی مجالس سے جوڑنا اور مستفیض ہونے کی تلقین کرنا اسی تواضع اور

ع در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

کی زندہ مثالیں ہیں، اور ظاہر سی بات ہے کہ جس شخصیت کی ہمیشہ یہ تاکید و تلقین ہو کہ کسی بھی میدان میں مسلک دیوبند سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے وہ کس قدر محتاط اور باریک بیں ہوگی، جدید منافع کو لینے میں قدیم صالح سے دست بردار ہونا ہمارے حضرت کا ہرگز مسلک نہ تھا، کسی کو متنبہ کرنے میں عزت نفس کا خیال رکھنا اور اعزاز و اکرام اور قدیم برتاؤ میں فرق نہ آنے دینا یہ آپ کی شناخت تھی، طلبہ و اساتذہ کے درمیان تعلیم و تعلم کا باہمی ربط رہتا ہے، جس میں کبھی تعلیمی پیش رفت میں نقص کی شکایت انتظام کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی ہے، ایسے موقع پر صاف ستھرے اعتدال پسندانہ رویے سے حالات پر قابو پالینا ہمارے حضرت کا پودروی مدظلہ کا حددرجہ کمال تھا، ایک موقعہ چلتے چلتے مختصر سا ذکر کردوں کہ ایک ہی استاذ سے شرح تہذیب اور اصول الشاشی کی کتابیں جماعت سوم کے طلبہ کے حوالے سے متعلق ہیں، جس میں طلبہ کی کمزوری اصول الشاشی نامی کتاب میں دیکھی گئی، انتظامیہ کو اطلاع ہونے پر

حضرت نے کمال ادب سے استاذ کو طلب کیا تو استاذ بھی حضرت کے پروردہ تھے، اپنی صفائی میں زیادہ کچھ نہ بولتے ہوئے عرض کیا بندے نے دونوں کتابیں اپنی استطاعت بھر محنت ہی سے پڑھائی ہیں، کمزوری کہاں سے آئی اس کا صحیح جواب درجے کے طلبہ ہی سے معلوم کرلیں، اس طرح کے حالات میں حضرت فراخ دلی، سیر چشمی اور سادہ دلی کا ثبوت دیتے؛ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور انتظامیہ سے اساتذہ کا یا طلبہ کا اساتذہ وانتظامیہ سے الجھنے کا معاملہ اسی بلند اخلاقی کے سبب ایک خوش گوار ماحول میں تبدیل ہوکر نمونہ بن گیا، جس سے دوسروں کو حوصلہ ملے، علم اور علما کا مقام بلند ہو اور دین کو سرخروئی وسرفرازی ملے ؎

میری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

مداومتِ عمل اور جہد مسلسل:

حدیث شریف میں آتا ہے **"خير العمل ماديم عليه وإن قل"** ہمارے استاذ گرامی اور مربی اور فلاحی برادری کے عظیم محسن حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ جسے ایک کرامت ہی کہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس کام کا آغاز کیا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا، جس میدان میں قدم رکھا پیچھے نہ ہٹے، جس رخ پر زندگی کی گاڑی چلانا شروع کی اس میں تسلسل، دوام، پابندی ''نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو'' کا مصداق اور مداومت پر عمل والی حدیث کے پیکر مجسم تھے۔

اپنے ۲۷/ سالہ عرصے پر محیط دورِ اہتمام میں اسی گرمی، حرارت، حوصلہ مندی، بلند ہمتی، توکل وایثار، جذبۂ ہمدردی، بلند اخلاقی، تقویٰ و پاکیزگی، تواضع و للّٰہیت، کسر نفسی اور اپنے اسلاف سے عشق کے درجے کا لگاؤ جیسی اعلیٰ قدروں اور بلند صفات کے ساتھ پوری پابندی سے زندگی کے ایام گزارتے رہے کہ اللہ نے اسی کرامت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب قاسمیؒ جیسا باشعور اور بیدار مغز وزیر و عالم ربانی عطا فرمادیا، آج آپ سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے اور کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں افق عالم پر چمکنے والے آفتاب و ماہتاب اپنے علم و عمل کی ضیاپاشی سے بکھرے ہوئے اندھیرے کی چادر کو تار تار بنا کر دونوں جہاں کی ناکامی سے نکال کر فلاح دارین عطا کر رہے ہیں اور آنے والی نئی نسل کو یہی پیغام دے رہے ہیں ؎

جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

مفکرِ ملت، علی میاںِ ثانی

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی

دامت برکاتہم

سابق رئیس "دار العلوم فلاحِ دارین" ترکیسر

کچھ یادیں، کچھ باتیں

از

حضرت مفتی ابراہیم بن سلیمان صاحب ہانسلو دفلاحی مدظلہ

خادم حدیث وافتا دار العلوم مرکزِ اسلامی، انکلیشور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فلاحِ دارین میں بندہ کا داخلہ ۱۹۸۵ء میں ہوا۔ اُس وقت مسندِ اہتمام پرحضرت والا کے داماد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انگارتر کیسری فائز تھے اور مسندِ ریاست پر حضرت والا دامت برکاتہم رونق افروز تھے۔ غالبًا حضرت والا کا ورودِ مسعود فلاحِ دارین میں ۱۹۶۶ء میں ہوا، ربع صدی سے زائد عرصہ آپ "دارالعلوم فلاحِ دارین" کے مدیر رہے، آپ نے اپنے دورِ نظامت میں ہمہ جہتی ترقی وتعمیر کے لیے تن من دھن کی بازی لگائی، جس کی وجہ سے فلاحِ دارین کے آسمان وزمین بدل گئے، ایک طرف پُرشکوہ عمارتوں کا طویل سلسلہ قائم ہوگیا تو دوسری طرف تعلیم و تربیت کے میدان میں ہرفن کے ماہر اساتذۂ کرام مہیا کر کے طلبۂ کرام میں وہ علمی ماحول پیدا کردیا جس میں خدا جانے علم وفن اور دانش وبینش کے کتنے پھول کھلے جن سے گلشنِ فلاحِ دارین مہک اُٹھا۔ فلاحِ دارین کی عطر بیز فضاؤں سے ہزارہا ہزار تشنگانِ علومِ نبوت نے اپنے مشامِ جان کو معطر کرلیا اور قلیل عرصہ میں "فلاحِ دارین" رشکِ مدارس بن گیا، جس کی وجہ سے طالبانِ علومِ نبوت اس کی طرف کشاں کشاں اپنا رختِ سفر باندھنے لگے ۔

بہار جو یہاں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

حضرتِ والا کا اندازِ تربیت:

حضرتِ والا دامت برکاتہم کا ایک معمول یہ تھا کہ جب کوئی استاذ کسی وجہ سے درس گاہ میں حاضر نہ ہو سکتے تو اپنے دفتر میں طلبۂ کرام کو بلاتے اور کچھ نہ کچھ سوالات کرتے مثلاً کتاب کا نام، مصنف کا نام، مکتبہ کا نام اور مصنف کس صدی کے ہیں وغیرہ سوالات کرتے، جن سے مقصود طالبِ علم میں بیدار مغزی پیدا کرنا ہوتا تاکہ طالبِ علم غفلت کے ساتھ کتاب اور فن کو نہ پڑھے اور مزید کتاب اور فن کے متعلقات کا علم بھی حاصل کرلے۔

بسا اوقات طالب علم سے کتاب کا سبق بھی سنتے، اگر طالبِ علم سبق نہ سنا پاتا یا مطلوبہ سوال کا جواب نہ دے پاتا تو حضرت کی طرف سے تادیب کا یہ انوکھا انداز دیکھنے میں آتا کہ طالبِ علم کھڑا ہوتا اور اپنے رفقا کے سامنے **"أنا جاهل"** کہہ کر اپنی ہمہ دانی کے شیش محل کو منہدم کرتا، جس سے جہاں اس کی نفسیاتی طور پر اصلاح ہوجاتی وہیں دوسروں کے لیے بھی اصلاح کا دل چسپ نمونہ بن جاتا، اِس سلسلہ میں اگر کسی طالبِ علم کی طرف سے تھوڑی بھی پس وپیش ہوتی تو حضرت والا اپنے مخصوص انداز میں درج ذیل شعر گنگناتے اور مجلس کشتِ زعفران بن جاتی ؎

حُبابِ بحر کو دیکھو کہ کیسا سر اُٹھاتا ہے
تکبر وہ بُری شَے ہے جو فوراً ٹوٹ جاتا ہے

توحیداور قدرتِ الٰہی کی تفہیم سادہ انداز میں:

(۳) حضرت والا کو بچوں کی نفسیات کے مطابق تربیت، ذہن سازی اور ان کی سوچ کے دھارے کو بدلنے کا ایک خاص ملکہ حاصل ہے؛ چناں چہ ابتدائی درجات کے طلبہ کے ذہنوں میں قدرتِ الٰہی اور توحید کی پختگی پیدا کرنے کے لیے درجۂ اردو میں پڑھائی جانے والی ایک کتاب "اردو کی دوسری" (از مولانا اسماعیل خان صاحب میرٹھیؒ) میں ایک سبق "ہماری گائے" ہے، جس کے قدرتِ الٰہی سے بھرے اشعار بارہا طلبہ کو سناتے اور ان اشعار کو یاد کرنے کی طرف توجہ مبذول فرماتے، وہ اشعار یہ ہیں ؎

رب کا شکر ادا کر بھائی — جس نے ہماری گائے بنائی
دودھ، دہی اور مٹّھا، مسکہ — دے نہ خدا تو کس کے بس کا؟
گائے کو دی کیا اچھی صورت! — خوبی کی ہے گویا مورت!

اور اِسی کتاب میں سبق نمبر ۲۰ "برسات اور گاؤں" میں سے بھی کچھ اشعار سناتے، وہ اشعار یہ ہیں ؎

گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی — تو بے جان مٹی میں جان آگئی
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا — کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا — وہاں آج ہے گھاس کا بن کھڑا

اور دنیا کی بے ثباتی اور موت کا استحضار چھوٹے طلبہ میں پیدا ہو اس کے لیے مذکورہ کتاب "اردو کی دوسری" کا سبق نمبر ۲۱ کے پُرمغز اشعار سنا کر خود بھی محظوظ

ہوتے اور طلبہ میں بھی ایک کیف اور سوزِ دروں پیدا کردیتے، وہ اشعار حسبِ ذیل ہیں ؎

قزاق اجل کے رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن، دولت، ناتی، پوتا کیا؟ اِک کنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

الفاظ کی تحقیق:

(۱) تربیت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ طلبۂ عزیز سے الفاظِ مختلفہ کی تحقیق کرواتے اور معانی معلوم کرتے، جس سے طلبہ میں لغت کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ بیدار کرنا مقصود تھا تاکہ وہ صحیح زبان لکھنا اور پڑھنا جان سکیں، چناں چہ آیتِ کریمہ **"قال فخذ أربعةً من الطیر فصرھن إلیک الخ"** میں لفظ **"صُرْ"** کی تحقیق خود احقر سے پوچھی تھی جس پر بندہ نے یہ عرض کیا تھا کہ **صُرْ** یہ **صار یصور صورًا** بمعنی آواز دینا سے امرِ حاضر کا صیغہ ہے۔

(۲) درجۂ فارسی دوم میں ہمارے مدارس میں "بوستاں" داخلِ نصاب ہے، اس میں شیخ سعدیؒ کے یہ اشعار ہیں ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ
ادیمِ زمیں، سفرۂ عامِ او ست
چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

پہلے شعر میں لفظ "داور" اور دوسرے میں "خوانِ یغما" کا ترجمہ پوچھا اور

فرمایا کہ اس کی تحقیق کر کے بتاؤ، چناں چہ احقر نے کتبِ لغات کی طرف رجوع کر کے عرض کیا کہ ”داور“ کے معنیٰ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ”خوانِ یغما“ کا معنی عام دسترخوان ہوتا ہے۔

عربی، اردو اور گجراتی زبان پر آپ کو یکساں طور پر قدرت حاصل ہے، جہاں طلبۂ عزیز کو عربی اور اردو پر دسترس حاصل کرنے کی ترغیب دیتے وہیں اپنی مادری زبان گجراتی کی طرف بھی متوجہ کرتے، تاکہ مقامی حضرات میں بھی طالبِ علم آسانی سے دین کا کام کر سکے۔ اِس سلسلہ میں ”سورتی، سنی، وھورا، مسلم ایجوکیشن سوسائٹی“ کی کانفرنس میں بھی گجراتی زبان میں بیانات کرتے جن کو سماعِ قبول حاصل ہوا ہے۔

اِسی طرح متعدد کتابوں کا گجراتی زبان میں ترجمہ فرمایا ہے، مختلف الفاظ اور ان کے معانی بتاتے چناں چہ ایک مرتبہ فرمایا کہ گجراتی زبان میں کرکٹ گراؤنڈ (Cricket Ground) پر فلڈنگ (Fielding) کرنے والے کو ”شیتر فرکشگ“ کہتے ہیں۔

آسان تدریس:

ایک مرتبہ ”شرح تہذیب“ کے سبق میں تشریف لائے، اُس وقت دلالت کی بحث کا سبق تھا، درس گاہ میں اُسی دوران بریانی کی خوشبو آئی تو حضرتِ والا نے فوراً پوچھا کہ سونگھ کر کھانا بتا دینا کون سی دلالت ہے؟ طلبہ نے عرض کیا کہ دلالتِ غیر لفظیہ عقلیہ ہے، اُس پر خوش ہو کر فرمایا: خارجی مثالوں کے ذریعہ اسباق کو پختہ کیا کرو، یہ بھی تربیتِ علمی کا ایک نرالا انداز ہے۔

(۴) حضرتِ والا دامت برکاتہم کو جنرل نالج (General Knowledge)، جغرافیہ (Geography) اور مختلف ملکوں کے نقشوں (Maps) کے متعلق اچھی خاصی معلومات حاصل ہے۔ کتاب میں کسی اسلامی ملک، شہر، شخصیت یا کتاب وغیرہ کا تذکرہ آتا تو فوراً طلبہ سے اُس کے متعلق پوچھتے، مثلاً: ایک مرتبہ صاحبِ ہدایہ کے متعلق پوچھا کہ کہاں کے باشندے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ "وادیِ مرغینان" جو "خراسان" میں واقع ہے' کے باشندے ہیں۔ اس پر فوراً فرمایا کہ سلطنتِ مغلیہ کے فرماں روائے اول ظہیر الدین بابر بھی اسی وادی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اِسی طرح خلفائے عباسیہ میں سے خلیفہ ہارون رشید کے دور میں مقامِ رَیّ میں امام محمد اور امام کسائی رحمہما اللہ کی جب تدفین ہوئی تو ہارون رشید نے کہا کہ آج ہم علم کے آفتاب و مہتاب کو دفن کر کے آئے ہیں۔ اس قصہ کو سنا کر حضرتِ والا نے پوچھا کہ "رَیّ" شہر کو آج کے دَور میں کس نام سے پکارتے ہیں؟ طلبہ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو پھر خود ہی ارشاد فرمایا: اُسے "تہران" کہتے ہیں جو آج کل "ایران" کا پایۂ تخت ہے۔

اِسی طرح کتبِ تاریخ میں علامہ ابنِ خلکان کا لفظ بار ہا آتا ہے، اس کا تلفظ بسکون اللام یا بتشدید اللام(۱) ہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ "خلّ" بمعنی خالی کرو سے ہے؛ لہٰذا یہ بتشدید اللام ہے۔

---

(۱) یہ علامہ قطب الدین نہروالی کی رائے ہے جیسا کہ شیخ عبدالقادر حضرمی نے ذکر فرمایا ہے۔ (النور السافر اردو: ۳۰۴)

تربیتِ عملی اور طلبہ کی نگرانی:

ایک بار ایک طالبِ علم جو قرآن کریم کا حافظ بھی تھا "ترکیسر" کے قریب "اَریٹھ" نامی جگہ فلم دیکھنے گیا، کسی طرح پکڑ لیا گیا تو حضرت نے اسے اپنے دفتر میں بلایا اور حافظِ قرآن کے مقام اور مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کے سینہ کی اسکرین (Screen) پر قرآن مرتسم ہو وہ فلم کے پردہ پر ناچنے والی بے حیا عورت کے سامنے اپنے سینہ کو کیسے لے جانا گوارا کرتا ہے! پھر بڑے ہی پُر درد انداز میں مترنم ہوئے ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

اس کے بعد فرمایا: تم لوگ شہزادے ہو، ایسی جگہوں میں ہم نہیں سجتے ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کرے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اِس سے اندازہ ہوا کہ تربیت کے سلسلہ میں حضرت کا موقف زدوکوب کے بجائے طالبِ علم کو اس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر کے نفسیاتی طور پر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا تھا، اِس سلسلہ میں یہ واقعہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ایک شافعی المسلک طالبِ علم کا معمول جہری نمازوں میں زور سے آمین کہنے کا تھا، اتفاق سے کسی دن فجر کی نماز میں وہ غائب ہو گیا تو حضرت نے اسے بلا کر اس کی غیر حاضری پر تنبیہ فرمائی، اس خاموش تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ پھر ہمیشہ کے لیے وہ آمین سِر میں تبدیل ہوگئی۔

حضرت والا کا عربی ذوق:

آپ کے بلند ادبی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ "دیوانِ امام شافعیؒ"، "مکارم الشیم ترجمہ عنوان الحکم"، **"بدر الدين العيني و أثره في علم الحديث"** اور **"رسالة المسترشدين"** کے حواشی کا ترجمہ بڑے سلیس اور جان دار انداز میں فرمایا۔ عربی زبان کے بہترین قطعات وابیات ہمیشہ نوکِ زبان رہتے ہیں، "متنبی" سے تو گویا عشق ہے؛ چناں چہ اکثر اس کے اشعار وِردِ زبان رہتے ہیں۔ درجِ ذیل اشعار حضرتِ والا سے متعدد بار سننے کی سعادت حاصل ہوئی ؎

أعز مكان في الدنى سرج سابح
و خير جليس في الزمان كتاب

یعنی دنیا میں سب سے عزت کی جگہ تیز رفتار گھوڑے کی زین ہے اور ہر زمانہ میں بہترین ہم نشین کتاب ہے۔

و قد فارق الناس الأحبة قبلنا
و أعيا دواء الموت كل طبيب

یعنی ہم سے پہلے بھی لوگ دوستوں سے جدا ہوئے اور موت کی دوا نے ہر طبیب کو عاجز کر دیا۔

سبقنا إلى الدنيا فلو عاش أهلها
منعنا بها من جيئة و ذهوب

یعنی ہم دنیا میں بعد میں آئے، اگر دنیا والے سب کے سب زندہ رہتے تو ہم سب دنیا میں آنے جانے سے روک دیے جاتے۔

اِسی طرح "فرزدق" شاعر کا مشہور شعر نوکِ زبان رہتا تھا:

اولئک ابائي فجئني بمثلهم

إذا جمعتنا يا جرير المجامع

اِسی طرح مصر کے ایک شاعر "شوقی ضیف" جن کو لوگ "امیر الشعرا" کہتے ہیں، ان کا ایک شعر دسیوں مرتبہ آپ کی زبان سے سنا ؂

إنما الأمم بالأخلاق

فإذا ذهبت أخلاقهم ذهبوا

یعنی دنیا میں قومیں اخلاق سے پنپتی ہیں، جب اخلاق ختم ہو جاتے ہیں تو قومیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

اِسی طرح طلبا میں عربی ذوق پیدا کرنے کے لیے **"النادي العربي"** کو قائم کیا اور اس کے لیے مختلف عربی رسائل جاری کرائے مثلاً ندوہ سے شائع ہونے والے دو عربی رسالے **"البعث الإسلامي"** اور **"الرائد"** جاری کرائے، اسی طرح **"التضامن الإسلامي"** نامی رسالہ بھی نادی میں آتا تھا اور دیگر عربی رسائل بھی آتے تھے۔

اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے تو عاشقِ زار تھے، اکثر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عرب کے صفِ اول کے رائٹروں میں حضرت کا شمار ہوتا تھا اور ان کی

کتاب **"ردة ولا أبا بكر لها"**، **"ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين"** اور **"رجال الفكر و الدعوة"** جس کا اردو جامہ "تاریخِ دعوت وعزیمت" ہے وغیرہ کتابوں کا تذکرہ بڑی محبت سے فرماتے ہوئے سنا۔

حضرت والا سے سنے ہوئے عرب مفکرین اور رہ نماؤں کے نام:

عربی رائٹروں کے نام مثلاً: طٰہٰ حسین، محمد امین، احمد حسن زیات اور علامہ طنطاویؒ صاحبِ جواہر القرآن، سید قطب شہید صاحبِ فی ظلال القرآن، منفلوطی، محمود عقاد وغیرہ انشا پرداز اور مصر کے جمال عبد الناصر، ترکی کے کمال اتاترک، فلسطین کے یاسر عرفات اور اخوان المسلمین کے مرشد عام حسن البناء الشہید وغیرہم کے نام سب سے پہلے آپ کی زبان سے سنے، جس سے جہاں آپ کی آفاقیت کا پتہ چلتا ہے وہیں طالبِ علم کے ذہنی اُفق کو وسیع کرنے کی سعی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ ابو الحسن علی الحسنی الندویؒ کی اردو کتابیں بھی پڑھا کرو، ان کی اردو پر عربیت کا غلبہ ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی اردو پر فارسی کا غلبہ ہے، ان میں حافظ شیرازیؒ کے فارسی تصوفانہ اشعار کا اور مثنوی رومی کا اثر ہے۔

الوداعی مجلس میں آپ کے کمالات کا اعتراف:

حضرت والا نے جن عظیم قربانیوں اور سعیِ پیہم سے گلشنِ فلاحِ دارین کی سینچائی اور آب یاری کی ہے، نیز اس کے لیے جو جاں فشانی اور خون پسینہ ایک کیا اس سے حضرت والا کی فلاحِ دارین سے اپنائیت اور درجۂ محبت کی وابستگی و وارفتگی

معلوم ہوتی ہے، ان خدماتِ جلیلہ کا اجرِ اصلی تو خلاقِ عالم ہی دے سکتا ہے اور کوئی نہیں دے سکتا؛ مگر "راوت" فیملی خصوصًا حاجی یوسف صاحب راوتؒ اور حاجی موسیٰ صاحب راوتؒ جو موجودہ مدیرِ اعلیٰ حضرت مولانا خلیل احمد راوت مدظلہ العالی کے والدِ محترم ہیں اور دیگر "راوت" فیملی کے افراد نے حضرت کی فلاحِ دارین سے سبک دوشی کے موقع پر الوداعی مجلس میں آپ کی خدمات وقربانیوں کو کھلے دل سے قبول کیا، یہ فلاحِ دارین کی ایک تاریخی مجلس تھی، جس میں حضرت والا کی خدمات کو سراہتے ہوئے ایک تمغہ دیدہ زیب تختی کی شکل میں بطورِ خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ اس مجلس کے اختتام کے بعد مسجد کے باہر کے حصہ میں جہاں جوتے، چپل نکالتے ہیں وہاں میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے اس فلاحِ دارین کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے اتنی محنت کی جتنی اولاد کے پیچھے ایک دردمند باپ کرتا ہے۔ حضرت یہ فرمارہے تھے اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں کہاں ایک چھوٹا سا طالبِ علم اور کہاں یہ قد آور شخصیت........ یقینًا اس میں میرے لیے بہت سی عبرتیں ہوں گی جن کی طرف اپنی غفلت کی بنیاد پر توجہ نہ دے سکا۔

میں نے اپنے تئیں مذکورہ قول سے اب یہ سبق لیا کہ اپنی اولاد کی طرح طالبانِ علومِ نبوت سے خیر خواہی کرنی چاہیے۔

اکابرین کے ساتھ بے مثال تعلق ومحبت:

حضرت شیخ ابو الحسن علی الحسنی الندویؒ کا تذکرہ بہت والہانہ انداز سے کرتے، اس سے ایسا محسوس ہوتا گویا آپ کے رگ وریشہ میں ان کی محبت کا خون رواں ہے۔

(۱) فرمایا: عرب ممالک کے سربراہان کی بے حسی پر شیخ ندویؒ فرماتے تھے: ”دراصل ہمارے سربراہانِ مملکت یورپ کی دایہ کے شیر خوار بچے ہیں“۔

(۲) ایک مرتبہ فرماتے ہوئے سنا کہ شیخ ندویؒ اپنی کتاب ”دریائے کابل سے دریائے یرموک تک“ میں ارقام فرماتے ہیں کہ کوہِ سلیمانی کے پاس اسلام کا چراغ کبھی بھی نہیں بجھے گا، ٹمٹماتا ہی رہے گا (یہ کوہِ سلیمانی افغانستان میں ہے، اس میں اہلِ افغان کی دینی حمیت اور تصلب فی الدین کی طرف اشارہ ہے کہ حمایتِ دین کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں جیسا کہ آج ہم مشاہدہ کرر ہے ہیں)۔

(۳) فرمایا: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک بار دیوبند میں جامع مسجد کے لیے حضرت مدنیؒ نکلے، ہم لوگ بھی پیچھے پیچھے اٹھے، کسی نے گرمی کی وجہ سے چھتری کھولی تو حضرت مدنی کھڑے ہوگئے اور پوچھا کہ بھائی آپ نے میرے اوپر کیوں چھتری کھولی؟ کہا گیا: حضرت دھوپ بہت ہے۔ فرمایا کہ میرے ساتھ جو لوگ چل رہے ہیں ان کو دھوپ نہیں لگتی؟ سب کے لیے ایک ایک چھتری لاؤ تب میں آگے چلوں گا۔

اس واقعہ سے اکابرین کی جفاکشی، فنائیت اور چھوٹوں کے ساتھ حسنِ تعلق کو بتلانا تھا اور بھی دوسرے اکابرین کا موقع بہ موقع تذکرہ کیا کرتے تھے تاکہ طلبا میں اکابرین سے وابستگی پیدا ہو اور ان کی تقلید کریں۔

حضرتِ والا کی زبان سے سنے ہوئے اشعار:

من تو شدم تو من شدی   من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں   من دیگرم تو دیگری

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کرے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

از پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام قوموں کی امامت کا

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

وقتِ طلوع دیکھا ، وقتِ غروب دیکھا
اب فکرِ آخرت ہے ، دنیا کو خوب دیکھا

نقشوں کو تم نہ جانچو، لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

حضرت والا کی چند قیمتی نصائح:

ہر سال فارغ ہونے والے طلبا کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ہماری رسمی فراغت کے سال (۱۹۹۵ء کا پہلا عشرہ) حضرت الرئیس کا مستقل قیام فلاحِ دارین میں تو نہیں تھا، مگر وقتاً فوقتاً تشریف آوری ہوتی رہتی تھی، آپ کی کچھ نصیحتیں گوشۂ دماغ میں ہیں، جنھیں زیبِ قرطاس کرتا ہوں:

(۱) کسی بھی مدرسہ اور دارالعلوم میں خدمت کا موقع ملے تو وہاں کے ماحول میں اولاً مدغم ہو جانا پھر تدریجاً اصلاح کرنا، فوراً جاتے ہی یہ مت کہنا کہ ہمارے فلاحِ دارین میں یوں ہے اور یوں ہے، ورنہ بجائے اصلاح کے افساد ہو جائے گا۔

(۲) جب کبھی نجی معاملہ کی وجہ سے مدرسہ سے الگ ہونا پڑے تو چپ چاپ علاحدہ ہو جانا، ادارہ کو زدمت پہنچانا اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی یہ بات بیان فرماتے کہ ”ادارے بنتے بنتے بنتے ہیں“ اور خود فرمایا کہ ”اداروں سے ارادے بنتے ہیں اور ارادوں سے ادارے بنتے ہیں“۔

(۳) یہ بھی فرمایا کہ مرغیاں مت پالنا، کسی کے آنگن میں نجاست کریں گی تو نزاع ہوگا، اس سے علما کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

(۴) ایک مرتبہ ”کاپودرا“ بغرضِ ملاقات جانا ہوا تو فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی آمدِ باسعادت فلاحِ دارین میں ہوئی تو احقر نے کچھ درپیش حالات بیان کیے، اس پر مفتی صاحبؒ نے جواباً فرمایا کہ ہمیں تو ان ہی مخالف حالات میں تحمل کے ساتھ کام کرنا ہے، دل برداشتہ ہونا نہیں ہے۔ پھر مفتی صاحب

نے ایک سرد آہ کھینچی اور ارشاد فرمایا: مولوی صاحب! ہمارے اکابرین نے بڑی قربانیوں کے بعد ان اداروں کو بنایا ہے، کیا ہمارے حصے میں ان کا اجاڑ نا لکھا ہے۔

(۵) فرمایا: علما کے لیے مطالعہ وسیع کرنا اور ماحول و ذرائعِ ابلاغ پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

مہمیز:

ہمیں حضرتِ والا کی نصیحتوں کو پڑھ کر اور متحرک زندگی کو دیکھ کر اپنے آپ کو تیار کرنے کی کوشش کرنا، بلند عزائم کو اپنی حیات کا مقصود العین بنانا اور مخلوق کے لیے نفع پہنچانے والا بننا چاہیے۔

الغرض! یہ حضرت والا جیسی ہمہ جہت شخصیت کے متعلق اپنے تئیں جو پایا اس کو قلم بند کرنے کی سعیِ ناتمام کی ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں حضرت والا!

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

اخیر میں بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ حضرت والا کو اللہ رب العزت شفائے کاملہ عاجلہ دائمہ مستمرہ عطا کرے اور حضرت کے سایۂ عاطفت کو ہم خردوں پر بسلامت تا دیر قائم و دائم رکھے اور حضرت کے قائم کردہ منہج پر ہم سب کو گامزن ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور حضرت کے لگائے ہوئے گلشنِ فلاحِ دارین کو ہمیشہ تر و تازہ رکھے اور اس کے فیض کو جاری رکھ کر "راوت" فیملی اور حضرتِ والا کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا کر سرخ رو فرمائیں! آمین یارب العالمین!

دورِریاست کی چند آخری جھلکیاں

بقلم
حضرت مولانا محمد ادریس صاحب پٹیل ورتھی فلاحی
بانی و مہتمم ادارہ فیضِ دارین ورتھی

بندہ نے ۱۹۸۳ء کے درمیان ماہ شوال میں درجۂ اردو میں ''فلاحِ دارین ترکیسر'' میں داخلہ لیا، اس وقت مہتمم جامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب بیرون ملک سفر پر تھے۔ اس سے قبل جب دار العلوم رام پورہ میں درجۂ حفظ کا میرا آخری سال تھا، ہمارے حفظ کے ساتھی محترم مولانا عبدالرشید صاحب جی بھائی - جو ایک سال قبل تکمیل حفظ کے بعد فلاحِ دارین میں درجۂ اردو میں زیر تعلیم تھے- کی ملاقات کی غرض سے ایک روز فلاح دارین جانے کا اتفاق ہوا، ہم دونوں تحتانی منزل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک مولانا عبداللہ صاحب فوقانی منزل سے نیچے تشریف لائے، آپ کو دیکھ کر وہاں موجود سارے طلبہ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، میں مولوی عبدالرشید جی بھائی کے ساتھ وہیں رہا، بندے نے مصافحہ کیا، حضرت نے پوچھا: کہاں پڑھتے ہو، کیا پڑھتے ہو؟ جواب سے خوشی کا اظہار کیا۔

المختصر! یہ بندے کی حضرت سے پہلی ملاقات تھی، اس موقع پر میں نے مولوی عبدالرشید سے کہا کہ آپ کے مہتمم اور دار العلوم رامپورہ کے ہمارے مہتمم جناب عبدالقادر میر صاحب کا اندازِ گفتار یکساں معلوم ہوتا ہے۔

خیر! فلاح دارین میں میرے پہلے سال (درجۂ اردو) کی تعطیلات عید الاضحیٰ سے قبل حضرت مہتمم صاحب کی سفر سے واپسی ہوئی اور آخری دن جو حضرت کی تشریف آوری کا پہلا دن تھا آپ نے طلبہ و اساتذہ میں بیان فرمایا۔

اس کے بعد تقریباً دو سال منصب اہتمام پر متمکن رہے، پھر حضرت مولانا قاسم انگار صاحب کی تشریف آوری اور برائے اہتمام تقرری کے بعد آپ نے رئیس الجامعہ کی حیثیت سے ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۹۰ء (جو ہمارا سال ہدایہ ہے) تک ترکیسر میں قیام فرمایا۔

بندہ نے بطور اہتمام حضرت کے آخری دو سال - جو بندے کے ابتدائی دو سال تھے - دیکھے، بعدہ فارسی دوم سے حضرت مولانا قاسم صاحب تشریف لائے اور عربی چہارم کے اختتام تک ان کا دور اہتمام رہا، پھر ان کے کینیڈا مقیم ہو جانے کے بعد چند ماہ حضرت نے عارضی طور پر اہتمام سنبھالا، پھر حضرت مولانا اقبال صاحب دیولوی کو اہتمام سپرد کر دیا گیا۔

ان سالوں میں اور بطور خاص عربی اول سے حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے جو حالات دیکھے ان میں سے چند لمحات پیش خدمت ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا: ''میں مہتمم بھی ہوں اور مدرس بھی، بہت کم مہتمم مدرس ہوتے ہیں''۔

مولانا کے تہجد سے عشا تک کے اکثر اوقات احاطۂ مدرسہ میں گزرتے تھے، فجر سے قبل تشریف لاکر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، دو چار طلبہ کی بھی یہ عادت مبارکہ تھی جن میں مولوی فاروق صاحب باغیہ ممتاز تھے، بوقت تہجد تلاوت قرآن کریم کا خاص اہتمام کرتے تھے، پھر اذان سے کچھ پہلے یا اذان ہوتے ہی دارالاقامہ میں طلبہ کو بیدار کرنے کے لیے تشریف لے آتے، نیچے سے لکڑی کی کھٹکھٹاہٹ سنتے ہی

پل بھر میں پورا دار الاقامہ خالی ہو جاتا اور سارے طلبہ نماز کی تیاری میں مشغول ہو جاتے، پھر فجر کی نماز کے بعد ''سورۂ یٰس'' کی تلاوت کے وقت طلبہ کی نگرانی فرماتے اور ختم یٰس شریف کے بعد کسی بھی طالب علم کو دعا پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیتے، بوقت صبح پڑھی جانے والی ادعیۂ مسنونہ کا ایک مجموعہ صبح ختم یٰس کے بعد پڑھانے کے لیے تیار کیا گیا تھا، وہ سارے طلبہ کو زبانی یاد ہونا ضروری تھا، بندے کو اب تک وہ دعائیں یاد ہیں اور الحمد للہ! تاہنوز روزانہ صبح انہیں پڑھنے کا معمول ہے۔

ختم یٰس شریف کے بعد طلبہ چائے کے لیے جاتے تو گاہے گاہے وہاں بھی حاضری دیتے، پھر گھر تشریف لے جاتے اور وقت شروع ہونے سے پہلے مدرسہ میں آموجود ہوتے، کسی استاذ کی غیر موجودگی یا تاخیر سے آنے کی صورت میں ان کی درس گاہ میں جا کر بیٹھ جاتے اور طلبہ کا سبق سنتے یا آگے پڑھاتے، جس میں اس کتاب کے موضوع کے علاوہ قرآنی، حدیثی، ادبی، سیاسی اور دیگر علمی مضامین سے بھی طلبہ کو فیض یاب فرماتے؛ خصوصاً عربی ادب سے کافی زیادہ دلچسپی تھی، جس کی وجہ سے کسی کتاب میں کوئی عربی لفظ آتا تو قرآن میں مذکور اس لفظ اور اس کے مشتقات کے مواقعِ استعمال بتلاتے، نیز حدیث میں اس کا مترادف لفظ تلاش کرنے کی فہمائش کرتے، دوسری زبانوں میں اس کے ہم معنی لفظ کیا ہے اس کی جانب توجہ دلاتے، نیز رہن سہن میں سادگی اپنانے پر زور دیتے، اس سلسلہ میں آپ کا خاص جملہ یہ تھا: ''میرے سر پر یہ دو روپے کی ٹوپی ہے، دیکھو! مجھے کوئی نکال دیتا ہے؟'' علم میں گہرائی اور زندگی میں سادگی، یہ دو اہم نصیحتیں ہوا کرتی تھیں، طلبہ کے سامنے محنتی

اساتذہ کا ذکر خیر بار بار کرتے تاکہ ان اساتذہ کی قدر و اہمیت دل میں پیدا ہو اور ان سے خوب از خوب استفادہ کریں۔

کسی استاذ یا اہم شخصیت کے انتقال یا جامعہ میں تشریف آوری کے موقع پر تعزیتی یا استقبالیہ اجلاس میں ایسی دل سوز اور پُرمغز موثر باتیں بیان فرماتے کہ انہیں سن کر طلبہ کے دل میں اپنی زندگی کو بدلنے اور اسے سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کا داعیہ پیدا ہو جاتا۔

ادب عربی سے خاص لگاؤ ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ عربی انجمن ''النادی العربی'' میں حاضری دیتے، ہمارے عربی اول کے سال میں النادی العربی کا ایک اجلاس اوپر کتب خانہ میں منعقد کیا گیا، جس میں حضرت رئیس الجامعہ اور حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو اجلاس میں صدر اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا، ہماری جماعت کے دو تین طلبہ کو عربی تقریر سپرد کی گئی تھی، انہوں نے موثر انداز میں تقریر پیش کی، حضرت نے اسی جلسہ میں ان کی خوب حوصلہ فرمائی کہ عربی اول کے بالکل نونہال بچوں نے اس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ عربی خطاب پیش کیا۔

دنیا میں انگریزی کی مسلّم اہمیت و ضرورت اور اس کے بین الاقوامی زبان ہونے کی وجہ سے فلاح دارین میں انگریزی کے دو درجے بھی جاری تھے، جس میں ماسٹر شیخ اور ماسٹر حسین صاحب بہترین انگریزی سکھاتے تھے، اگرچہ طلبہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، مگر اس وقت جتنی بھی انگریزی سیکھی فراغت کے بعد جب اس کی افادیت کا بچشم خود مشاہدہ کیا تو اس کی قدر و اہمیت کا اندازہ ہوا۔

حضرت مدرسہ میں صفائی کی جانب خصوصی توجہ دلاتے، راستوں سے لے کر بیت الخلا تک کی صفائی میں اس وقت فلاح دارین مشہور تھا، مجھے ابھی ایک دو سال قبل حضرت رئیس الجامعہ ہی نے بتلایا کہ ایک عربی مہمان تشریف لائے تھے انہیں طبعی حاجت پیش آئی تو مہمان خانہ کے بیت الخلا کی جانب ان کی رہنمائی کی گئی تو انہوں نے باصرار کہا کہ نہیں! میں طلبہ کے عام بیت الخلا میں جانا چاہتا ہوں، مہمان تکمیل حاجت کے لیے وہیں گئے اور صفائی دیکھ کر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا، انہیں طلبہ کے بیت الخلا کی صفائی ہی دیکھنا مقصود تھا۔

صفائی و نظافت طبیعت میں ہونے کی وجہ سے فلاح دارین میں چمن بندی کروائی، جب حضرت مولانا علی میاں صاحب تشریف لائے تو فرمایا **"جنّتانِ عَن یَمینٍ وشمالٍ"**، پھر یہ جملہ مولانا عبداللہ صاحب نے کئی مرتبہ سنایا۔

رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے کئی بڑے ممالک کے اسفار کیے اور بعض اسفار تو صرف کتب خانوں کی زیارت کے مقصد سے کیے، عراق کے دار الحکومت ''بغداد'' بھی تشریف لے گیے اور وہاں کے اہم مکتبات کی زیارت فرمائی۔

بندہ حال ہی میں دو ماہ قبل بارباڈوز کے سفر پر تھا تو آخری دن کسی نے بتلایا کہ حضرت رئیس الجامعہ وہاں تشریف لے گئے تھے اور وہاں کی یونی ورسٹی کے کتب خانہ کی زیارت فرمائی تھی، یہ سن کر مجھے بھی دیکھنے کا اشتیاق ہوا لیکن قلت وقت کی وجہ سے نہ جا سکا۔

مردم شناسی و مردم سازی، یہ دو خاص صفتیں مولانا میں پائی جاتی ہیں جس کا تقریباً سبھی کو اعتراف ہے، حضرت رئیس الجامعہ کے دور اہتمام میں قابل اور فائق اساتذہ کی ٹیم فلاح دارین میں موجود تھی جنہیں اس وقت کے تمام فضلا یاد کر رہے ہیں، مثلاً: مفتی احمد بیمات صاحب، حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب، حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب، حضرت مولانا شیر علی صاحب، حضرت مولانا یعقوب گورا صاحب، حضرت قاری انیس احمد صاحب۔ یہ جلیل القدر اساتذہ اس دار فانی سے رحلت فرما چکے، **تغمّدهم الله برحماته وأدخلهم فسيح جناته**۔ حضرت قاری انیس احمد صاحب کو لانے کے لیے حضرت الرئیس نے ایک طویل سفر فرمایا تھا اور اس ماہر فن تجوید کو فلاحِ دارین میں لا بٹھایا تھا، حضرت مولانا شیر علی صاحب جیسی شخصیت شاید ہی کسی نے دیکھی ہو، علم کے لیے ان کے مجاہدات، تنہا وطن سے دور، درویشانہ زندگی، شاید ہی گجرات نے ایسا کوئی استاذ پایا ہو۔

اسی طرح طلبہ میں جو ذہین، محنتی اور باصلاحیت ہوتے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان پر خصوصی توجہ فرماتے اور نئی نئی مفید کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیتے، اساتذہ اور وقت کی قدر کرنے پر زور دیتے، ایک مرتبہ بندہ اور ہماری جماعت کے ایک دو طلبہ گھر جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن نماز فجر میں غیر حاضر تھے، دوسرے دن بروز سنیچر کسی استاذ کے نہ ہونے کی وجہ سے گھنٹہ خالی تھا، اس وقت پوری جماعت کو دفتر میں طلب فرمایا اور دوران سبق فرمایا کہ کل جمعہ کو بعد فجر میں مسجد میں گھوم رہا تھا تو سوچا کہ فلاح دارین کا "مکھن" آج نظر نہیں آ رہا ہے، یہ سن کر تمام طلبہ ہنس پڑے۔

بندہ کے دس سالہ تعلیمی دور میں ''فلاح دارین'' میں کئی اہم شخصیات تشریف لائیں، درجۂ اردو کے پہلے ہی سال اجلاس سالانہ میں اچانک حضرت مولانا غلام حبیب صاحب نقش بندی تشریف لائے، رات میں کسی استاذ نے خواب دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آج کے اجلاس میں شریک ہیں تو حضرت الرئیس نے اس کی تعبیر مولانا غلام حبیب صاحب سے دی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم شخصیات اور مہمانوں کی آمد ورفت ہوتی رہی، جو حضرت الرئیس ہی کی محنتوں اور قربانیوں کا نتیجہ تھا۔

ایک مرتبہ دفتر میں چند مہمان آئے تو بندہ اور ایک طالب علم کے ذریعہ ان کے لیے چائے منگائی، چائے لاتے ہوئے ہمارے ساتھی کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا جس کی وجہ سے دفتر میں چائے پھیل گئی، اس پر آپ مہمانانِ کرام سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ یہ غلطی سے ہوا ہے، میں ایسے وقت کسی طالب علم کو نہیں ڈانٹتا، اس بے چارے کی اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

کئی مرتبہ موقع کی مناسبت سے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی کتاب **''ردّة ولا أبا بكرٍ لها''** کا ذکر فرماتے اور اس میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ **''أينقص الدين وأنا حيّ؟''** بار بار سنا کر دین کے تئیں حمیت و غیرت پیدا کرتے ہے

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

حضرت الرئیس کی زبان سے دو چار اشعار جو بار بار سنے وہ یہ ہیں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر توشاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

از پئے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نہ تواں خدا را شناخت

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کر دیکھو کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

ادارہ فیضِ دارین کی سرپرستی اور رکنیت:

ہماری تنظیم بنام ''ادارہ فیض دارین'' ورتھی تقریباً سنہ ۲۰۰۵ء کے آخر سے علمی، تصنیفی اور ملی مختلف خدمات کی غرض سے قائم ہے، تقریباً ۲۰۱۰ء میں حضرت الرئیس سے اس کی سرپرستی اور رکنیت کی درخواست کی گئی تو بخوشی قبول فرما کر ممنون فرمایا، اس کے بعد کئی مرتبہ ادارہ کے سلسلہ میں مشورہ کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی، تین سال قبل ادارہ کی مستقل ایک عمارت تعمیر کرنے کا منصوبہ تجویز پایا تو سنگ بنیاد رکھنے کے لیے حضرت ہی تشریف لائے اور جب عمارت تعمیر ہوگئی تو اس میں ''شعبۂ تخصص فی التفسیر'' شروع کرنے کا حکم فرمایا اور افتتاحی اجلاس میں حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی اور حضرت رئیس الجامعہ مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے ادارہ میں شعبۂ تخصص فی التفسیر کے آغاز کا اعلان کیا گیا، اور الحمد للہ! سالِ رواں شعبۂ تخصص فی التفسیر کا دوسرا سال ہے، اللہ تعالی اسے ہمیشہ جاری وساری رکھے۔ آمین!

ہمارے ادارہ فیض دارین کے سرپرست ورئیس بھی حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم ہی ہیں، اللہ تعالیٰ بعافیت حضرت کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور حضرت کو ان کی خدمات کا دارین میں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مفکر ملت مدظلہ
ایک کامیاب منتظم و مربی

بقلم

حضرت مولانا یوسف صاحب بھڑکودروی فلاحی مدظلہ

استاذ حدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ! بندہ کا دارالعلوم فلاح دارین میں ۱۹۷۳ء میں عربی اول میں داخلہ ہوا، فارسی اول و دوم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں پڑھا تھا، ہم نے جب فلاح دارین کو دیکھا تو اسے جنت کا ایک ٹکڑا پایا، تھوڑی سی جگہ میں مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے مدرسہ کے ذمے دار حاجی موسیٰ راوت صاحب مرحوم سے مل کر مکمل ضرورت کی درس گاہیں تعمیر کیں جس کے لیے میں نے دیکھا کہ یہ دونوں حضرات تین تین چار چار گھنٹے مشورہ کرتے تھے، دونوں حضرات دارالعلوم کی ترقی کے پیچھے اتنے منہمک تھے کہ دارالعلوم میں فجر کی اذان سے پہلے تشریف لا کر خود بچوں کو آواز دے کر اٹھاتے تھے اور ان کی آواز سنتے ہی طلبا نماز کے لیے بھاگ کھڑے ہوتے، نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ایک چکر لگاتے، نظر اتنی تیز تھی کہ ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتا تھا کہ فلاں بچہ نماز میں نہیں ہے، جس کی بنا پر تمام طلبہ بہت ڈرتے تھے اور نماز میں حاضر رہتے تھے، اس کے بعد حضرت گھنٹی بجنے سے پہلے دفتر میں آجاتے تھے اور دوپہر کو چھٹی ہونے کے بعد مطبخ میں طلبا کو دوپہر کا کھانا کھلا کر پھر گھر تشریف لے جاتے، پھر دوپہر کو ظہر کی نماز میں آکر مدرسہ میں ہی رہتے تھے اور عصر کے بعد طلبا کو کھانا کھلا کر گھر تشریف لے جاتے، یہ حضرت کا ایک دن کا معمول نہیں تھا بلکہ جس دن ہمارا داخلہ ہوا اس وقت سے فارغ ہونے تک یہی سلسلہ ہم دیکھتے رہے، حاصل کلام یہ کہ مدرسہ کی ترقی کے لیے حضرت نے اپنے وقت کی اتنی قربانی دی ہے کہ انہیں اپنی اولاد کی جتنی فکر کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ایک خاص بات یہ

تھی کہ وہاں کے طلبا یہ دعا کیا کرتے تھے کہ ہمارے استاذ غیر حاضر نہ رہے؛ کیوں کہ حضرت مہتمم صاحب کا یہ معمول تھا کہ صبح میں جیسے ہی کسی استاذ کی رخصت کی پرچی ملتی تو فوراً وہ جماعت چاہے کوئی بھی ہو اس کو دفتر میں بلا کر گذشتہ دن کا سبق سنتے تھے اور جو بچہ شرارتی ہوتا اس کا پہلے سنتے تھے، سنانے میں ناکام رہنے پر اس طالب علم کو ایسے میٹھے انداز میں تنبیہ فرماتے کہ تمام طلبا کے بیچ میں وہ طالب علم مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا تھا اور اس کو اپنی اصلیت اور اپنے مقام کا پتہ چل جاتا اور شرارت سے خود بخود باز آجاتا تھا، حضرت کے اس طریقہ سے طلبہ بھی ڈرتے تھے اور اساتذۂ کرام پر بھی ایک رعب طاری رہتا تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ہر فن میں ایسی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔

حضرت ہر ایک کے ساتھ چاہے وہ اساتذۂ کرام ہوں یا طلبائے عزیز مزاج شناسی سے کام لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے سب کے دل میں ان کا ایسا رعب رکھا تھا کہ بغیر مارے بھی طلبائے کرام سنبھل کر رہتے تھے، ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والوں کو دیکھتے ہی حضرت ٹوکتے تھے، ان کا یہ نظریہ تھا کہ مدرسے میں ذی صلاحیت اساتذہ کو لایا جائے، اسی بنا پر اپنے دورِ اہتمام میں بڑے بڑے کامل اساتذۂ کرام کو جمع فرمایا، قراءت کے فن میں سبعہ عشرہ کے لیے حضرت نے مستقل ایک مہینے کا سفر کیا اور استاذِ مکرم قاری انیس احمد صاحبؒ کو ترکیسر لے آئے، قاری صاحب مرحوم کا مزاج بہت نازک تھا؛ لیکن ایک فن کو زندہ کرنے کے لیے یہ سب برداشت کیا، جس کی بدولت الحمد للہ آج قراءت کا فن ترقی پذیر ہے۔

حضرت مہتمم صاحب نے ادارہ کی ترقی کے لیے بہت زیادہ تلخ وشیریں کا سامنا کیا ہے، بارہا ہم کو نصیحت فرماتے رہتے تھے کہ علمائے کرام کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چاہے ملک ہو یا بیرونی ملک بقدر ضرورت ہی رزق رکھا ہے، اللہ نے علمائے کرام کے لیے آخرت میں ہی سب کچھ رکھا ہے، ان کا یہ قول بندہ کو ۱۹۸۱ء میں فارغ ہونے کے بعد سے دس سال عالی پور دار العلوم ہدایت الاسلام میں پڑھانے کے دوران پھر ۲۴/سال سے دار العلوم مرکز اسلامی میں خدمت کر رہا ہوں اور ملک کے باہر یورپ اور افریقہ میں بارہا جانے کا موقع ملا، تب جاکر حضرت کا یہ فرمان سمجھ میں آیا کہ واقعتاً علمائے کرام کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ آخرت ہی میں رکھا ہے؛ کیوں کہ ملک کے باہر اگر ملک سے زیادہ تھوڑا مل بھی جائے لیکن وہاں کے اعتبار سے وہ ملک کی طرح ہی آمدنی ہوتی ہے، خیر! حضرت والا کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ آپ جو علم حاصل کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو نہ کہ دنیا طلب کرنے کے لیے اور حضرت والا کبھی بھی وقت کو ضائع نہیں فرماتے تھے، درسی یا غیر درسی کتابوں کے مطالعہ میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔

دنیوی معلومات بھی عجیب وغریب رکھتے تھے، مطلب یہ کہ حضرت چلتا پھرتا ایک کتب خانہ تھے، ہم نے دیکھا جب بھی کوئی مسئلہ دریافت کرنے آتا تو باوجود اتنی صلاحیت کے فوراً اس کو استاذ محترم حضرت مفتی احمد بیات صاحبؒ کے پاس بھیجتے تھے اور اس کو یہ نصیحت فرماتے تھے کہ فتویٰ دینا مفتی کا کام ہے، لہٰذا مفتی صاحب ہوں تو ان ہی کے پاس جانا چاہیے، احقر کو داخلہ کے ایک دو سال کے بعد

حضرت کی خدمت کرنے اور آپ کے گھر کے کام کاج کی ذمے داری نصیب ہوئی، جو میرے لیے خوش نصیبی تھی، مجھے بچپن ہی سے اساتذۂ کرام کی خدمت کرنے کا بہت شوق تھا، ڈابھیل میں بھی فارسی پڑھتے ہوئے اپنی خوشی سے دو اساتذۂ کرام کے کپڑے ہفتہ کے چار جوڑے دھوکر ان کے مقام پر پہنچاتا، یہاں فلاح دارین میں آنے کے بعد بھی وہی شوق اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھا، اس کے نتیجہ میں حضرت کی خدمت کا اور ان کے علاوہ دیگر اساتذۂ کرام، مثلاً مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ، مفتی احمد بیمات صاحبؒ اور قاری عباس صاحبؒ کی خدمت کا بھی موقع نصیب ہوا، میں نے حضرت کی خدمت کرتے ہوئے ان کے گھر کے اندر کی سادگی دیکھی، حضرت اور آپ کی اہلیہ محترمہ ہم خادمین کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ کھانے میں کوئی بھی نئی چیز بنتی ہم کو ضرور بلا کر کھلایا کرتے تھے، شروع ہی سے حضرت کو کتابوں کے ساتھ اتنا تعلق تھا کہ مستقل ایک چھوٹا سا کتب خانہ گھر پر ہی موجود تھا، ہر مہینہ تمام کتابوں کی صفائی کی ذمے داری بندہ کے ذمہ تھی، گھر کی چار پائیاں بھی بالکل سادہ ہوتی تھیں، جن کو ہر ماہ کھینچنے کی ذمے داری ہماری تھی۔ حضرت کو گندگی سے بہت تکلیف ہوتی تھی، ہر دو تین جمعہ کے بعد اعلان فرماتے تھے کہ میں بورڈنگ کی چیکنگ کے لیے آؤں گا چناں چہ طلبائے کرام جمعہ کے دن اپنے اپنے کمروں کی صفائی میں صبح ہی سے لگ جاتے تھے اور جب تک حضرت تشریف نہ لاتے صفائی کے لیے نکالا ہوا سامان کمرے میں نہیں رکھ سکتے تھے؛ حضرت آنے کے بعد چیک کرتے تو کہیں سے بھی جالا نظر آجاتا تو دوبارہ کمرہ صاف کرواتے۔

بہر حال لکھنے کے لیے تو اور بھی بہت سی باتیں ہیں؛ مگر فی الحال اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت کی عمر میں باعافیت برکت عطا فرمائے اور ہر قسم کی تکلیف سے آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں

بقلم

حضرت مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اللہ نے اپنی عبادت کے لیے انسان و جنات کی تخلیق فرمائی اور عبادت کی تعلیم کے لیے انبیائے کرام کا سلسلہ جاری فرمایا، سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے، آپ نے عبادت کے تمام پہلوؤں کی تعلیم و تلقین اور عبادت حقیقی و مجازی کی تشریح کے لیے علمی و عملی سرمایۂ حیات قرآن و سنت کی شکل میں پوری انسانیت کی ابدی فلاح و بہبود کے لیے پیش کیا۔

عبادت خداوندی کی علمی و عملی تفسیر کو صحابۂ کرامؓ کی ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب کی تعداد نے اپنے اندر جذب کیا، آگے تابعین کو پہنچایا۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو پہنچایا، پھر فقہائے امت، محدثین ملتؒ، مفسرین عظامؒ اور اولیائے کرامؒ اپنے اپنے زمانوں میں اسی مقصدِ زیست کی آب یاری میں لگے رہے، ماضی قریب میں سرزمینِ ہند پر خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ، حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دیگر محدثین و فقہا کی شکل میں علمی و عملی عبادتِ خداوندی کی تجسیمی صورت پیش کی۔

آگے چل کر سرزمینِ دیوبند سے اسی مقصدِ حیات کی تشریح و تعبیر کے لیے امام محمد قاسم نانوتویؒ، امام رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ

الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب دیو بندیؒ وغیرہم نے پرچمِ ہدایت وعبادت کو تاسیسِ دارالعلوم دیو بند کی شکل میں بلند کیا۔ دیکھتے دیکھتے ہندوستان کے چپے چپے میں کفروبدعت کی تاریکی کراہنے لگی اور توحید وسنت کی روشنی ظلمت واندھیریوں کے پرخچے اڑانے لگی۔

آج کے حالات میں اسی مبارک گروہ کے ایک تابناک فرد موجودہ زمانے کی زندہ وپائندہ ہستی حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی بھی ہے، جنہوں نے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۹ء میں اسی گروہِ دیو بند کا رخ کیا، جنہوں نے پورے دین کی اساس ''توحید وعبادت'' کی علمی وعملی تفسیر ''متن وشرح'' کی شکل میں امام محمد قاسم نانوتویؒ امام رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریری کاوشوں کے پیکر میں پوری امت کے سامنے رکھ دی۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ العالی نے جب ''دارالعلوم دیو بند'' کا رخ کیا ہے تو وہاں اس روحانی قافلے کے مبارک اراکین میں حضرت علامہ فخر الدینؒ، مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا اختر حسینؒ، مولانا فضل الرحمن دیو بندیؒ اور مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلندشہری رحمہ اللہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات جلوہ افروز تھیں، جن کے آفتابِ علم کی کرنیں روشن تھیں اور جہالت وبدعات کی تہ بہ تہ تاریکیاں ان کے خورشیدِ عالم تاب سے چھٹتی جارہی تھیں۔

حضرت رئیس محترم جناب مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ العالی نے ان مبارک ہستیوں سے ادب عربی، اصول فقہ اور حدیث وتفسیر کی مختلف النوع

کتابیں پڑھ کر اپنی علمی تشنگی بجھائی، اثنائے طالب علمی میں آپ کو اس بات کی ہمیشہ فکر دامن گیر رہی کہ دین اسلام کی عملی وعلمی پاس داری، شریعت کے احکام کی فقہی معلومات کے ساتھ سکے کے دوسرے رخ تصوف وتزکیہ پر بھی منحصر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اساسی ذمے داریوں میں تلاوت کلام الٰہی، تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیۂ نفوس بھی ہے، اس لیے باطنی امراض کی اصلاح کے لیے ایک شیخ کامل کی دہلیز پر جبیں فرسائی وجبہ سائی کی شدید ضرورت ہے، آخر اخلاق ذمیمہ، زبان کی برائیاں، غیبت، چغل خوری، دشنام طرازی، دروغ گفتاری، مدح سرائی، دل لگی وتمسخر کی مجالس، اسراف وتبذیر، بخل وضیقِ نفس، بغض وحسد، کینہ کپٹ، حرص وآز، حب جاہ، حب مال، عجب وکبراور شہوت وغضب کا علاج کسی شیخ کامل کی صحبت کے انوار وبرکات سے نہ کیا گیا تو امت کی نیّا پار لگانا تو کجا، اپنی ہی نیّا پار لگانا مشکل ہو جائے گا۔

اس لیے حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ العالی نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہونا دین وایمان اور اصلاح وہدایت کی خاطر ایک امر ناگزیر سمجھا تاکہ سب سے پہلے خود کو انسان اخلاق حمیدہ سے متصف بنائے، اخلاص وللّٰہیت، توکل ورضا، خوف وخشیت، زہد وتقویٰ، صبر وشکر، صدق واستقامت، تواضع وخاک ساری اور محبت ورجا جیسی صفات حمیدہ سے آراستہ ہوکر جب لوگوں کے سامنے جائے گا تو اسلام کی قولی تبلیغ سے زیادہ عملی تبلیغ وجود میں آئے گی، اس لیے اخلاق حمیدہ پیدا کرنے اور اخلاق رزیلہ سے دور رہنے کے لیے پہلے اپنے اندر خود

محبت وجذبہ پیدا کرنا پڑے گا کہ ؎

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی   ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

حضرت رئیس محترم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد ہندوستان و بیرونِ ہند کے متعدد مشائخ طریقت سے اجازتِ بیعت حاصل کی، اس طرح حضرت موصوف 'در کفے جام شریعت' اور 'در کفے سندان عشق' کا پرچم بلند لے کر جب میدانِ عمل میں اترے ہیں تو امت کے جیالے پروانہ وار آپ کے علوم سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپ کی چوکھٹ پر آ موجود ہوئے، کسی نے آپ سے ظاہری شریعت کا درس لیا تو کسی نے آپ سے باطن شریعت کا جام پیا کہ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

فراغت کے بعد سیدھے آپ ''جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل'' گجرات میں تدریس کی ذمے داری سنبھالنے کے لیے تشریف لائے، جہاں چھ سال تک متفرق طور پر طالبانِ علوم نبوت کی علمی و عملی پیاس بجھانے میں مصروف کار رہے اور دین وملت اور ملک وقوم کو جس طرح کے افراد کی ضرورت تھی ویسے ہی افراد کو بنانے، سنوارنے اور پرچمِ دین بلند کرنے میں اس جذبے سے ہمہ وقت لگے رہے کہ ؎

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے

شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

آپ نے اپنے ڈابھیل اور ترکیسر کے تینتیس سالہ دورِ تدریس میں ایسے

افرادواشخاص تیار کیے جو بجا طور پر ایک طرف دینِ متین کی کھیتی کی آب یاری کے لیے مکمل مہارت رکھنے والے تھے تو دوسری طرف ملک وقوم کے سنوارنے میں ان کو یدطولی حاصل تھا، ان کو بجاطور یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ ؎

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

اپنے زمانۂ تدریس میں آپ نے جہاں فقہ کی کتابیں طلبہ کو پڑھائیں، وہیں آپ نے حدیث شریف کا بھی درس دیا، آپ کے درس کی امتیازی بات یہ ہوتی تھی کہ سبق کا ہر پہلو واضح، شستہ، سہل الحصول اور سہل الوصول ہوتا تھا، کوئی پہلو تشنہ چھوڑنے کی عادت نہ تھی جس میں تفصیل واسہاب سے گریز کرتے ہوئے اختصار و ایجاز کا دامن بھی تھامے رہنے کا سلیقہ خوب تھا، غرض آپ کا پورا درس ''سہل ممتنع'' کا جامع تھا، جیسے آپ کی شخصیت ''سہل ممتنع'' اور نیز اس شعر کا مکمل مصداق ؎

نگاہ برق نہیں ، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہیں ، مگر دیکھنے کی تاب نہیں

حدیث وفقہ کی تدریس کے ساتھ آپ کا عربی ذوق بھی بہت پاکیزہ، شستہ، شائستہ اور نکھرا ہوا تھا، عربی ادب کی کتابیں اسی لیے آپ خاص طور پر تدریس کے لیے منتخب فرماتے تھے کہ طلبہ کے اندر عربی فہمی، عربی نطق، عربی ذوق، عربی رفتار وگفتار بل کہ عربی تہذیب وتمدن اور صاحبِ عربی کے اطوار واخلاق سے طلبہ کو مزین وآراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔

کبھی کبھی دوسرے مدارس میں بھی آپ اساتذہ یا طلبہ سے گفتگوفرماتے اور جب بھی آپ کو نصائح غالیہ گوش گزار کرنے کا موقع ملا تو آپ کی گفتگو کا ایک اہم پہلو عربی ادب بھی ہوتا تھا، آپ طلبہ کو صاحب شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وآداب اور سنن و عادات کو عربی زبان وادب کے وسیلے سے اپنانے کی خاص طور پر تلقین فرماتے، آپ کبھی دوران نصیحت پڑھتے

ليس الجمال بأثواب تزيننا إن الجمال جمال العلم و الأدب

ليس اليتيم الذي قد مات والده بل اليتيم يتيم العلم و الأدب

جدید وقدیم ادب عربی پر بھی گفتگوفرماتے، جس میں آپ کا پورا زور اس بات پر ہوتا کہ اصل عربی ادب یہ ہے کہ اس سے قرآن فہمی اور حدیث فہمی آجائے، عربی زبان وادب پر بولنے اور لکھنے کی قدرت تو چند دنوں میں مشق وتمرین کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔

کیا آپ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانویؒ کو نہیں دیکھتے، اعلاء السنن کے نام سے بیس جلدوں میں حنفی مسائل احادیث کے مستحکم دلائل کے ساتھ عربی زبان و ادب کے پیکر جمیل میں ایسی معرکۃ الآرا کتاب تالیف فرمادی کہ عدم تقلید کے حامیانِ باطل کے شیش محل میں زلزلہ آگیا، علامہ ناصر الدین البانیؒ جیسے مؤقر عدم تقلید کے حامی حضرات کو بھی اس کا خدشہ لاحق رہا کہ یہ کتاب ایسی زبردست ہے کہ اگر اس پر حاشیہ آرائی نہ کی گئی تو شاید نہیں یقینا بعد میں کوئی اس کتاب پر ایک حرف بھی نہیں بول سکتا۔

حضرت رئیس اس طرح کے واقعات اور نادر قصے اہلِ علم وتقویٰ کے بیان فرما کر طالبانِ علوم نبوت کے جذبات علمی و دینی میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کرتے اور ایمانی روح میں انقلاب برپا کردیتے، کبھی یہ شعر فارسی زبان میں لطف لے لے کر بار بار طلبہ کی مجلسوں میں دہراتے کہ ؎

بر خود نظر کشا ، ز تہی دامنی مرنج

در سینۂ تو ، ماہ تمامے نہادہ اند

کبھی طلبہ کو محنت و مشقت پر اور تحصیل علم کے میدان میں مجاہدات و ریاضات پر ابھارنے اور اندرون میں عشق کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ذکر کردہ یہ شعر پڑھ کر سناتے ؎

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جاں کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

فراغت کے بعد طلبہ کی زندگی کا رخ کچھ مبہم، مضمحل، دھندلا اور موہوم سا رہتا ہے، اس کو واضح، روشن، واشگاف، مائل بہ ترقی اور کامیاب بنانے کے لیے حضرت رئیس مدظلہ اس شعر کا بھی تکرار کے ساتھ، بار بار، متعدد بزمِ طلبہ و انجمنِ اساتذہ میں سہارا لیتے کہ ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو میرا نہیں بنتا ، نہ بن ، اپنا تو بن

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار کے بانی و مہتمم حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم کے عاجزانہ اصرار پر جامعہ اکل کوا کے دوسرے سرپرست مولانا علی یوسف کاویؒ کے انتقال پُر ملال کے بعد حضرت رئیس مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ العالی جامعہ اشاعت العلوم کے تیسرے سرپرست منتخب کئے گئے اور ایک نہایت ہی کامیاب سرپرست کے طور پر ہر سال اور تقریباً ہر اہم مجلس اور عظیم الشان پروگرام میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے جامعہ کے طلبہ و اساتذہ کو سرفراز فرماتے رہے۔

اب حضرت رئیس کی طبیعت تادم تحریر افسوس ناک حد تک بگڑی اور بگڑتی جارہی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ اے ربِ ذوالجلال! اے برہم زنِ نظام عالم! حضرت رئیس کا سایہ ہزار عافیتوں کے ساتھ تا دیر ہم پر قائم فرما، آپ کی زلات کو مبدل بہ حسنات فرما! آپ کے درجات کو اعلیٰ علیین اور بہشت بریں میں بلند فرما، اور آپ کو جلد از جلد نعمتِ بیماری کے بدلے نعمتِ صحت و سلامتی سے سرفراز فرما۔ آمین!

آج جو یہ بدن اپنی جگہ بے حس و حرکت نظر آرہا ہے وہ کبھی ''دارالعلوم فلاح دارین'' ترکیسر کی پُر بہار چہار دیواری میں اچھلتا کودتا، محوِ خرام منزل نظر آتا، اپنے شاگردوں کی زندگیوں کو سنوارنے اور ان کو منزل آشنا بنانے میں نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو دکھائی دیتا، ۲۷ رسال پر محیط خدماتِ فلاح دارین میں ایسے ایسے نابغۂ روزگار افرادِ اسلام کو جنم دیا ہے جو اکیلے ایک بزم اور تنہا ایک انجمن ہیں، سب سے پہلے تو

رئیس جامعہ اکل کوا مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ کا نامِ نامی ہے جو حضرت رئیس ہی کے ساختہ و پرداختہ اور حضرت رئیس ہی سے علم نبوت کی تعلیم و تربیت کا دودھ نوشِ جان فرمائے ہوئے ہیں، جن کو عرب کیا عجم کیا سبھی یکساں جانتے ہیں، محترم مفتی احمد صاحب دیولہ، مولانا ابرار احمد دھلیویؒ مجاز بیعت حضرت حکیم الاسلامؒ، مولانا اقبال احمد فلاحی ندوی مدنی، مولانا یوسف ٹنکاروی شیخ الحدیث فلاح دارین، قاری محمد صدیق فلاحی، قاری ایوب اسحاق ساؤتھ افریقہ، مولانا حسن صاحب مرچی مہتمم مدرسہ النور للمکفوفین افریقہ اور نہ جانے ایسی کتنی ہستیاں ہیں، جو ابتدا میں کلیاں تھیں، حضرت رئیس کی التفات وعنایات سے پھول بن کر چٹکیں، مہکیں اور مہکتی چلی گئیں، حضرت رئیس نے ان کو اپنے سینے کے لہو سے سینچا اور آج یہ کہتے ہوئے خوشی وتمنا اور فرحت واداسی کی ملی جلی کیفیت ہے کہ ؎

کلیوں کو میں سینے کے لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

واقعی فلاح دارین ترکیسر کی چہار دیواری میں جب یہ مہکتا پھول، کھلتا اور خوشبو پھیلاتا ہوا گزرتا تو ایک طرف جسم انسانی کا پاکیزہ تقدس مآب پتلا نظر آتا اور دوسری طرف تعلیم وتربیت کا ایسا بحر ذخار جس کی موجیں زبانِ حال سے یہ کہتی سنائی دیتیں کہ ؎

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبۂ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے

ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ مجھ سے پوچھے کوئی مرے دل سے
زحمتِ تنگیٔ دریا سے گریزاں ہوں
وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں

آج کیا یہ موج ہم سے جدا ہو جائے گی؟ اب کیا یہ دریا پایاب ہو جانے والا ہے؟ کیا ہم اس علم کے پہاڑ، اس بحر ذخار اور بحر ناپید کنار کی عنایات سے محروم ہو جائیں گے؟! نہیں نہیں، ہرگز نہیں اس دریا نے تو اتنی نہریں علم کی، عمل کی تحریر کی، تقریر کی اپنی تربیت کے فیضان سے بہادی ہیں جو پورے آب وتاب سے، اپنے اپنے مرکز سے رواں دواں اور ہر دم جواں ہیں۔

اپنی تصنیفات کا ایک ذخیرہ آپ نے اپنے شاگردوں کیا امت کے نونہالوں کے لیے ایسا چھوڑا ہے جو ہر وقت زندہ اور پائندہ رہنے والا ہے (۱) **أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية في غجرات**، آپ کی عربی تصنیف ہے (۲) علامہ بدرالدین عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام (۳) ترجمہ دیوان امام شافعیؒ (۴) صدائے دل آپ کے خطبات کا مجموعہ ۳؍جلدوں میں طبع ہو چکا ہے (۵) افکارِ پریشاں (۶) نصیحۃ المسلمین ترجمہ حواشی رسالۃ المسترشدین للشیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ وغیرہ کتابیں پردۂ عالم پر ثبات ودوام حضرت رئیس کے لیے کافی کچھ خدمات ہیں۔

جس ادارے کو آپ نے اپنے ۲۷؍سالہ دور ریاست وسرپرستی میں

پروان چڑھا یا وہ وہی ادارہ ہے جس میں ۱۱۹۵ ر فضلائے علم وادب، ۹۷۷ رقرائے حفص، ۳۲۹ رقرائے سبعہ، ۲۶۶ رقرائے ثلاثہ، ۱۲۸ رقرائے عشرۂ کبیر اور ۷۷۰ رحفاظ، ۶۳ رجاں باز اساتذۂ علم ودانش کی نگرانی میں، ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے تقویٰ وتقدس کی بنیاد کا سہارا لے کر، آج بھی افتاں وخیزاں، غلطاں وپیچاں حالات میں، نہایت سبک رفتاری کے ساتھ جاودانی کی منزل کی طرف، یہ گنگناتے ہوئے محوخرام ہیں کہ ؎

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی جادۂ ملکِ بقا ہے، خط پیمانۂ دل
ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانۂ دل
حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا تونے فرہاد! کبھی کھودا نہ ویرانۂ دل
عرش کا ہے، کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

حضرت رئیس سابق اور فی الحال سرپرست فلاح دارین، گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی کی خدمات کوتہہ دل سے سراہتے ہوئے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کوصحت وعافیت کی دولت عطافرمائے اور موجودہ مہتمم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب راوت فلاحی، نائب مہتمم مفتی ارشد صاحب کاپودروی کی سرکردگی میں حضرت سابق رئیس کے خون پسینے سے ۲۷ رسال تک سینچا ہوا یہ گلشن سدا آباد رہے، شادر ہے، اس کا دامن چہچہانے والے صاحبِ دانش وبینش پرندوں سے مدام بھرا رہے۔

اسی ادارے میں حضرت مفتی شیر علی صاحب قاسمی افغانوی، شیخ ابراہیم اندوری قاسمی، مفتی یوسف صاحب ٹنکاروی، مولانا محمد اقبال فلاحی مدنی اور قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی زندگی بھر کے لیے وقف حیاتِ جاودانی کے لیے ذخیرہ کرتے چلے گئے یا چلتے جا رہے ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جو حضرت رئیس مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتہم کے سینچے ہوئے ادارے کے جوہر آبدار ہیں جن سے سونے چاندی کے قالب میں ''انسان'' ڈھلتے ہیں، ایسے ''انسان'' جن کے ہر عمل کی رسی اسلام کے ہاتھ میں ہے، جن کی انسانیت کا صحیح درس اسلام دیتا ہے۔

حضرت رئیس مدظلہ العالی اپنے ستائیس سالہ دورِ ریاست واہتمام اور زمانۂ تدریس وتلقین میں ایسے ہی انسان بنانے کے لیے کوشاں تھے جن پر حکم الٰہی کی حکمرانی ہو، طاعت ربانی کی جلوہ سامانی ہو، سنن سید المرسلین کی جلوہ فشانی ہو، تواضع اس کا بستر ہو، خاکساری اس کا وطیرۂ زندگی ہو اور اسلامی تہذیب جو ''ہماری تہذیب'' ہے اس کو ہر آن اور ہر لمحے محبوب ہو، اسی طرح جیسے ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد مرحوم نے اپنے دورِ صدارت میں دیوبند کی شاداب سرزمین میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے گھر میں ''ہماری تہذیب'' کا لفظ بول کر زندگی وپایندگی کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک مرتبہ سابق صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد صاحب مرحوم دار العلوم دیوبند کی زیارت کو آنے لگے تو انہوں نے اربابِ حل و عقد کو اطلاع دی کہ میں دار العلوم دیوبند کی زیارت کا شرف حاصل کرنے دیوبند آنا

چاہتا ہوں؛ لیکن میں کھانا ''مولانا سید اسعد مدنیؒ'' کے گھر کھاؤں گا، اس اطلاع سے ارباب حل وعقد کھانے کے انتظام کے حوالے سے مطمئن ہو گئے؛ لیکن صدر جمہوریۂ ہند کے مخصوص آداب اور اسپیشل پروٹوکول ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے مطابق جانچ کے لیے پولیس افسران کی ایک ٹیم مولانا مدنیؒ کے گھر پہنچی اور انہوں نے کہا کہ صدر جمہوریۂ ہند آپ کے گھر کھانا نوش فرمائیں گے تو آپ یہ بتائیں کہ کھانا آپ کہاں کھلائیں گے، مولانا مدنیؒ نے فرمایا: دیکھو! میں زمین پر بیٹھ کر کھاتا ہوں، ان کو بھی یہیں زمین پر بیٹھ کر کھلاؤں گا، میرے پاس یہی انتظام ہے۔

پولیس افسران نے کہا: صدر جمہوریۂ ہند کے پروٹوکول کے خلاف ہے یہ طریقہ، وہ تو کرسی پر حسنِ انتظام کے ساتھ کھانا تناول کریں گے، مولانا مدنیؒ نے فرمایا: میرے یہاں یہی انتظام ہے، ان کو آپ اطلاع کر دیں، وہ آنا چاہیں تو آئیں ورنہ ان کی مرضی، انتظام تو یہی رہے گا۔

پولیس والے واپس دہلی پہنچے، صدر جمہوریۂ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم کو اطلاع دی، انہوں نے کہا: وہ جیسے بھی کھلائیں، ہم کھالیں گے، پولیس افسران دوبارہ دیوبند مولانا مدنی مرحوم کے گھر آئے اور کہنے لگے، ٹھیک ہے، لیکن آپ کیا کھلائیں گے جو بھی کھلائیں، ہم ان کو چکھیں گے۔ مولانا مدنیؒ نے کہا: شوق سے چکھیں؛ لیکن کھانا چکھنے کے لیے زیادہ تعداد میں مت آجایئے گا، یہ سن کر افسران مسکرانے لگے اور واپس گئے۔

واقعہ کے ناقل حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی ''دارالعلوم دیوبند'' کے موجودہ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں، فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں بھی دارالعلوم کے اساتذہ میں شامل تھا، صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم اپنے مؤقر وفد کے ہمراہ ''دارالعلوم دیوبند'' پہنچے، دارالعلوم کی انتظامیہ نے صدر جمہوریہ کو استقبالیہ دیا، بزمِ استقبالیہ کے اختتام پر صدر جمہوریہ اپنے وفد کے ساتھ مولانا مدنیؒ کے گھر کھانا تناول کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ استاذ گرامی قدر مفتی سعید صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے، مولانا مدنی مرحوم کا گھر آیا، دروازے سے صدر جمہوریہ ہند اپنے وفد کے ساتھ داخل ہوئے، سامنے دسترخوان زمین پر بچھا ہوا تھا، اس پر سادگی کے ساتھ کھانا چنا ہوا تھا، ایسی سادگی جس پر ہزار رونقیں قربان، بیٹھنے کا حکم تھا۔

صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم بولے: تیواری جی! آیئے، بیٹھئے، آج ''ہماری تہذیب'' کے مطابق کھانا کھایئے۔۔۔۔۔۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

یہ ''ہماری تہذیب'' کا لفظ بڑا قیمتی ہے جو صدر جمہوریہ ہند کی زبان سے نکلا اور مولانا مدنیؒ کے گھر کی عملی تفسیر تھا جسے آج ہم نے بھلا دیا، کوئی میز کرسی پر کھانے کو فخر سمجھتا ہے تو کوئی بے دسترخوان کے ہی کھانا نوش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ ''ہماری تہذیب'' اسلامی عقائد و اعمال کا وہ مختصر مجموعہ ہے جس کا مجسم پیکر حضرت رئیس مدظلہ العالی ہر فرد کو بنانا چاہتے تھے اور اسی کڑھن میں آج اپنی اس عمر کو پہنچ گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مجھے اور میرے اصحاب کو یہ شعر نہ پڑھنا پڑے کہ۔

اٹھا میں ، مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی ، نہ محبت ، نہ معرفت ، نہ نگاہ

بل کہ ''ہماری تہذیب'' میں رچے بسے لوگ مدرسے کی چہار دیواری سے جب باہر نکلیں تو در و دیوار یک لخت بول پڑیں ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند و جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

اور یہ بھی کہہ سکیں:

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو صحت و عافیت سے نوازے اور آپ کے پیغام کو پوری امت میں عام فرمائے۔ آمین!

فلاح دارین اوراس کا دور رئیسی

بقلم

حضرت مولانا ایوب صاحب جمبوسری فلاحی زید مجدہٗ

نحیف و لاغر، ظاہری و باطنی حسن سے عاری، شریر و شرارت بھری سرشت، ثقافت وتمدن سے تہی دامن لباس، آیتِ جنوں کی غماز ٹوپی، اپنی دنیا و دین سے لاعلم ایک ۱۳؍ سالہ کمسن اپنے والد بزرگ وار اور مشفق استاذ کی انگلی پکڑے ہوئے نادانوں کی سی چندھیاتی ہوئی آنکھوں کو ملتا ہوا احاطۂ فلاح دارین میں قدم رنجہ ہوتا ہے، اس کے احساسات وجذبات الفاظ کا روپ دھار کر سپردِ قرطاس ہوتے ہیں تو تصویر ابھر کر یوں گویا ہوتی ہے:

وہ فلاح دارین جو اپنی ابتدائے آفرینش سے ظاہری رکھ رکھاؤ میں اپنے ہم وطن اداروں سے کبھی سبقت نہ لے سکا اور نہ اس نے کبھی ایسا سوچا اور نہ سوچنے کی ضرورت محسوس کی، اس نے یہ باور کرلیا تھا کہ در و دیوار کو ویلوے ٹی رنگوں سے رنگ کر ظاہری نقش ونگار سے دل کش منظر کھڑا کرنا دلکشی کے مترادف ہوتا ہے، ظاہر تو صفتِ فانیہ کا آئینہ دار ہے۔

اس نے اپنی ساری توانائی بجائے مکان پر نثار کرنے کے مکیں کے بناؤ سنگھار میں صرف کی اور اس کا سارا سہرا جاتا رہا اس عظیم ہستی کے سر، جن کو عالم اسلام علی میاں ثانی، ملت کا سفیرِ کبیر، مفکر گجرات، رئیس الجامعہ فلاح دارین مولانا عبداللہ سورتی کے نام سے جانتا ہے، یہ رئیس ہی کی دور اندیشی و دور بینی کا نتیجہ وثمر ہے کہ فلاحِ دارین اب تک اسم بامسمّیٰ ثابت ہو رہا ہے اور انشاء اللہ کل قیامت تک رہے گا۔

وہ فلاح دارین جہاں اس کا محسن و مربی ہم بچوں کو شاہین زادہ ہونے کا احساس دلا کر کامیابی وکامرانی کی منزل کی طرف راہ روی کر رہا تھا، وہیں اس کے سجائے ہوئے چمنستانِ فلاح دارین کے پھولوں میں سے ایک پھول ابرار نامی تفسیری وحدیثی نکتہ سنجیاں اور موشگافیاں سلجھاتے ہوئے علمی بحر بے کراں میں ڈوبکی لگانے کا گر سیکھا رہا تھا تو دوسری طرف اس کا دل کہا جانے والا ذوالفقار فانی حیات کے فانی فلسفہ کو چاک کرتا ہوا حیات ابدی وسرمدی کا تاج سر پر سجانے کا ہنر بتلا رہا تھا، اس کا دماغ سمجھا جانے والا شیر سا شیر علی اسلاف کی اقدار کی وراثت کا وارث بننے کا بیج بو رہا تھا، فقہی جزئیات کا بادشاہ مانا جانے والا احمد بیمات مرحوم بے دینی کو بے موت مارنے کا سلیقہ سمجھا رہا تھا تو درس حدیث کا حق ادا کرنے والا عبداللہ مظاہری علمی وقار کی بساط بچھانے کا ڈھنگ بتلا رہا تھا، اس کی شان سمجھا جانے والا انیس مرحوم قرآن اور صاحب قرآن کے عشق میں شرابوری کا سبق پڑھا رہا تھا، کہنہ مشق استاذ ساز اسماعیل دیسائی مرحوم پیکر سادگی بنا بلندیاں چھونے کی تعلیم دے رہا تھا، شمس الدین بسا افغانی کا لائق فرزند یعقوب گورا مرحوم دنیا کی خاردار وادی میں تقوی کو ڈھال بنانے کا راز افشا کر رہا تھا، باوقار شخصیت کا مالک ایوب اٹالوی علمی آبگینوں کو ایک لڑی میں پرونے کی باریکیاں ادا کر رہا تھا تو ترکیسر کی شان سمجھا جانے والا ابوبکر دیسائی وقار ومتانت کی قیمت سمجھا رہا تھا، ماں کی ممتا سے زیادہ ممتا رکھنے والا عارف مہتر مرحوم کیچڑ سے کنول کا پھول کھینچنے کے آداب تلقین کر رہا تھا تو اس کی آنکھ سمجھے جانے والے عباس و صالح قرآنی بزم گاہ میں **"اقرؤوا القرآن بلحون**

العرب" کی قیمت سے واقف کرا رہے تھے تو جوش و جذبہ سے بھرا ہوا ماسٹر پٹھان مرحوم تاریخ و سائنس و جغرافیہ کی گتھیاں سلجھا رہا تھا تو ٹیپ ٹاپ کا شیدائی ماسٹر شیخ مرحوم نئی دنیا میں نئی زبان کی اہمیت اجاگر کر رہا تھا تو اس کا ہی تراشا ہوا ہیرا عبدالرشید بے نفسی کے انمول پن ہونے کا اشارہ کر رہا تھا، اس کے اپنے ماتھے کا جھومر سمجھا جانے والا اقبال چمنستان کے میٹھے بول حرزِ جان بنانے کی تگ و دو میں مصروف تھا، فلاحی خواب کی حسین تعبیر یوسف خود میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی کا منادی ہونے کا حق ادا کر رہا تھا تو اس کا اپنا جیالا ایوب کو ساڑی ٹوٹے اور بکھرے حوصلوں کو ٹھہراؤ دینے میں مصروف تھا، اس کا خاموش سمندر مانے جانے والا اسلم موسالی فقیری میں غنا کے جلوے بکھیر رہا تھا تو ندرتِ الفاظ کو اپنی طبیعت کا جز و لاینفک بنانے والا بشیر خان پوری روشن ضمیری کی مثال بنا ہوا تھا، اس کا انمول رتن کہا جانے والا صدیق اپنائیت کا فرض ادا کر رہا تھا، پدرانہ شفقت کا تحفہ رکھنے والا قاسم دیسائی نادانوں کو دانائی کا سبق پڑھا رہا تھا تو فلاح دارین کا لافانی فرزندِ ارجمند ابوبکر موسالی ان سب کا وارث بن کر حقِ وراثت ادا کر رہا تھا۔

"فلاحِ دارین" کو اپنے خون پسینے سے سینچنے والے موسیٰ و یوسف کی بے لوثی دنیا کی بے وقعتی کا بلند بانگ اعلان کر رہی تھی۔

اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا اور کروایا جا رہا تھا کہ چمنستانِ فلاح دارین کے باغبان نے اپنا سب کچھ لٹا کر اور کھو کر فلاحی باغبانی میں اپنے آپ کو کھپا دیا تھا، اس کے لیے نہ خود اپنا تھا، نہ اپنے اپنے تھے، بل کہ جو کچھ تھا اس کے لیے فلاح

دارین ہی تھا، اسی لیے جب پورا فلاح دارین ایک گلدستہ بن کر ماحول میں عطر ریزی اور اپنی رعنائیاں بکھیرتا تو بے اختیار عقل کے اس پھوہڑ کا منہ کھل جاتا اور گنگنانے لگتا

ے
سب سے انوکھا سب سے نرالا
اس باغ کا باغباں عبد اللہ

سلام ان نفوس قدسیہ اور فلاحی سپوتوں کو جو فلاحی اقدار کی نگہ داشت کرتے ہوئے اسے بامِ عروج پر پہنچانے میں ہمہ تن کوشاں ہیں ے

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اخیر میں اہل فلاحِ دارین کی نذر طارق بن زیاد کا اندلس کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی جاں نثارانِ اسلام کو کہا گیا وہ تاریخی جملہ جو تاریخِ اسلامی کا انمولِ دہر سمجھا جاتا ہے:

أيها الناس! أين المفر؟ البحر من ورائكم، والعدو أمامكم،
ليس لكم إلا الصدق والصبر۔

چمنستانِ فلاحِ دارین کا نرالا باغباں

بقلم
حضرت مولانا محمد رفیق صاحب فلاحی ورسٹھی
مدرس مدرسہ رونق الاسلام ورسٹھی زید مجدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداروں اور مدارس عربیہ کی تعلیمی، تربیتی، تعمیری، تنظیمی ترقی کا ضامن شعبۂ اہتمام ہوتا ہے اور اللہ پاک ان اہتمام کی ذمے داریوں کی انجام دہی کے لیے ایسے مفکر، مدبر اور باہوش اشخاص کا انتخاب فرماتا ہے جن کے فیض سے محدود اور مخصوص طبقہ ہی نہیں بل کہ پورے عالم کی انسانیت مستفیض ہوتی ہے اور انسانیت کے قلوب فیض پاتے ہیں اور تشنگانِ علوم نبوت اپنی علمی، عملی، تربیتی اور اخلاقی پیاس بجھا کر عالم کے انسانوں کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں اور ہدایت اور نور کی پیاسی انسانیت کے لیے منارۂ نور ثابت ہوتے ہیں، ان کی تحریر وتقریر کے ایک ایک کلمہ سے دلوں کی سیاہی دھلتی اور چھٹتی ہے اور قلوب کا زنگ صاف ہوتا ہے؛ لیکن اس منصب کے لیے بافیض افراد بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔ زمانہ گزر جاتا ہے، صدیاں بیت جاتی ہیں تو اللہ پاک ایسے افراد پیدا فرماتے ہیں۔

ع بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انہی مدارس کے اعلیٰ اور بلند پایہ رئیسوں میں سے دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر کے سابق مہتمم اور رئیس حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کی ذاتِ گرامی بھی قابل ذکر ہے جن کے اہتمام کا تابناک دور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، الحمد للہ! ان کے اہتمام کا دور ناچیز نے سالوں تک دیکھا اور پایا۔ اس ادنیٰ سے طالب علم نے ۱۹۷۱،۷۲ء میں فلاح دارین میں داخلہ لیا اور حفظ وتجوید اور درس نظامی تقریباً ۱۹۸۴ء میں مکمل کیا۔

رئیس جامعہ کا گویا ہر قدم تھا غازیانہ اور نظر تھی عارفانہ، حضرت نے اپنی قوتِ فکر کے ذریعہ مدرسہ کے تعمیری، تعلیمی، تنظیمی اور تربیتی تمام شعبوں کو اعلیٰ مقام پر پہنچایا، بالخصوص تعلیم کے میدان میں بڑے بڑے ماہر اساتذہ اور اہلِ فن کو جمع کیا۔ میں نے جب داخلہ لیا تو تقریباً ایک قاری صرف روایتِ حفص کے تھے۔ بعد میں حضرت نے بڑی کدو کاوش سے نیز دور دراز کا سفر فرما کر گوشۂ گمنامی سے حضرت قاری انیس احمد خاں صاحب فیض آبادیؒ جیسے گمنام عشرہ وثلاثہ کے ماہر استاذ کو تلاش کر لیا اور ان کے ذریعہ فنِ تجوید کی ترویج ہوئی، جس کو دنیا جانتی اور مانتی ہے۔

ان کے علاوہ شعبۂ تحفیظ کے استاذ حافظ محمد چوہان صاحبؒ جیسے ماہر وفکر مند معلم تھے، جن کے ہاتھ پر کئی سو جید حافظ قرآن عالم میں پھیلے۔ ان کے علاوہ ہر فن کے بے شمار نامور استاذ حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب، حضرت مولانا شیر علی صاحب، مولانا مفتی احمد بیمات صاحب، حضرت مولانا یعقوب گورا صاحب، مولانا حاجی یعقوب دیسائی صاحب، حضرت مولانا ابوبکر صاحب، قادر میاں صاحب رحمہم اللہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا، ان گلہائے رنگارنگ کو جمع کرنے والے چمنستانِ فلاحِ دارین کے بانی حضرت رئیس الجامعہ ہی تھے۔ ان نامور بافیض اساتذہ کی برکت سے ان کے سامنے بیٹھنے والا غبی سے غبی طالب علم بھی محروم نہیں رہتا تھا۔

ان کے علاوہ طلبہ کی تربیت کے لیے حضرت رئیس جامعہ کی پابندی سے دارالطعام کی حاضری اور کھانے اور پینے کے آداب کا اجرا کروانا، طلبہ میں نمازوں کی

فکر پیدا کروانے کے لیے گاؤں میں دور رہنے کے باوجود فجر کی اذان سے قبل دارالاقامہ میں حاضری اور طلبا کی نمازوں کی سخت نگرانی اور حضرت کی بڑی دلچسپ خصوصیت یہ تھی جس کا خود ان کو بھی پتہ نہ ہوگا، مدرسہ میں پڑھنے والے ہر طالب علم کا یہ تجربہ رہا ہے کہ طالب علم بعض مرتبہ بغیر رخصت تعلیمی اوقات یا جمعہ کے دن کہیں جائے تو طلبہ کو یہ ہوتا ہے کہ چلو جا کر آ جائیں گے، ناظم صاحب اور مہتمم صاحب کہاں آئیں گے اور کیا پتہ چلے گا تو ضرور اس سفر کے دوران حضرت کہیں نہ کہیں نظر آتے اور مل جاتے، گویا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی ذات میں اللہ پاک نے اہتمام کی فطری صلاحیت رکھی تھی، یہی وجہ ہے کہ اکثر ان کے دور کے فلاحِ دارین کے فلاحی حضرات پورے عالم میں دینِ متین کی نشر و اشاعت کا کام انجام دے رہے ہیں، ان کے علاوہ بے شمار ان کے اندازِ اہتمام تھے۔ اللہ پاک قبول فرمائیں اور حضرت کے لیے دنیا میں خیر و عافیت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

حضرت مفکر ملت کی حیاتِ طیبہ کے
چند گوشوں کی ہلکی سی جھلک

بقلم

حضرت مولانا محمد دودھات، کونڈھوی، فلاحی صاحب مدظلہ

استاذِ حدیث دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لأهله، والصلاة والسلام على أهله!

میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ عزیز محترم مولانا ادریس کولیا، کوسمبوی، فلاحی زادت فیوضہم اپنے محسن ومخدوم حضرت مہتمم صاحب **أطال الله بقائه بالخير والعافية** کی شان میں کلمات تشکر اور خراج تحسین وعقیدت کا جذبہ پیش کرنے کے لیے بے چین ہیں، جس میں آں عزیز حق بجانب ہیں ؎

تیری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں ، اٹھائے جاتے ہیں

رئیس الجامعہ فلاح دارین کی شان میں یہ تحریری دستاویز ان شاء اللہ تعالیٰ خوش آیند بھی ہے اور حاضرین و غائبین کے حق میں درس نصیحت و رغبت بھی ہے۔ موصوف کے اصرار پیہم پر یہ ٹوٹے پھوٹے چند جملے بھی حاضر خدمت ہیں، جو درحقیقت سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہیں، امید ہے کہ اہلِ فلاح کے اس نذرانہ میں شرف قبولیت پالیں۔ **وكفى بنا فخرا!**

احقر ''دار العلوم فلاحِ دارین'' میں تقریباً پانچ سال زیر تعلیم رہا، صاحب تذکرہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم ڈابھیل سے بحیثیت مدرّس تشریف لائے تھے۔ حضرت سے شرح وقایہ، مختارات، ریاض الصالحین اور قرآن پاک کی منتخب سورتوں کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ہم پہلے ہی سن چکے تھے کہ مولانا مدظلہٗ کو اللہ جل شانہٗ نے علم ادب وتاریخ اور انتظامی صلاحیت اور

مہارت کا وافر حصّہ عطا فرما رکھا ہے، اخذِ فیض کے لیے دل میں شوق انگڑائیاں لینے لگا، درمیانِ درس خوب گُل فشانی ہوتی، ادب میں تو ماشاء اللہ اردو، گجراتی، فارسی اور عربی میں یکساں ملکہ رکھتے تھے، جس کا اظہار حسبِ موقع بہترین محفوظات، ملفوظات، مقالات اور لطائف وظرافت کی صورتوں میں ہوتا تھا۔ بہت سے مصنّفین کی کتابوں پر ازراہِ خیر خواہی وعنایت آپ کی تقریظ زینتِ توثیق بنی ہوئی ہے۔ دل جوئی و ہمت افزائی آپ کا شیوہ تھا، خود میری گجراتی تالیفات بھی اس شرف سے بہرہ ور ہیں، مولانا کا مطالعہ جدید وقدیم کتب کا بڑا وسیع تھا۔

اسی طرح اکابر سے واقفیت بھی بڑی گہری تھی، جس کے نتیجہ میں ان کی مجلسِ درس وتقریر بھی بڑی دل چسپ ہو جاتی، جس سے متعلّمین، علما وعوام کے دلوں میں ایک عجیب لطف وسُرور پیدا ہوتا، جس پر بے اختیار زبان سے نکل جاتا......ع

داتا رکھے آباداں ساقی تری محفل کو

گاہے رفیق محترم مولوی احمد بوبات ڈونگریؒ کے ساتھ دولت خانہ پر حاضری ہوتی، بہت بے تکلف بات کرتے، آدمی کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے اور ماحضر کے حضور سے دریغ نہ فرماتے ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جامعہ ہذا کے گھاٹ پر اترنے والا شاید ہی کوئی طالب علم ہوگا جو حضرت موصوف کی شفقت اور احسان سے محروم رہا ہو۔ الحمد للہ! اس تذکرہ میں مضمون نگار

احباب نے کافی شرح وبسط سے ذاتی وجزوی مفید گوشوں کوالم نشرح کرنے کی سعیٔ بلیغ کی ہے ؎

ایں کار از نہاں آید و مرداں چنیں کنند

فجزاهم الله أحسن الجزاء! بعد ازاں دور اہتمام بھی دیکھا، مردم شناسی، موقع شناسی میں اپنی مثال آپ، معاصرین کے ممدوح، اپنے بڑوں کے معتمد ومنظور نظر، علما وطلبا کے دل دادہ، عوام میں باعزت وذی اقتدار، تعلیم پیشہ افراد کے لیے بہترین معلم، مشیر ورہ نما، اپنے اور پرائے کے خیر خواہ وغم گسار۔

الغرض!

قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

اپنے اکابرؒ میں حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کے علم بردار، داعی اور عامل ہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مجاہدے، تواضع اور مہمان نوازی کے مداح، نیز مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہٗ کے ذوق ومشرب کے حامل و پیامی ہیں، نیز دیگر اکابر کی سیرت وخدمات سے متاثر ومعترف رہے، ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنے کی خاص تاکید وترغیب فرماتے ہیں، اہتمام کے بارے میں کہتے میں اس کو سیکھنے، سننے کے لیے بڑوں کے پاس آمدورفت رکھتا تھا، ہر کام صحبت اور اصلاح کا محتاج ہے۔

ہنسنے کی بات پر ہنستے، خوش طبعی بھی کرتے، البتہ رونے کی بات پر جلد آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں، قاری محمد رمضان صاحب میواتیؒ ایک مرتبہ کسی کی نازیبا

حرکت پر غصّہ اور جلال میں کھڑے ہو گئے، طلبا سیڑھیوں سے نیچے بھاگنے لگے اور حضرت مہتمم صاحب صحن میں کھڑے تماشا دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

نمازوں کی ادائیگی کے لیے جلد از جلد مسجد کا رُخ فرماتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے، ذکر کی عادت تھی، تسبیح ہاتھ میں رکھتے۔ رسمی صوفی نہیں تھے، ساؤتھ افریقہ کا پہلا سفر ہوا تو یہاں کے ماحول میں خلیفہ اور مفتی کی بہتات دیکھ کر فرمایا مولوی محمد صاحب! ہم ہی اس شرف اور لیبل سے محروم رہے، جس کو دیکھو یہ ہے اور وہ ہے!

مولانا کی زبان سے سنے ہوئے چند اشعار:

آسائشِ ایں گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است
با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگی میں ہیں، یہی مردوں کی شمشیریں

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

مشتے نمونہ از خروارے، دھیڑ میں سے مُٹّھی بھر یعنی تھوڑے سے نمونے سے کل چیز کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے۔

حضرت مفکر ملت کے

چند اہم اوصاف وکمالات

بقلم

حضرت مولانا عبّاس بن آدم سریگت دڈھالوی صاحب مدظلہٗ

استاذِ حدیث دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مولانا ادریس صاحب زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیم مسنون، امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا!

حقیقت یہ ہے کہ موصوف کے متعلق مخفی گوشوں کو منظرِ عام پر لاکر اور سینہ کی امانت کو سفینہ پر منتقل کرنے کی یہ جد وجہد قابلِ تحسین اور مبارک باد ہے۔

واقعتاً حضرت مولانا محترم فراخ دلی، وسعت ظرفی، خردنوازی، حوصلہ افزائی، اعترافِ کمال، خوبیوں کو نمایاں کرنا، کمیوں کی پردہ پوشی کرنا جیسے اوصاف سے متصف ہیں۔

یہ ناکارہ تقریباً پچھلے ۱۰ سال سے رمضان المبارک کی مناسبت سے کینیڈا حاضر ہوتا ہے، جب وہ وہاں تشریف فرما ہوتے تو گھر حاضری کی دعوت دیتے، اگر حاضری میں تاخیر ہوتی تو یاددہانی فرماتے اور وہاں کے احباب سے دریافت فرماتے۔

حاضری کے موقع پر گراں قدر ملفوظات سے محظوظ فرماتے، عرب وعجم کی مطبوعہ نئی کتابوں سے واقف فرماتے، مطالعہ کی جانب رہ نمائی فرماتے اور یہ آدھ پون گھنٹہ کی مجلس سے اپنا دامن بھر کر واپسی ہوتی۔

پچھلے سال عید الفطر کے بعد تشریف لائے، حسبِ معمول باریابی کا شرف حاصل ہوا، احقر کے خیر وعافیت دریافت کرنے پر فرمایا ’’رضاء بالقضاء‘‘ یہ ہمارا ایمان ہے، موت کا ایک وقت اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے، اس میں تقدیم وتاخیر کا کوئی سوال ہی نہیں، یہ کلمات جب فرما رہے تھے تکلف وتصنع سے خالی اور یوں محسوس

ہو رہا ہے جیسے کوئی تکلیف نہیں ہے، حالاں کہ بیماری، مزید طول طویل سفر سے تشریف لائے ہوئے تھے۔

جب حضرت کے ماموں باجی پٹیل صاحبؒ نے یہاں جنوبی افریقہ میں وصال فرمایا تو احقر نے علی الفور ایک تعزیتی تحریر جو (قبیل المرگ سے لے کر تجہیز و تکفین وتدفین کے احوال پر مشتمل تھی) حضرت کی خدمت میں ارسال کی۔

خط موصول ہوتے ہی فون سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، فون پر رابطہ نہ ہونے کی صورت میں تحریراً خط کی وصول یابی کی اطلاع فرمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے لکھا کہ خط کی نقل فلاحِ دارین کے اساتذہ کو روانہ کی گئی، نیز اس کا گجراتی ترجمہ کرا کے گجراتی ماہناموں میں شریکِ اشاعت کیا گیا۔

حق تعالیٰ نے رئیس فلاحِ دارین کو نہ صرف گجرات بل کہ بیرونِ گجرات بھی مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی۔ احقر کا قیام جن دنوں دار العلوم ندوۃ العلما میں بغرض تعلیم تھا، اس وقفہ کے درمیان ۱۹۸۴ء میں ندوۃ العلما میں نصابِ تعلیم پر غور وفکر کے لیے ایک عظیم سیمینار ہو رہا تھا، اس میں شرکت کے لیے ہندوستان بھر سے حضرات علمائے کرام تشریف لائے ہوئے تھے۔ گجرات سے حضرت بھی تشریف لائے ہوئے تھے، جب حضرت مولانا السید ابو الحسن علی ندویؒ کی خدمت میں مغرب کے بعد زیارت وملاقات کے لیے تشریف لے گئے، حضرت مرحوم ومغفور نے کھڑے ہو کر استقبال فرمایا، نیز مصافحہ ومعانقہ کے بعد قریب ہی نشست پر تشریف رکھنے کے لیے اشارہ فرمایا، یہ واقعہ جہاں مرحوم ومغفور کی بلند اخلاقی کا پتہ دیتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کی حضرت والا کی نگاہ میں کیا قدر ومنزلت تھی، نیز دو

روزہ سیمینار کے اختتام کے موقع پر تجویز مرتب کرنے کے لیے جو سہ رُکنی کمیٹی کا اعلان کیا گیا تھا اس میں سرفہرست قاضی مجاہد الاسلامؒ کے ساتھ دوسرا نام مولانا ہی کا تھا۔غرض نہ صرف گجرات بل کہ بیرون گجرات ہی نہیں بیرون ہند بھی ان کی آرا کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، قبول کیا گیا اور عملی جامہ پہنایا گیا۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء!**

حضرت والا کی زندگی کے کئی پہلو ہیں جن میں ہمارے لیے درسِ عبرت ہے، یہاں چند کا ذکر بے جا نہ ہوگا:

(۱) ہمیں ان کی زندگی سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ بڑوں کو اپنے چھوٹوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) ان کی امتیازی خصوصیت ہر آنے والے سے ملاقات اور اس کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سلوک، نیز ہر ملاقات کرنے والا ان کی محبت کی خنکی کے بغیر واپس نہ ہوتا۔

(۳) کوئی شخص ان کی ملاقات کے لیے آئے اور کچھ کھائے پیئے بغیر چلا جائے یہ ممکن نہیں ہے۔

(۴) بزرگوں کا احترام، معاصرین کا اعتراف، خردوں کے ساتھ شفقت، یہ ان کا زندگی بھر معمول رہا۔

(۵) ان کے علمی وادبی کاموں کا اہم گوشہ یہ ہے کہ انھوں نے تصنیف سے زیادہ باذوق اصحابِ تصنیف اور اصحابِ درس وافتا تیار کیے، تقریباً ہر فن کے ماہرین کی ایک پوری ٹیم تیار کردی جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

(٦) مضمون زیر قلم تھا، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ صاحب کی کتاب ''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل'' زیر مطالعہ تھی، ایک مضمون نظر سے گزرا جوانہوں نے حقیقت میں مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ کے حوالہ سے لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس نام کی تبدیلی کے ساتھ نقل کر کے مضمون ختم کرتا ہوں:

''واقعہ یہ ہے کہ مفکر ملت نہایت کامیاب مدرس، مخلص مربی، شخصیت کی تعمیر میں مہارت کے حامل، بلند اخلاق، بلند نگاہ، محبت وشفقت کے پیکر، صاحبِ ذوق اور صاحبِ قلم عالم دین، استاذ، داعی اور مربی جیسے اوصاف سے متّصف رہے اور ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ ان کے اندر باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا کو اس طرح پاتے تھے کہ گھر کی جدائی کا احساس کم ہوجایا کرتا تھا، اس لیے ان کی پاکیزہ مثالی زندگی پر مرتب ہونے والی یہ تحریریں تو تمام ہی لوگوں کے لیے مفید ہیں، لیکن خاص طور پر دینی درس گاہوں کے ذمے داروں اور اربابِ انتظام وانصرام کے لیے تو چشم کشا ہیں، وہ اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں اور صاحبِ تذکرہ کی زندگی سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ ایک کامیاب استاذ، مقبول معلم، بافیض مربی اور باکمال منتظم کی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ دعا ہے اللہ تعالیٰ صاحب تذکرہ کی طویل دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور نئی نسل کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ بخشے۔ آمین!''

(وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: ص ۵۱۱، بتغییر یسیر)

امید ہے کہ یہ اقتباس حضرت مفکر ملت کے حق میں **''جاء في أوانه ومكانه''** کا مصداق ہوگا۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے
ایسا مستانہ

بقلم
حضرت مولانا مفتی موسیٰ بدات صاحب مدظلہ، باٹلی، برطانیہ
مُجاز بیعت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا! احقر نے فلاحِ دارین میں ۱۹۷۵ء میں درجۂ ہدایہ میں داخلہ لیا تھا اور ۱۹۷۷ء میں رسمی فراغت حاصل کی تھی، الحمد للہ! طحاوی شریف حضرت مولانا سے پڑھنے کی سعادت ہوئی، پہلا گھنٹہ طحاوی شریف کا تھا، وقت پر حاضری ضروری تھی، جن طلبہ کی امامت کی باری تھی ان میں بفضل اللہ بندہ کا بھی نام تھا، فجر کی نماز میں وقت پر مسجد میں حاضر ہونا ضروری تھا اور طوالِ مفصّل میں سے قراءت لازمی تھی، عدمِ حاضری پر باز پرس ہوتی، اسی تربیت کے برکات و ثمرات بحمد اللہ اب تک حاصل ہو رہے ہیں۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء!**

اِس تین سالہ مدتِ قیام میں وہ ساری باتیں اور خوبیاں وطریقۂ تربیت آنکھوں دیکھی باتیں ہیں جس کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں کسی بھی جہت سے اپنا حصہ ڈالا ہے اور دیگر حضرات کے لیے رہ نمائی کا سبب بنائے۔ آمین!

استاذِ محترم حضرت مولانا عبد اللہ صاحب زید مجدہم کی شخصیت اپنا علمی مقام، دعوت وفکر، طریقۂ تربیت، مردم شناسی وغیرہ اوصاف کے متعلق محتاج تعارف نہیں ہے، ان کے ۲۷ سالہ اہتمام میں سیکڑوں علما تیار ہوئے جو ملک و بیرونِ ملک میں علمی ودینی خدمات میں مصروف ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کا سایہ امت پر دیر تک قائم فرمائے اور صحت وعافیت عطا فرما کر امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ آمین!

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ ۔۔۔ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہو دستورِ مے خانہ

گلہائے محبت در وصفِ مفکر ملت

(بہ موقع تقریب افتتاح)

شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی، جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ

مؤرخہ: ۶/ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۵/ نومبر ۲۰۱۷ء بروز سنیچر

بقلم: حضرت مولانا مفتی عمران صاحب کوسمڑی فلاحی زید مجدہ

استاذِ جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ

شادماں ہو، شادماں رہ، جامعہ قاسمیہ — دیکھ تیری سرزمیں پر علم کا دریا رواں

ہم پہ احساں ہے بڑا یہ، گم ہے شکر کی زباں — آج ہم پر مہرباں ہے علم وفن کا پاسباں

قطرۂ خونِ جگر سے تو نے سینچا گلستاں — باغِ ترکیسر کے ہر غنچہ وگل میں تو نہاں

ماہرینِ علم وفن ہیں تیرا حسنِ انتخاب — ذوالفقار و شیر علی میں تیرا جلوہ بے حجاب

حسنِ تنظیم و تدبّر سے تیرے دن ضوفشاں — نالۂ سحری سے روشن رات کی تاریکیاں

عزمِ آہن، فکر عالی، خندہ لب، شیریں زباں — سوزِ امت، دردِ ملت، اَشک میں ڈھل کر رواں

قلب تیرا ہے مجلّٰی چشتیہ اَنوار سے — فکرِ آفاقی میں تیرے بوالحسن کی جھلکیاں

ہے تواضع، انکساری تیری فطرت کا بیاں — عالی ظرفی اور تحمل تیری ہستی کا نشاں

مردِ میداں کتنے تیری کارگہہ میں یوں ڈھلے — ناقۂ مجنوں کو جیسے منزلِ لیلیٰ ملے

خاکدانِ صوبۂ گجرات کو یہ ناز ہے — تو جو اس کے کارواں کا مردِ حق آگاہ ہے

حق سلامت تجھ کو رکھے، ہے یہ عاجزؔ کی دعا — اس سبیلِ علم کو بھی جاری کر دے جاوداں

باسمہ تعالیٰ

گلہائے محبت بخدمت جناب

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم

از: حضرت مولانا عبدالحیٔ سیدات صاحب نادرؔ لاجپوری مدظلہ، باٹلی (یوکے)

بلا شکّ و شُبہ ذی مرتبہ، ذی شان بھی تم ہو
ہمارا قلب بھی تم ہو، ہماری جان بھی تم ہو
چہیتے قوم کے ہو، لاڈلے محبوب بھی ہو تم
دلوں کی آرزو بھی، آس بھی، ارمان بھی تم ہو
ہمارے واسطے ہو بالیقیں تم نعمتِ عظمیٰ
ہمارے حق میں پھر اِک تحفۂ رحمان بھی تم ہو
تمہارے نام سے روشن ہمارا نام دنیا میں
جہاں میں مسلمِ گجرات کی پہچان بھی تم ہو
وطن کی بات ہو تو ایک مشفق رہ نما ہو تم
دیارِ غیر ہو تو درد کا دَرماں بھی تم ہو
پڑی بنیاد ترکیسر میں جب دینی اِدارے کی
اُسی کے پھر رہے برسوں تلک نگراں بھی تم ہو

رسول اللہ کی تم سنتوں پر ہو عمل پیرا
بڑے پرہیزگار و عاملِ قرآن بھی تم ہو
بڑے خوددار بھی ہو اور پابندِ شریعت بھی
طہارت اور تقوی کا جلی عنوان بھی تم ہو
فراست اور دانائی عیاں ہیں آپ کے رُخ سے
نمایاں خوبیوں والے بھلے انسان بھی تم ہو
بڑے ہی دوراندیش و مفکر اور غیرت مند
علومِ ذی شرف اسلاف کا فیضان بھی تم ہو
بڑے اچھے مقرر بھی، بڑے اہلِ قلم بھی ہو
بڑے زاہد، بڑے ہی صاحبِ عرفان بھی تم ہو
بڑے ذی فہم بھی ہو تم ، بڑے اہلِ تدبّر بھی
جہاں ہو مجلسِ علمی وہاں کی جان بھی تم ہو
جہاں دیدہ، بڑے ذی تجربہ، اہلِ نظر بھی ہو
علومِ دین کے ہیرے بھرے اِک کان بھی تم ہو
دُعا کرتے ہیں اب اللہ سے نادرؔ یہی دائم
ہمارے سر پہ سایہ دیر تک اُن کا رہے قائم

کہتے ہیں ترا علم سمندر کی طرح ہے

اثرؔ صدیقی صاحب

فیضان ترا شاخِ گلِ تر کی طرح ہے
کہتے ہیں ترا علم سمندر کی طرح ہے
بٹتی ہے ترے کوچے میں انوار کی سوغات
تو شہر میں خورشیدِ منور کی طرح ہے
مستوں کو پلا دیتا ہے عرفان کی صہبا
کردار ترا شیوۂ ساغر کی طرح ہے
ہر لفظ ترا گوہرِ نایاب کے جیسا
ہر حرف ترا حرفِ معطّر کی طرح ہے
آداب تجھے کہتی ہے ہر رفعتِ افلاک
ہر فکر تری دولتِ شہِ پر کی طرح ہے
تجسیم ہوئے سنگ ترے دستِ ہنر سے
ہر درس ترا تیشۂ آزر کی طرح ہے
تہذیب تری ایک دبستانِ مکرّم
توفیق تری مسلکِ عنبر کی طرح ہے
تو خطّۂ ساحل پہ ہے اک نور کا مینار
گہرائی دریا میں شناور کی طرح ہے
قرطاسِ عقیدت پہ اثرؔ دے دے گواہی
اس عہد میں وہ شانِ قلندر کی طرح ہے

تہنیت نامہ

بقدوم میمنت رئیس گجرات

حضرت مولانا عبداللہ صاحب زید مجدہم

پیش کردہ: محمد یوسف اسعدی

ناظم: جامعہ اسعدیہ زینت اسلام/ رنگون، برما، مؤرخہ ۱۵/ نومبر ۲۰۱۲ء جمعرات

رئیسِ گجرات اور شب بیدار ربنا اتنا کے ہیں حسین شاہکار

وہ محدث ہیں، فقیہ ہیں اور روشن ضمیر حضرت مولانا عبد اللہ بڑے ہیں باوقار

حسنِ صورت، حسنِ سیرت، ماہِ کامل، باکمال ہیں وہ قرآن اور حدیثوں کے زبردست شہسوار

انتظامِ دین ودنیا کے حسین شہباز ہیں یادگارِ اسلاف کی فہرست میں جن کا ہے شمار

جائے پیدائش میں مرحبا صد مرحبا کوچہ کوچہ بوٹا بوٹا سب ہوئے ہیں اشک بار

سرزمین ہے ہوکی کہتی ہے میرے فرزند ہیں لعل جن کے قدموں تلے بہتے ہیں صد صد آبشار

اتنا ہی میں جانتا ہوں اور تو کچھ بھی نہیں عالمی شخصیت جن کی مثلِ حضرت ذو الفقار

اسعدی کہتا ہے ادب اور بصد عجز و نیاز میرے اللہ ان کا یہاں آنا ہو اب تو بار بار

خراجِ عقیدت

از: مولانا سلیمان صاحب پانڈور، کاپودرویؒ

درشانِ حضرت مفکرِ ملت دامت برکاتہم

عالمے ربانیٔ کردہ مقام ‎ ‎ ہست در ترکیسور بر اہتمام

اے صبا تو بوئے از کاپودرا ‎ ‎ تا بسوئے ایں دیار انگیختہ

پس ازاں بو بہرہ ور ترکیسور ‎ ‎ گشت و اہلش چید در دامن گہر

جامعہ را قیِّم خدمت گزار ‎ ‎ پائبندِ دینِ احمد ذو وقار

صحبتِ اہلِ نظر در یافتہ ‎ ‎ فیض و برکت از بزرگاں یافتہ

منفقانِ جامعہ را شد امیں ‎ ‎ طالبان را ہست موزوں و گزیں

تربیت مر طالبان را خوب کرد ‎ ‎ ہمگنان را زجرِ او مرعوب کرد

اہتمامش چست و در تدبیر تیز ‎ ‎ باز دارد رائیِ او از رُستخیز

عاقل و دانشور ست و ذوالفطن ‎ ‎ بر کنارہ ماند از شر و فتن

بنشیند خاموش ، و وقتِ گفتگو ‎ ‎ ہرچہ بیند راست گوید رُوبرو

تا جبش فیضش رسید از فضلِ حق ‎ ‎ طالبان زاں مُلک راغب در سبق

مدحِ او را مردمِ ترکیسور ‎ ‎ ہرچہ گویند آزمودہ سر بسر

ہست عبداللہ نامِ نامیش ‎ ‎ ابن اسماعیل باشد کنیتش

در مودّت خوش بماند چوں چمن ‎ ‎ در قرابت ہست ابن خالِ من

حق تعالیٰ اجر بخشد پُر ز خیر ‎ ‎ پاسدارد از ہمہ آفات و ضیر